

# رہائے تراویح تحقیقی جائزہ

﴿ مؤلف ﴾

حافظ ظہور احمد حسینی

فاضل

وفاق المدارس العربیہ پاکستان، جامعہ اشرفیہ لاہور



﴿ ناشر ﴾

مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام

محلہ زاہد آباد مدینہ مسجد حضروہ، ضلع انک پاکستان، فون 057-2311400

# انتساب

احقر اپنی اس کاوش کو امام اہل سنت، پاسبان مسلک حقہ شیخ الحدیث  
 والتفسیر حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب دامت برکاتہم  
 کے اسم گرامی سے انتساب کرتا ہے۔ جو اسلاف امت کے جانشین اور  
 اکابر اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کثر اللہ سوادہم کے  
 معتمد علیہ ہیں۔ جنہوں نے تعلیمات اکابر اہل سنت والجماعت  
 رحمہم اللہ کی نشر و اشاعت اور مسلک حقہ کی پاسبانی کو اپنا مقصد  
 حیات بنایا اور جن کی تصانیف عالیہ سے انشاء اللہ ہمیشہ متلاشیان  
 حق راہ حق پاتے رہیں گے اور باطل لرزہ برانداز رہے گا۔

احقر

حافظ ظہور احمد امینی

## ﴿ فهرست مضامین ﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۹	تراویح اور تہجد میں وجوہ فرق	۱	حصہ اول
۲۱	آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد	۳	حرف اولین
	تہجد پڑھنا	۶	مقدمہ
۲۲	صحابی رسول حضرت طلح بن علی کا	۶	لفظ تراویح
	تراویح کے بعد تہجد پڑھنا	۶	نماز تراویح کی وجہ تسمیہ
۲۳	امام مالک، امام ابو محمد اور شیخ ابوالحسن	۷	نماز تراویح کی ابتداء
	زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے	۷	نماز تراویح عہد نبوی میں
	تھے	۹	نماز تراویح عہد خلفائے راشدین میں
۲۳	امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد	۱۰	خلفائے راشدین کے دور میں
	پڑھتے تھے		رکعات تراویح کی تعداد
۲۳	غیر مقلدین کے شیخ الکل بھی تراویح	۱۱	چند مشہور زور کبار محققین کی آراء
	کے بعد تہجد پڑھتے تھے	۱۳	حضرات خلفائے راشدین کا طریقہ بھی
۲۳	حضرت عمرؓ بھی تراویح اور تہجد علیحدہ		عین سنت ہے
	علیحدہ سمجھتے تھے	۱۵	بیس تراویح سنت مؤكدہ ہیں
۳۰	چند شبہات کا ازالہ	۱۷	بیس تراویح سے کم تراویح پڑھنا گناہ
۳۰	شبہ نمبر ۱ اور اس کا جواب		اور موجب وبال ہے
۳۱	شبہ نمبر ۲ اور اس کا جواب	۱۸	تراویح تہجد کی نماز سے الگ ایک
۳۳	جواب ثانی		جد نماز ہے

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۸	حجیت مرسل کی بحث	۳۳	شہدہ نمبر ۳ اور اس کا جواب
۶۰	روایت نمبر ۲	۳۷	شہدہ نمبر ۴ اور اس کا جواب
۶۰	اعتراض اول کہ یہ روایت مرسل ہے	۳۹	بیس تراویح عہد نبوی میں
۶۰	جواب اول کہ یہ مرسل معتقد ہے	۴۱	حدیث نمبر ۱ (حدیث ابن عباسؓ)
۶۰	جواب ثانی کہ یہ مؤطا مالک کی مرسل ہے	۴۱	اور اس پر اعتراضات کے جوابات
	اور مر اسل مؤطاسب صحیح ہیں	۴۱	اعتراض نمبر ۱
۶۲	جواب ثالث کہ اس حدیث پر حافظ ابن	۴۱	جواب اول
	حجر نے سکوت کیا ہے جو غیر مقلدین کے	۴۱	ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی توثیق
	نزدیک اس حدیث کے صحیح یا حسن ہونے	۴۵	ابوشیبہ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ
	کی دلیل ہے	۴۵	امام بخاری اور امام ابو حاتم کی جرح
۶۳	اعتراض ثانی کہ یہ روایت حضرت عمرؓ کے		کا جواب
	حکم سے خالی ہے	۴۶	امام احمدؒ کی جرح کا جواب
۶۳	جواب	۴۶	امام شعبہؒ کی جرح کا جواب
۶۵	روایت نمبر ۳	۴۹	امام ابن عدیؒ کی جرح کا جواب
۶۵	اس روایت کے راویوں کی توثیق	۵۰	شاہ عبدالعزیز دہلوی کا حوالہ
۶۶	روایت نمبر ۴	۵۱	جواب ثانی
۶۷	اس نسخہ پر اعتراض کا جواب	۵۳	حدیث نمبر ۲
۶۹	اس روایت کے راویوں کی توثیق	۵۳	حدیث نمبر ۳
۷۰	روایت نمبر ۵	۵۵	بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں
۷۰	اس روایت پر غیر مقلدین کے دو	۵۷	بیس تراویح عہد فاروقی میں
	اعتراضات	۵۷	روایت نمبر ۱

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۴		۷۰	اول یہ کہ اس کے راوی ابوطاہر کی کسی نے
۸۵		۷۰	توثیق ہی نہیں کی
۸۶		۷۰	جواب ابوطاہر ثقہ ہے
۸۷		۷۰	اعتراض ثانی کہ اس کے راوی ابو عثمان
۸۷			مجهول ہیں
۸۸		۷۰	جواب: یہ بھی ثقہ ہیں
۸۸		۷۳	مبارکپوری صاحب کے اعتراض کا
۸۹			جواب خود ان کے اپنے ہم مسلک مولانا
			گوندلوی سے
۸۹		۷۵	اس روایت کے دیگر راویوں کی توثیق
		۷۶	روایت نمبر ۶ (بحوالہ مصنف عبدالرزاق)
۸۹		۷۶	امام عبدالرزاق صاحب المصنف کا
			تعارف
۸۹		۷۷	مصنف عبدالرزاق پر اعتراض کا جواب
		۷۸	اس روایت کے دیگر راویوں کی توثیق
۹۳		۸۰	بیس تراویح عہد فاروقی و عثمانی میں
۹۴		۸۰	روایت نمبر ۷
		۸۱	اس روایت کے راویوں کی توثیق
۹۴		۸۳	اس روایت پر غیر مقلدین کا اعتراض نمبر ۱
۹۵		۸۴	جواب: یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے
۹۷		۸۴	وجہ اول

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۰۷	دوسری روایت	۹۸	روایت نمبر ۹
۱۰۸	تیسری روایت	۹۸	اس روایت پر دو اعتراضات
۱۰۸	چوتھی روایت	۹۸	اعتراض نمبر ۱ کہ اس کے راوی ابوالحسناء
۱۰۹	بیس تراویح عہد صحابہؓ و تابعین و تبع		مجہول ہیں
	تابعین میں	۹۸	اعتراض نمبر ۲ کہ اس کی حضرت علیؓ سے
۱۱۱	آٹھارہ صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کی حجیت		ملاقات ثابت نہیں
۱۱۳	اثر نمبر ۱ (اثر ابن مسعودؓ)	۹۹	جواب، از اعتراض نمبر ۱ کہ ابوالحسناء مجہول
۱۱۳	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)		نہیں مستور ہیں
۱۱۴	اس اثر پر اعتراض کہ یہ منقطع ہے	۹۹	مستور کی تعریف
۱۱۴	اس کا جواب کہ یہ مرسل معتضد ہے جو	۹۹	ابوالحسناء کے مستور ہونے کی دلیل
	بالافتاق حجت ہے	۱۰۱	مستور راوی کا حکم
۱۱۵	اعتراض ثانی کہ اعمش مدلس ہے	۱۰۲	ابوالحسناء پر دوسرے اعتراض کا جواب
۱۱۵	جواب	۱۰۲	ابوالحسناء کی حضرت علیؓ سے ملاقات ممکن
۱۱۵	اثر نمبر ۲: اثر عطاء بن ابی رباح		ہے اور یہی اتصال سند کے لیے کافی ہے
۱۱۵	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)	۱۰۳	روایت نمبر ۱۰
۱۱۵	حضرت عطاء بن ابی رباح کا تعارف	۱۰۴	اس روایت پر اعتراض کہ ابوسعید
۱۱۶	اثر نمبر ۳ (اثر ابراہیم نخعی)		البقال ضعیف ہے
۱۱۶	اس اثر کی سند سلسلہ الذہب ہے	۱۰۴	جواب: یہ عندا لجمہور ثقہ ہے
۱۱۶	امام ابو یوسفؒ کا تعارف	۱۰۶	اس پر تہ لیس کا اعتراض اور اس کا جواب
۱۱۷	امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تعارف	۱۰۷	چند روایات بطور شواہد
۱۱۸	امام حماد بن ابی سلیمان کا تعارف	۱۰۷	پہلی روایت بطور شواہد

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۳۱	بیس تراویح پر صحابہؓ کے اجماع ہونے	۱۱۹	امام ابراہیم نخعی کا تعارف
	پر دس علمائے کبار کی تصریحات	۱۲۰	اثر نمبر ۳ (اثر ابن ابی ملیکہ)
۱۳۵	بیس تراویح پر امت کا تو اثر و توارث	۱۲۰	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)
۱۳۷	تو اثر و توارث کی اہمیت	۱۲۰	حضرت ابن ابی ملیکہؓ کا تعارف
۱۳۷	بیس تراویح پر امت کے تو اثر و توارث	۱۲۱	اثر نمبر ۵ (اثر سوید بن غفلہ)
	پر دس علمائے کبار کی تصریحات	۱۲۲	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)
۱۳۰	غیر مقلدین کے طرف سے ایک اعتراض	۱۲۲	اثر نمبر ۶ (اثر علی بن ربیعہ)
۱۳۱	اعتراض کا جواب	۱۲۲	حضرت علی بن ربیعہ کا تعارف
۱۳۱	علامہ عینی کے ذکر کردہ اقوال کی وضاحت	۱۲۳	اثر نمبر ۷ (اثر ہشیر بن شکل)
۱۳۳	مولاناذیر رحمانی کے ذکر کردہ چند آثار کی	۱۲۳	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)
	حیثیت (حاشیہ)	۱۲۴	اثر نمبر ۸ (اثر حارث)
۱۳۷	ائمہ کے رکعات تراویح کی بابت اختلاف	۱۲۴	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)
	کی حقیقت	۱۲۴	حضرت حارث کا تعارف
۱۵۰	علامہ ابن العربی کا مسلک	۱۲۵	اثر نمبر ۹ (اثر ابوالہتیری)
۱۵۳	حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق	۱۲۵	اس اثر کے راویوں کی توثیق (حاشیہ)
۱۵۹	بیس تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق	۱۲۵	حضرت ابوالہتیری کا تعارف
۱۶۱	امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک	۱۲۶	اثر نمبر ۱۰ (امام ترمذی کا قول)
۱۶۲	امام احمد کا مسلک	۱۲۶	امام ثوریؒ، امام ابن المبارکؒ اور امام
۱۶۶	امام مالک کا مسلک		شافعی کا تعارف
۱۷۰	علامہ عینیؒ کے امام مالکؒ سے ذکر کردہ	۱۲۹	بیس تراویح پر اجماع صحابہ
	قول کی حقیقت	۱۳۱	اجماع صحابہ حجت ہے

ث

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۹۰	جواب نمبر ۳: محمد شین نے اس حدیث پر	۱۷۱	علامہ سیوطی کے ذکر کردہ قول کی حقیقت
	تہجد کے باب باندھے ہیں	۱۷۲	امام مالک کے چھتیس رکعات تراویح
۱۹۱	ایک اشکال اور اس کا جواب (حاشیہ)		پڑھنے کی وجہ
۱۹۳	جواب نمبر ۴: فقہاء کی تصریح کے مطابق	۱۷۳	ائمہ اربعہ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے
	رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کے	۱۷۴	بیس تراویح ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر
	متعلق کوئی عدد صحیح حدیث سے ثابت نہیں		علمائے امت کی نظر میں
۱۹۹	جواب نمبر ۵: رسول اللہ ﷺ یہ نماز آخر	۱۷۷	بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین
	شب میں پڑھتے تھے جب کہ تراویح اڈل		سے
	شب میں پڑھی جاتی ہے	۱۸۱	حصہ دوم
۱۹۹	جواب نمبر ۶: حدیث عائشہ کی روایات	۱۸۳	غیر مقلدین کے تراویح اور رکعات
	میں سخت اختلاف ہے		تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات
۲۰۲	جواب نمبر ۷: یہ حدیث عند بعض العلماء	۱۸۶	آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ
	مضطرب ہے	۱۸۶	آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین
۲۰۳	جواب نمبر ۸: جن علماء نے ان روایات		کے دلائل کا جائزہ
	میں تطبیق دی ہے ان کے نزدیک بھی	۱۸۶	پہلی دلیل (حدیث عائشہ)
	صرف آٹھ تراویح پڑھنا سنت نہیں	۱۸۶	اس دلیل کے دس جوابات
۲۰۶	جواب نمبر ۹: اگر بالفرض اس سے آٹھ	۱۸۷	پہلا جواب: اس حدیث کی دونوں
	تراویح کا ثبوت ہو بھی تو حضرت عمرؓ کی		روایات باہم معارض ہیں
	مقرر کردہ تعداد میں تراویح پر عمل	۱۸۸	جواب نمبر ۲: اس حدیث کا تعلق تراویح
	کرنا ضروری ہے		سے نہیں تہجد سے ہے



ج

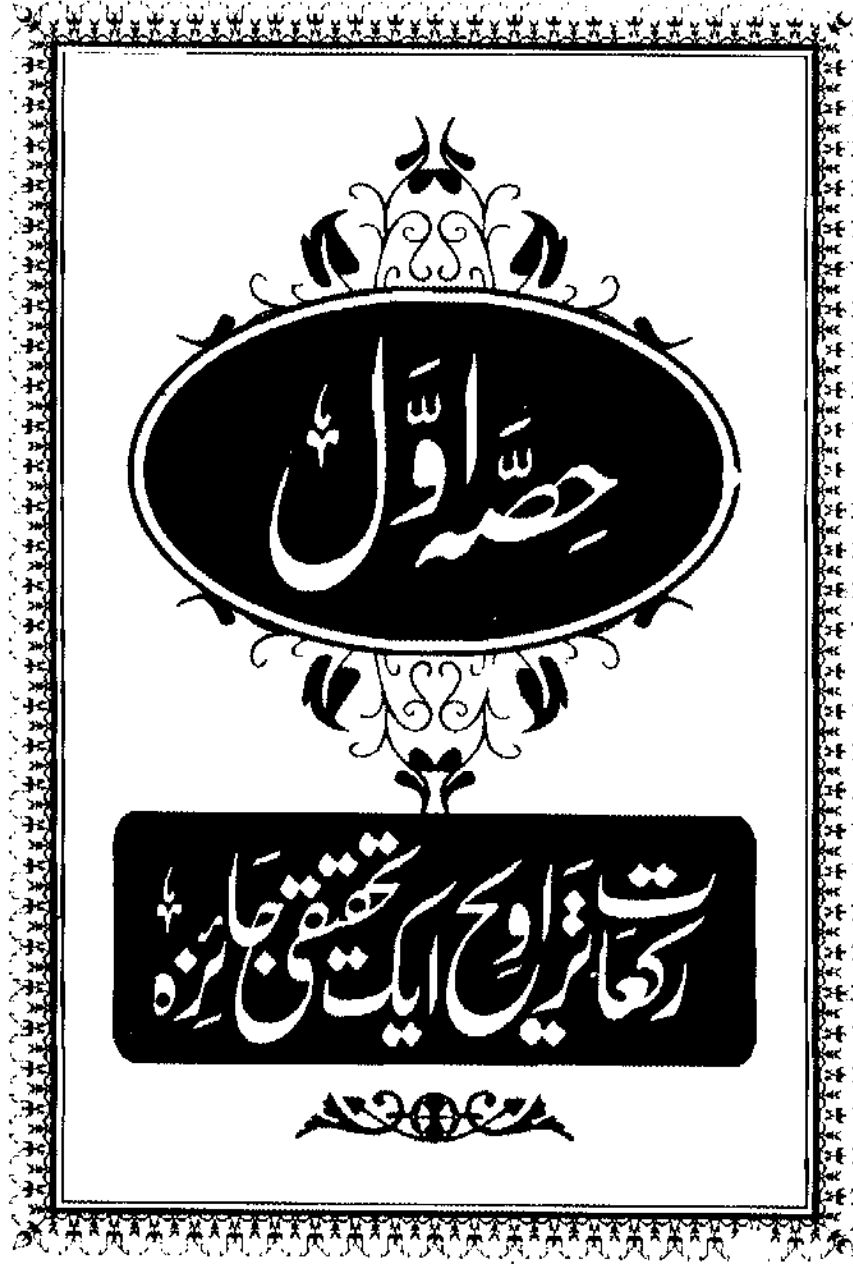
صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۲۱	پہلے کی تصحیح و تحسین غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں	۲۰۷	جواب نمبر ۱۰: اس حدیث پر غیر مقلدین کا اپنا عمل نہیں
۲۲۲	علامہ بوصیری کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی	۲۰۹	دلیل نمبر ۲ (حدیث جابر انصاریؓ)
۲۲۳	حافظ منذری غیر مقلدین کی نظر میں اہل فن رجال میں سے نہیں ہیں	۲۰۹	جواب نمبر ۱: یہ حدیث عند غیر مقلدین منقطع ہے
۲۲۳	حافظ ذہبی کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے	۲۱۰	جواب نمبر ۲: یہ حدیث ضعیف ہے
۲۲۵	کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو التاریخ الکبیر میں ذکر کرنا کیا اس کی توثیق ہے؟	۲۱۰	اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف
۲۲۶	حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کے متعلق غیر مقلدین کا دو غلاپن	۲۱۱	منکر الحدیث غیر مقلدین کے نزدیک بھی جرح مفتر ہے
۲۲۸	امام ابو حاتم کے سکوت کا حال غیر مقلدین کی نظر میں	۲۱۲	ایک اشکال کا جواب (حاشیہ)
۲۳۰	ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے	۲۱۴	لیکن الحدیث سے جرح
۲۳۰	ایک شبہ کا ازالہ	۲۱۶	ایک اشکال کا جواب (حاشیہ)
۲۳۲	روایت جابر کے دوسرے راوی یعقوب ثقی کا تعارف	۲۱۷	ابن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اور اس کا جواب
۲۳۳	یعقوب ثقی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش	۲۱۸	ابوزرعہؒ کا ابن جاریہ کو لابس بہ کہنا اس کے لیے کچھ مفید نہیں
		۲۱۹	ابن حبان کی توثیق غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں
		۲۲۰	ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۳۰	جواب نمبر ۳: اس حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں	۲۳۴	مومن آل فرعون کا لفظ راوی کی توثیق نہیں
۲۳۱	جواب نمبر ۴: یہ حدیث مضطرب ہے	۲۳۳	ابن مہدی کا قہی سے روایت لینے کا جواب
۲۳۲	دلیل نمبر ۴ (اثر حضرت عمرؓ بروایت مؤطا امام مالکؒ)	۲۳۵	امام بخاری کا کسی راوی سے معلق روایت لینا
۲۳۲	اس روایت کے دس جوابات	۲۳۶	ذہبی کا قہی کو صدوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں
۲۳۲	جواب نمبر ۱: آثار صحابہؓ خمیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں	۲۳۶	امام نسائی کا قہی کو لیس پہ باس کہنے کا جواب
۲۳۳	جواب نمبر ۲: یہ روایت وہم ہے	۲۳۷	امام طبرانی کی توثیق کا جواب
۲۳۳	ایک اشکال کا جواب (حاشیہ)	۲۳۷	روایت جابرؓ کے تیسرے راوی محمد بن حمید رازی کا تعارف
۲۳۵	جواب نمبر ۳: یہ روایت مضطرب ہے	۲۳۸	حدیث جابرؓ خود غیر مقلدین کے نزدیک ناقابل استدلال اور ضعیف ہے
۲۳۵	جواب نمبر ۴: یہ روایت منسوخ ہے	۲۳۹	دلیل نمبر ۳ (۱۰) ائمہ ابی بن کعبؓ بروایت جابرؓ
۲۳۶	جواب نمبر ۵: اس روایت کے پہلے راوی امام مالکؒ کا عمل اس روایت کے خلاف ہے	۲۳۹	جواب: یہ حدیث بھی ضعیف ہے
۲۳۶	جواب نمبر ۶: اس روایت کے مرکزی راوی حضرت سائبؓ کا عمل بھی اس کے خلاف ہے۔	۲۴۰	جواب نمبر ۲: یہ حدیث باقرار غیر مقلدین منقطع ہے
۲۳۶	جواب نمبر ۷: حضرت ابی بن کعبؓ کا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے		

## ح

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۷	مصنف عبدالزاق کی روایت پر ایک اعتراض کا جواب (حاشیہ)	۲۳۷	جواب نمبر ۸: میں رکعات والی روایات اس روایت پر راجح ہیں
۲۵۸	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۲۳۸	جواب نمبر ۹: یہ روایت غیر مقلدین کے
۲۶۰	چند مختلف روایات میں تطبیق	۲۳۸	جواب نمبر ۱۰: میں رکعات والی روایات پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے
۲۶۱	ایک اشکال کا جواب (حاشیہ)	۲۳۹	دلیل نمبر ۵ (بروایت سعید بن منصور)
۲۶۳	غیر مقلدین کے چند شبہات	۲۳۹	جواب نمبر ۱: یہ روایت حضرت عمرؓ کے حکم سے خالی ہے
۲۶۳	شبہ اولی: علامہ ابن الہمامؒ آٹھ تراویح کے قائل ہیں، اس کا جواب	۲۵۰	جواب نمبر ۲: اس روایت کا ایک راوی خود غیر مقلدین کے نزدیک ناقابل حجت ہے
۲۶۵	علامہ ابن الہمامؒ کے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں	۲۵۱	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۲۶۶	شبہ ثانیہ: شیخ عبدالحق کا ذکر کردہ اثر اور اس کا جواب	۲۵۳	دلیل نمبر ۶ (روایت مصنف ابن ابی شیبہ)
۲۶۷	شبہ ثالث: مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو بھی تسلیم ہے کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی صحیح طور پر ثابت ہیں	۲۵۳	جواب نمبر ۱: یہ روایت حضرت عمرؓ کے حکم سے خالی ہے
۲۶۷	جواب: علامہ کشمیریؒ کی تحقیق ”فی رکعات التراویح“	۲۵۳	جواب نمبر ۲: اس روایت میں اضطراب ہے اور اضطراب کی تفصیل
		۲۵۵	غیر مقلدین کی طرف سے ابن اسحاق کی روایت کی ایک تاویل کا جواب (حاشیہ)







## حرفِ اولیں



نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ  
الطیبین الطاہرین وعلی من تبعہم باحسان الی یوم الدین۔  
اما بعد:۔ دین اسلام میں نماز کی بہت بڑی اہمیت ہے، اس لیے حدیث میں اس کو عِمَادُ الدِّین (دین کا  
ستون) قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ ایسی مہتمم بالشان عبادت ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلا سوال نماز  
ہی کا ہوگا۔

روزِ محشر کہ جان گداز بود

اولین پرش نماز بود

نماز کی جملہ اقسام میں سے ایک نماز تراویح بھی ہے جو صرف رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے اور  
تراویح کی کم از کم تعداد بیس رکعات مسنون ہے۔ اس پر خیر القرون سے لے کر تقریباً تیرہویں صدی کے  
آخر تک تمام عالم اسلام کا اتفاق رہا ہے۔ انگریز کے زمانہ میں نومولود جماعت غیر مقلدین جو بزمِ خود  
الہمدیٹ کہلاتے ہیں، انہوں نے اس سنت کا انکار کیا۔ افسوس کہ جب سے اس برصغیر (پاک و ہند) پر  
انگریز منخوس نے اپنے ناپاک قدم رکھے اور بڑے بڑے فتنوں اور مسائل نے جنم لیا وہاں اس فتنہ کی بھی  
خوب آب و تاب سے آبیاری کی گئی کہ مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بیس تراویح  
پڑھنا قطعاً حدیث سے ثابت نہیں، تراویح تو صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی مسنون ہیں اور اس کے علاوہ  
تراویح کا کوئی عدد مسنون نہیں بلکہ بدعت اور ناجائز ہے۔ گویا صدیوں سے مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل  
کو بھی اختلافات کی بھیینٹ چڑھادیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں ہندوستان  
کے مشہور شہر اکبر آباد میں ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہیں تو  
اس فتویٰ کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا اور اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام ”استفتاء

الترتوح“ طبع ہوا جس میں اس علاقہ کے تقریباً اٹھارہ (۱۸) علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کیا گیا۔ ۱

اسی طرح خطہ پنجاب میں سب سے پہلے جس شخص نے ترتوح کے آٹھ ہونے اور بیس ترتوح کے رد میں فتویٰ جاری کیا وہ بھی ایک غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بنالوی گورداسپوری ۲ تھے۔ انھوں نے یہ فتویٰ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مفتی بنالوی صاحب کے فتویٰ کا جواب بھی ان ہی کے ایک اہم مسلک عالم اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد خاص مولانا میاں غلام رسول صاحب ساکن قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کی طرف سے آیا۔ میاں صاحب موصوف نے بنالوی صاحب کے فتویٰ کا جواب پرزور طریقہ سے ایک رسالہ بنام ”رسالہ ترتوح“ کی صورت میں لکھا۔ یہ رسالہ سب سے پہلے فارسی زبان میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں مطبع محمدی لاہور کی طرف سے شائع ہوا اور پھر ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم کے اردو ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے دوبارہ شائع ہو چکا ہے۔ ۳

۱۔ مقدمہ ترجمہ ”ینایح“۔ ص ۷

۲۔ محمد حسین بنالوی: موصوف جماعت غیر مقلدین کے ایک سرکردہ عالم اور برائش گورنمنٹ کے نہایت وفادار ساتھی تھے۔ آپ نے انگریزوں کی وفاداری میں جہاد کی منسوخت میں ایک مستقل رسالہ بنام ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ لکھا۔ اس رسالہ میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرنا منسوخ ہے اور پھر آپ کو اس کے معاوضہ میں انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر عطا کی گئی۔ چنانچہ مسعود عالم ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ”معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے اس کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی“۔ ”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ (ص ۲۹) مولوی عبد الجید سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں: ”آپ نے (انگریز) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔ سیرت ثنائی“ (ص ۳۷۳)۔ مولانا بنالوی کی کوششوں سے ہی انگریز حکومت نے فرقہ غیر مقلدین کو جماعت الہدیٰ کا نام الاٹ کیا۔ دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ص ۲۱۲)

۳۔ اس رسالہ کے اقتباسات ہم اس کتاب میں انشاء اللہ جاہز کر کریں گے۔

اس فتنہ کے آغاز سے لے کر آج سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن یہ فتنہ اب تک موجود ہے اور



جب بھی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جہاں اپنی رحمتیں اور برکتیں لے کر نمودار ہوتا ہے وہاں غیر مقلدین کا یہ نمونہ اور شاہراہ بھی سراٹھالیتا ہے کہ تراویح صرف آٹھ رکعات مسنون ہیں۔ اس سے زیادہ پانچ نمازات اور ناجائز ہے اور ملین الملین نے رماں اور اشتہارات کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔ عوام الناس پونہ الملیٰ تم سے ہوتے ہیں اس لیے جب وہ غیر مقلدین کا یہ پردہ پگنڈہ سنتے ہیں تو وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ شاید ہمارے پاس بیس تراویح کے اثبات میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے علماء اہلسنت والجماعت نے غیر مقلدین کے اس پردہ پگنڈہ کے جواب میں بیس تراویح کے ثبوت میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ”الرائی السنجیح“ مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ صاحب کی ”رکعات التراویح“ اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب کی ”التوضیح عن رکعات التراویح“ بطور خاص قابل ذکر ہیں لیکن پھر بھی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع ترین کتاب لکھی جائے جس میں غیر مقلدین کے پیدا کردہ تمام شکوک و شبہات کو رفع کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب ”رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ“ ترتیب دی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ اول میں بیس تراویح کے حق میں ٹھوس اور جامع انداز سے دلائل لایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی طرف سے ان دلائل پر وارو شدہ اعتراضات و اشکالات کے تحقیقی اور مثبت انداز سے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور حصہ دوم میں آٹھ تراویح کے اثبات میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک نہ بات بھی لی جائے وہ مستند اور باحوال ہو، اور تمام دلائل کو فریق ثانی (غیر مقلدین) کے مسلمات کی روشنی میں ذکر لیا گیا ہے اس لئے قارئین کو کتاب کے ہر عنوان میں فریق ثانی کے معبر علماء کے حوالے ملیں گے۔

## مقدمہ

مقدمہ ۱۔ میں تراویح سے متعلق چند ضروری مباحث پیش خدمت ہیں۔ انشاء اللہ ان کے ذہن نشین ہونے کے بعد کتاب ہذا کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ واللہ الموفق للصواب۔

### (۱) لفظ تراویح

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ”والتراویح جمع ترویحة وهي المرة الواحدة من الراحة كتسليمة من السلام“ ۱۔ تراویح ترویج کی جمع ہے اور ترویج ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں جیسے تسلیمہ ایک دفعہ سلام پھیرنے کو کہتے ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: ”والتراویح جمع ترویحة ويجمع ايضا على ترويجات“ ۲۔ تراویح ترویج کی جمع ہے اور ترویج کی جمع ترویجات بھی آتی ہے۔

### (۲) نماز تراویح کی وجہ تسمیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نماز تراویح کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں: ”سميت الصلوة في الجماعة في ليالي رمضان التراويح لانهم اول ما اجتمعوا عليها كانوا ترويحون بين كل تسليمتين“ ۳۔

جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام تراویح رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ نبی صحابہ کرام ﷺ پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویج یعنی آرام کیا کرتے تھے۔

”فتاویٰ علمائے حدیث“ میں ہے کہ: ”نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ

۱۔ یہ مقدمہ چند اضافہ جات کے ساتھ علیحدہ بھی بنام ”مسنون نماز تراویح“ چھپ چکا ہے ۲۔ فتح الباری ۳/۴۷۸

۳۔ عمدة القاری ۸/۲۳۱ ج ۲ فتح الباری ۳/۴۷۸

نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں مشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لئے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر پارہ رات لے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویج کی جمع ہے اور یہ لفظ عربی میں ایک دفعہ آرام لانے کے ہیں۔

### (۳) نماز تراویح کی ابتداء۔

تراویح کی نماز سب سے پہلے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی اور خود نبی کریم ﷺ نے اس سنت کا آغاز فرمایا۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کی ایک جماعت پر جمع فرمایا۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:-

”واول من سنه رسول الله ﷺ... ونسبت الي عمر ﷺ لانه جمع الناس على ابي بن كعب ﷺ“ سب سے پہلے نماز تراویح کی سنت رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رقمطراز ہیں:- وصلاة التراويح سنة مؤكدة، سنّها رسول الله ﷺ ونسب الي عمر ﷺ لانه جمع الناس على ابي بن كعب ﷺ تراویح نامت و لہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسنون کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس سنت کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

### ﴿۳﴾ نماز تراویح عہد نبوی میں

آنحضرت ﷺ سے آپ کی پوری زندگی میں صرف تین رات باجماعت نماز تراویح پڑھنا ثابت ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، اس کو باجماعت ادا کرنا ترک کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گھروں میں انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی تاکید فرمادی۔ نبی ﷺ کی اس تین دن کی نماز کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن

بشیرؓ وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان تین دنوں میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو تراویح کی کتنی رکعات پڑھائیں؟ اس بارہ میں کسی بھی صحیح سند روایت میں کچھ منقول نہیں، اور اس موضوع پر جتنی بھی روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں یا ان روایات کا مسئلہ تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے ۲ اور خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی تعداد مروی نہیں ہے چنانچہ اس موضوع پر چند علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ کریں۔

(۱) قاض محمد شوکانی صاحب غیر مقلد اس موضوع پر تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-  
 ”والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابہما هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلاة فیہ جماعة وفرادی، فقصر الصلاة المسماة بالتراویح علی عدد معین وتخصیصہا بقراءة مخصوصة لم یرد بہ سنة“۔ ۳  
 حاصل یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان میں قیام اور اس کو اکیلے اور باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے، پس اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے اس سے کوئی عدد معین کر لینا اور اس کو کسی مخصوص قراءت کے ساتھ خاص کر دینا سنت سے ثابت نہیں۔

۱ دیکھئے ”بخاری“ ۱/۲۶۹، ”مسلم“ ۱/۲۵۹، ”نسائی“ ۱/۲۳۸ وغیرہ۔

۲ جس طرح ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تعداد رکعات کسی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوئی، اسی طرح آپ ﷺ نے ان تین راتوں کے علاوہ جتنے دن اپنے گھر میں یہ نماز ادا فرمائی اس کی تعداد رکعات بھی کسی صحیح سند روایت میں منقول نہیں۔ البتہ ایک مشہور روایت جو کہ حضرت ابن عباسؓ مروی ہے، میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ ”مصنف ابن ابی شیبہ“ وغیرہ لیکن اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ متکلم فیہ ہے مگر چونکہ اس روایت کی تائید میں خلفائے راشدین و دیگر صحابہؓ کے آثار موجود ہیں اور امت کی تلقی بالقبول بھی اس روایت کو حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ روایت قابل عمل ہے اس کی تفصیل شروع کتاب میں ملاحظہ کریں۔

۳ ”نیل الاوطار“ شرح منتقى الاخبار (۳/۵۳)۔

(۲) علامہ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے کہا: "و لا يتعين لصلاة ليالي  
 ... .. اور جمع عددہ سنو"۔ اہل رمضان المبارک کی راتوں کی نماز یعنی تراویح  
 اہلہ (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں۔

(۳) غیر مقلدین نے جبہ داور سب سے بڑے محقق مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر کرتے  
 ہیں۔ "ولم يات تعين العدد في الروايات الصحيحة المرفوعة"۔ تراویح کا کوئی معین  
 عدد (نبی علیہ السلام سے) کسی بھی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوا۔

(۴) نواب صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب بھی اس حقیقت  
 کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وبالجمله عددی معین در مرفوع نیامده"۔  
 خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

(۵) تراویح عہد خلفائے راشدین میں:-

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح  
 کو جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور پھر اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمادی کہ وہ اس نماز کو اپنے اپنے  
 گھروں میں پڑھیں اور خود بھی وفات تک اس کو گھر میں ہی پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد  
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایام خلافت میں  
 ہی صورت حال رہی کہ سب لوگ انفرادی طور پر بلا جماعت یا پھر چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر  
 تراویح ادا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت پر فائز ہوتے ہی مختلف قسم کے فتنوں کا  
 مقابلہ کرنا پڑا، فتنہ مکرین زکوٰۃ، فتنہ مرتدین قبائل اور جھوٹے مدعیان نبوت (مسئلہ کذاب وغیرہ) کے طرح  
 طرح کے فتنے آپ کے دور خلافت میں نمودار ہوئے اور پھر آپ کا عرصہ خلافت بھی بہت قلیل تھا۔ اس  
 طرح آپ کا پورا وقت ہی ان فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی کی نظر ہو گیا اور کسی اور طرف متوجہ ہونے کا آپ

۱۔ نزول الابرار (۱/۱۲۶)۔ ۲۔ الاتقاد الرجیح (ص ۶۱)۔ ۳۔ العرف الجاری (ص ۸۳)۔

کو موقع ہی نہ مل سکا۔ لہذا تراویح کا معاملہ اسی طرح رہا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر ؓ کی وفات کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور حضرت عمر ؓ نے اپنے ہاتھوں میں لی تو اس وقت حالات پرسکون ہو چکے تھے اور فتنے بھی ختم ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت عمر ؓ کو اس پرسکون فضا میں دین کی اشاعت کا کام آسانی سے کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ آپ ؓ نے جہاں دین کے اور بہت سے کام شروع کروائے اس طرح آپ تراویح کے مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے سال یعنی رمضان المبارک ۱۳ھ میں پھر سے ایک امام کی اقتداء میں سب لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمادیا اور مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب ؓ اس جماعت کے امام مقرر ہوئے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی اس سنت کو جس کو آپ ﷺ نے امت پر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دیا تھا، حضرت عمر فاروق ؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ہونے کے اس کو پھر سے جاری فرمادیا۔<sup>۱</sup> حدیث کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری ؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں (دور فارقی میں) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر بن خطاب ؓ کے ہمراہ مسجد (نبوی) کی طرف جا نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی تو اکیلا نماز (تراویح) پڑھ رہا ہے اور کوئی نماز پڑھا رہا ہے اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: بخدا میرا خیال ہے کہ اگر ان سب لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ پھر انہوں نے سب کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔

حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ پھر میں جب کسی دوسری رات حضرت عمر ؓ کے ساتھ (مسجد کی طرف) سے گزرا تو دیکھا سب لوگ اپنے قاری (ابی بن کعب ؓ) کی اقتداء میں نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ”نعم البدعة هذه یہ بدعت (نئی چیز) بہت اچھی ہے۔“<sup>۲</sup>

(۶) خلفائے راشدین کے دور میں رکعات تراویح کی تعداد۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق ؓ

۱۔ دیکھئے طبقات ابن سعد (۲/۳)، العرف الشذی (ص ۳۰۹)، وغیرہ۔ ۲۔ بخاری (۱/۲۶۹)، سنوٹا امام مالک

نے ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جو جماعت تراویح کی قائم فرمائی تھی اس کی رکعات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ پنا نچو اب نور الحسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ”و در قدر صلوة اُبی اختلاف است، لہ از یازده تا بیست و یک و بیست و سہ“۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے جو تراویح کی نماز پڑھائی تھی تو اس کی تعداد میں اختلاف ہے گیارہ سے اکیس اور تیس رکعات تک مروی ہے۔ ان اقوال میں سے راجح اور صحیح قول سند کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس کی تحقیق تو انشاء اللہ کتاب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ ہم نے یہاں صرف یہ جائزہ لینا ہے کہ علمائے محققین جو روایات کے پرکھنے کے ماہر ہیں ان کی تحقیق کیا ہے؟ اور ان کے نزدیک حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی رکعتوں کی تعداد کیا تھی؟ آئیے چند مشہور اور گتبار محققین کی آراء ملاحظہ کریں۔

### مشہور اور گتبار محققین کی آراء:

(۱) امام محمد بن اور لیس الشافعیؒ فرماتے ہیں:-

”فاما قیام شہر رمضان احب الی عشرین لانه روى عن عمرؓ“۔ ۲  
رمضان المبارک میں قیام (تراویح) کی مجھے بیس رکعتیں پڑھنا پسندیدہ ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہیں۔

(۲) امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ فرماتے ہیں:-

”واكثر اهل العلم على ما روى عن عليؓ وعمرؓ وغيرهما من اصحاب النبي ﷺ عشرین رکعة“۔ ۳  
اکثر اہل علم میں رکعات تراویح کے قائل ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور نبی ﷺ کے دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ میں رکعت کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:-

۱۔ العرف الجاری (ص ۸۴) ۲۔ کتاب الام (۱/۱۲۵) ۳۔ جامع الترمذی (۱/۹۹)

”وہو صحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة۔“ ۲  
 حضرت ابی بن کعب ؓ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کا مخالف نہیں ہے۔  
 نیز فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا جاتا ہے، وہ صرف وہم ہے۔ ۱  
 (۴) علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:-

”ان عمر ؓ لما جمع الناس علی ابی بن کعب ؓ کان یصلی لهم عشرين  
 رکعة۔“ ۲

حضرت عمر ؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ؓ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔  
 (۵) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں رقم طراز ہیں:-

”ولما جمع عمر علی ابی بن کعب ؓ کان یصلی بهم عشرين رکعة ثم  
 یوتر بثلاث“ ۳

جب حضرت عمر ؓ نے صحابہ کرام ؓ کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ انہیں بیس  
 رکعت تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۶) امام تقی الدین ابو بکر الجبھی فرماتے ہیں:-

”فجمعهم علی ابی بن کعب ؓ وواظب لهم عشرين رکعة واجمع الصحابة  
 معه علی ذلك۔“ ۴

حضرت عمر ؓ نے صحابہ کرام ؓ کو حضرت ابی بن کعب ؓ پر جمع فرمایا اور تراویح کی بیس رکعتیں ان کے لئے  
 ہمیشہ کے لیے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ ؓ نے حضرت عمر ؓ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کر لیا۔

(۷) امام زین الدین عراقی (استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی) لکھتے ہیں:

۲ عمدة القاری شرح بخاری (ج ۳ ص ۱) دیکھئے زرقانی شرح موطا (۲۱۵/۱)۔ ۳ المغنی (۷۹۹/۱)

۴ مجموعۃ الفتاویٰ (۵۲۰/۱۱) مطبوعہ ریاض ۲ کتاب الاخیار (۱۷۲/۱)



۱۔ احادیث صحیحہ راجعاً للناس علی صلاة التراويح فی شهر رمضان مقتدین بانہی بن  
۱۰۰۰۔ عشرین رکعة غیر الوتر و هو ثلاث رکعات ۱۔

۲۔ حضرت مرنے لوگوں کو رمضان المبارک کے مہینہ میں نماز تراویح کے لیے حضرت ابی بن کعب کی  
اقتداء میں جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۸) غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رقم طراز ہیں:-

”ان عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی بہم عشرین رکعة“ ۲  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا تو وہ انھیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۹) نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں:-

”وبسنت رکعت زیادت عمر بن الخطاب است“ ۳

بیس رکعات تراویح میں بارہ رکعات کا اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا۔

(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحب ”غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ  
باعت تراویح کی تعداد بیس تھی ۴۔

تلك عشرة كاملة

۱۔ طرح التعریب فی شرح القریب (۸۸/۳)

۲۔ مجموع مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب (ص ۱۱۷/۳)

۳۔ ہدایۃ السائل (ص ۱۳۸) بحوالہ رکعات التراويح (ص ۹۲) مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی

۴۔ دیکھئے رسالہ تراویح مع ترجمہ ”ینایح“ (ص ۱۰)

## ناظرین!

اسلاف امت اور علمائے کرام کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت کی تعداد جو صحیح طور پر ثابت ہے، وہ صرف بیس رکعات ہے کیونکہ ان حضرات نے یہاں حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کا تذکرہ فرمایا لیکن انہوں نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا۔ اگر حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کے علاوہ کوئی اور عدد ثابت ہوتا تو یہ حضرات اس کو بھی ضرور ذکر کرتے، اس کے بالمقابل آپ کو تیرہ سو سال میں ایک بھی کوئی ایسی قابل قدر ہستی نہیں نظر آئے گی جس نے یہ کہا ہو کہ حضرت عمرؓ نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا حکم فرمایا تھا۔ لہذا یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی جو جماعت تشکیل دی تھی اس کی صحیح تعداد بیس رکعات تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ یکے بعد دیگرے اقتدار خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، ان دونوں حضرات کے دور خلافت میں بھی حضرت عمرؓ کے دور کی طرح بیس تراویح کا ہی رواج رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں بیس رکعات کی تفصیلی روایات انشاء اللہ آگے آرہی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے اس دور میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

### (۷) حضرات خلفائے راشدین کا طریقہ بھی عین سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو جس طرح سنت کہا جاتا ہے اسی طرح حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی سنت کی تعریف میں داخل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ سنت کی تعریف میں لکھتے ہیں: والسنة هي الطريق المسلوك فيشتمل ذلك التمسك بما كان عليه هو و خلفاء الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه هي السنة الكاملة“ ۱۔ سنت اس طریقہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس (طریقہ کا) تمسک ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور

۱۔ جامع العلوم والحکم (۱/۱۹۱)، بحوالہ ”راہ سنت“ (ص ۳۱)۔

آپ کے خلفائے راشدین عامل تھے، چاہے وہ اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال اور یہی سنت کاملہ ہے۔ نہ نہ بیس تراویح کی جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کی جو خلفائے راشدین میں سے ہیں اور ان کے بعد نایفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی موافقت کی ہے۔ لہذا بیس تراویح کی جماعت بھی عین سنت ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”فلما كان عمر رضی اللہ عنہ جمعهم على امام واحد وهو ابى بن كعب رضی اللہ عنہ الذي جمع الناس عليه بامر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ هو من خلفاء الراشدين حيث يقول رضی اللہ عنہ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى عضوا عليها بالنواجذ يعني اضراس لانها اعظم في القوة وهذا الذي فعله هو السنة“ لے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو ایک امام پر جمع فرمادیا اور وہ امام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کی امامت پر لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکم پر جمع ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جنکی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اس کو ڈارہوں سے مضبوط پکڑو۔ الحدیث۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈارہوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ پکڑنے میں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کام سرانجام دیا وہ بالکل سنت ہے۔

”(۸) بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں:-“

جس سنت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفاء نے بیشکلی نہ کی ہو بلکہ اس کو انہوں نے کبھی کبھی سرانجام دیا ہو اس کو تو سنت غیر مؤکدہ کہتے ہیں لیکن جس کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا ہو اور اس پر مواظبت فرمائی ہو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ چونکہ بیس تراویح حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی قائم کردہ ہیں اور اس پر انہوں نے مواظبت بھی کی ہے لہذا بیس تراویح کا پڑھنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔

۱ فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۲/۲۳)، بحوالہ نماز تیسیر (ص ۲۵۴)۔

علمائے کرام نے بیس تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی باقاعدہ تصریح کی ہے۔ چنانچہ چند حوالے ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں:-

التراویح وہی عشرون رکعة و کیفیتہا مشہورہ وہی سنة مؤکدة - ۱  
تراویح بیس رکعات ہیں اور ان کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۲) مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:-

”وقیام شہر رمضان عشرون رکعة یعنی صلوة التراویح وہی سنة مؤکدة ۲  
قیام رمضان یعنی نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:-

”التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدين اجماعا بعد صلوة العشاء وہی  
عشرون رکعة“ ۳

نماز عشاء کے بعد تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا بالاتفاق خلفائے راشدین کی مواظبت سے ثابت ہے اور وہ  
بیس رکعات ہیں۔

(۴) علامہ عبدالحی صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں:-

و صرحوا ایضاً بان عشْرین رکعة سنة مؤکدة - ۴

علمائے کرام نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔

علامہ (ڈاکٹر و ہبۃ الزحیلی) ارقام فرماتے ہیں:

صلوة التراویح او قیام شہر رمضان عشرون رکعة وہی سنة مؤکدة - ۵

نماز تراویح یا قیام رمضان بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۱ احياء العلوم (۱/۱۶۷) ۲ المغنی (۱/۸۰۲) ۳ رد المحتار (۱/۵۲۱)

۴ تحفة الاخيار ص (۴۰) ۵ لفتة الاسلامی وادلیہ (۲/۷۲)

(۹) بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا گناہ اور موجب وبال ہے۔

بہا بات ثابت ہوگئی کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور سنت مؤکدہ کا عمدہ ترک کرنا عصیان اور گناہ ہے۔ لہذا بیس تراویح سے کم پڑھنا گناہ اور سنت مؤکدہ کا ترک کرنا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (جو غیر مقلدین کے ہاں بھی بڑی قابل قدر شخصیت ہیں) اس بات کو نہایت واضح طریقہ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ان مجموع عشرین رکعة فی التراویح سنة مؤکدہ لانه معاواظب علیہ الخلفاء وان لم یواظب علیہ النبی ﷺ وقد سبق ان سنة الخلفاء ایضاً لازم الاتباع وتارکھا اثم وان کان اثمہ دون اثم تارک السنة النبویة فمن اکتفی علی ثمان رکعات یکون مسیئاً لترك سنة الخلفاء وان شئت ترتیبه علی سبیل القیاس فقل عشرون رکعة فی التراویح معاواظب علیہ الخلفاء الراشدون وکل معاواظب علیہ الخلفاء سنة مؤکدہ ثم تضمه مع ان کل سنة مؤکدہ یائم تارکھا، فینتج عشرون رکعة یائم تارکھا ومقدمات هذا القیاس قد اثبتناھا فی الاصول السابقة۔ ۲ ترجمہ: تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے جمعیگی کی ہے اگرچہ حضور ﷺ نے اس پر جمعیگی نہیں کی، اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کو چھوڑنے والا گناہ گار ہے اگرچہ اس کا گناہ حضور ﷺ کی سنت ترک کرنے والے سے کم درجہ کا ہے۔ لہذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ

۱۔ علامہ عبدالحی لکھنوی۔ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: برصغیر پاک و ہند میں جن حضرات کو تبحر علمی، جودت و ذہانت، فہم و فراست اور زبرد تقویٰ کے ساتھ ساتھ کثرت تصنیف کا شرف حاصل ہے، ان میں حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنوی بھی ہیں۔ اثری صاحب مزید لکھتے ہیں: مولانا لکھنوی فقہی مکتب فکر کے اعتبار سے حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں وہ فقہی جمود نہیں جو عموماً برصغیر کے حنفی علماء میں پایا جاتا ہے۔ سنت روزہ الاعتصام ۴ جون تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء ص ۲۱، ۲۰۔ ع والفضل با شہدت بہ الاعداء لـ تحفة الاخیار (ص ۶۷-۶۸) مشمولہ مجموعہ رسائل لکھنوی (۳/۳۰۷-۳۰۸)

براکام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت کو ترک کیا۔ اگر تم قیاسی طریقہ پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو: بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لہذا بیس رکعت بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ ہر سنت مؤکدہ کو ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے لہذا بیس رکعات کا تارک بھی گناہ گار ہو گا۔ اس قیاس کے مقدمات ہم سابقہ اصول میں ثابت کر چکے ہیں۔

(۱۰) تراویح تہجد کی نماز سے الگ ایک جدا نماز ہے۔

نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں جدا گانہ نمازیں ہیں۔ جو نماز اول شب میں ادا کی جاتی ہے اس کو نماز تراویح یا قیام رمضان کہا جاتا ہے اور جو نماز آخر شب میں پڑھی جائے اس نماز کو تہجد یا قیام اللیل کہتے ہیں۔ یہ تمام اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین حضرات جس طرح رکعات تراویح کے مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت سے کٹ کر صرف آٹھ تراویح کے قائل ہیں اسی طرح اس جماعت کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس جماعت کے ایک سرکردہ رکن مولوی عبداللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث ہو گئے تھے) نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں ایک ہی نماز ہیں اور چونکہ یہ انوکھا مسئلہ جس طرح تمام اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف تھا اسی طرح یہ مسئلہ خود غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات سے بھی متصادم تھا اس لئے خود جماعت غیر مقلدین میں بھی اس کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری نے سب سے پہلے اس فتویٰ کے خلاف آواز اٹھائی اور مولوی چکڑالوی کی زبردست تردید کی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (عبداللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دونوں یہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے۔ کیونکہ تہجد کے معنی نیند سے اٹھ

کہ نماز پڑھنا قاسم میں ہے تَمَّ جَدًّا اسْتَيْقَظَ اِنْتَهَى۔<sup>۱</sup>  
 موجودہ غیر مقلدین بھی عبداللہ چکڑالوی کی تقلید میں تراویح اور تہجد دونوں کو ایک ہی نماز قرار دیتے  
 ہیں لیکن ان کے شیخ الاسلام کا فرمان ابھی گزرا کہ اس دعویٰ پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے  
 پھر غیر مقلدین کس دلیل کی بنیاد پر دونوں نمازوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

**تراویح اور تہجد میں وجوہ فرق:** نماز تراویح اور نماز تہجد میں کئی وجوہ سے فرق ہے لیکن ہم بطور  
 نمونہ مثنیٰ از خوارے صرف دس وجوہ فرق بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) تراویح کو قیام رمضان جبکہ تہجد کو قیام اللیل کہتے ہیں اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔ چنانچہ مشہور  
 غیر مقلد علامہ، دید الزمان لکھتے ہیں واما قیام اللیل فهو غیر قیام رمضان۔<sup>۲</sup>  
 قیام اللیل قیام رمضان کے علاوہ ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد کا وقت بھی جدا جدا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء  
 لی نماز لے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے۔<sup>۳</sup>

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔<sup>۴</sup>  
 مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام) لکھتے ہیں: بہر حال تہجد  
 کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے، ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ  
 رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔<sup>۵</sup>  
 جبکہ تراویح کے متعلق حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ستائیسویں  
 شب سحری تک پوری رات قیام کیا تھا۔<sup>۶</sup> معلوم ہوا کہ تراویح تہجد سے جدا نماز ہے۔

<sup>۱</sup> اہل حدیث کا مذہب (ص ۹۶) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص ۶۹۰) ج ۲ نزل الابرار (ص ۳۰۴) ج ۲ (۲۵۱-۶)

<sup>۲</sup> فتاویٰ ثنائیہ (۱/۴۳۱)۔ ج ۲ تفسیری حواشی قرآن مجید (ص ۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن مجید پبلک پریس سعودی

عرب ۵ ابو داؤد (۱/۱۹۵)، ترمذی (۱/۹۹)

(۳) تراویح اور تہجد میں ایک وجہ فرق یہ بھی ہے کہ نماز تراویح بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے۔

جبکہ نماز تہجد کسی کے نزدیک بھی سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے۔

(۴) نماز تراویح عید کی نماز کی طرح اسلام کے شعائر ظاہرہ (وہ عبادات جن کو بطور اشتہار ادا کیا جاتا

ہے) میں سے ہے۔ لیکن تہجد کی نماز شعائر ظاہرہ میں داخل نہیں ہے۔

(۵) نماز تہجد کی مشروعیت نص قرآنی ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: "وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ

نَافِلَةً لَّكَ"۔ اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَمِنَ اللَّيْلِ الْقَلِيلَا"۔

رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم (ترجمہ مولانا جو ناگرہمی غیر مقلد)۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آپ چادر

چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بناء پر نماز تہجد آپ کے

لیے واجب تھی ۵۔ جبکہ نماز تراویح کی مشروعیت احادیث سے ہوئی۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "ان الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان وسنة لكم

قيامه"۔ ۶۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا ہے اور میں نے اس کے قیام

(تراویح) کو تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے۔

(۶) پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو باجماعت

مدینہ منورہ کے اندر ادا فرمایا۔ پھر اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے تراویح کو باجماعت پڑھانا چھوڑ دیا کہ

کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن تہجد کی فرضیت اس سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں منسوخ ہو چکی

تھی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے: "ان الله عز وجل افترض قيام الليل نبي

اجامع الرموز (۱/۹۵)، المغنی ابن قدامہ (۱/۸۰۲)، وغیرہ

۲ نیل اودار (۳/۵۷) للشوکانی غیر مقلد ۳ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹

۴ سورۃ المؤمنین حکمت عائشہ سے روایت ہے: "ان الله عز وجل افترض قيام الليل نبي" سنن نسائی (۱/۳۳۹)



اول هذه السورة فقام نبي الله ﷺ واصحابه حولاً وامسك الله تعالى خاتمتها انى  
من رآه رآه فى السماء حتى انزل الله فى آخر هذه السورة التخفيف فصارت قيام  
الليل انظروا بعد الغريضة لـ -

بے شک اللہ عزوجل نے اس سورۃ (المزمل) کے شروع میں قیام اللیل (تہجد) کو فرض کیا تو نبی ﷺ  
اور ان کے صحابہ کرام ؓ ایک سال تک قیام یعنی تہجد پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخری  
دھڑ کو بارہ ماہ تک آسمان میں روکے رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل کی  
تو قیام اللیل فرض ہونے کے بعد تطوعاً جاری ہوا۔

اب اگر تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو تہجد کی فرضیت تو پہلے سے مکہ مکرمہ میں (کیونکہ سورۃ المزمل کی  
پہلی آیت دو پہلی تھی تو پھر ۱۱ بار مدینہ منورہ میں اس کے فرض ہونے کا کیا خوف تھا جس کا نبی ﷺ نے  
غذائے ظاہر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ، صحابی رسول حضرت طلح بن علی ؓ، امام بخاری اور دیگر ائمہ محدثین سے ثابت ہے  
کہ تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور خود غیر مقلدین کے شیخ الکاک مولا نذیر حسین دہلوی  
بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

### آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرام ؓ کو تراویح پڑھائی، ان  
میں سے ایک رات آپ ﷺ نے علیحدہ بھی نماز پڑھی اور وہ تہجد کی نماز تھی۔ چنانچہ حضرت انس ؓ سے  
روایت ہے:

عن انس ؓ قال كان رسول الله ﷺ يصلى في رمضان، فجئت فقممت الى جنبه  
وحاء رجل فقام ايضاحتى كئنا رهطاً فلما احس النسيء اننا خلفه جعل يتجوز  
في الصلاة ثم دخل رحله فصلى صلوة لا يصليها عندنا لـ

یعنی ہم (۲۵۲/۱)، کتاب القراءة (ص ۳) للصحیح ۲ مسلم (۳۵۲/۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک رات) رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ محسوس فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو مختصر کر کے ختم کر دیا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز (تہجد) پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ جو نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھائی وہ نماز تراویح تھی اور جو اپنے حجرے میں جا کر نماز پڑھی وہ نماز تہجد تھی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز ہمیشہ اپنے حجرہ میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں: ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل فی حجرته“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت انس کے الفاظ ”یصلی صلوة لا یصلیہا عندنا“ بھی صراحتاً اس پر دال ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز حجرہ میں ادا فرمائی وہ اس نماز سے جدا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں صحابہ کے ساتھ پڑھی، حجرہ والی نماز تہجد تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو نماز ادا کی وہ نماز تراویح تھی۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلق بن علی کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت قیس بن طلق اپنے والد کا قصہ بیان کرتے ہیں: ”قال زارنا طلق رضی اللہ عنہ بن علی فی یوم من رمضان وامسئ عندنا وافرثم قام بنا تلک اللیلة ووتر بسناثم انحدرا الی مسجدہ فصلی با صحابہ حتی اذا بقی الوتر قدم رجل فقال او تر با صحابک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا وتران فی لیلة ۲۔ حضرت قیس بن طلق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ہمارے والد) حضرت طلق رضی اللہ عنہ بن علی رمضان المبارک میں ایک دن ہمارے پاس ملاقات کیلئے تشریف لائے اور شام تک ہمارے پاس ہی رہے اور یہیں روزہ افطار کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رات ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے، پھر اپنی مسجد کی طرف

گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے تو اپنے ایک ساتھی کو آگے کر دیا اور فرمایا تم اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ایک رات میں

اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بعد تہجد کی نماز پڑھی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ نے جو نماز پہلی دفعہ گھر میں پڑھی پھر اس کو مسجد میں جا کر دوبارہ دہرایا ہو اس لئے کہ احادیث میں ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تصلوا صلوة فی یوم مرتین!۔ کہ ایک ہی نماز کو دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

امام مالک، امام ابو محمد اور شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔  
 فقہ مالکی نے مشہور محقق امام محمد بن عبدالرئی المعروف یہ ابن امیر الحاج نے اپنی کتاب المدخل میں نقل لیا ہے کہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک، حضرت ابو محمد اور مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ ۲۔

امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام الحدیث حضرت امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: امام حاکم ابو عبد اللہ نے سند روایت کیا ہے مقسم بن سعید سے کہ محمد ابن اسماعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے، وہ نماز تراویح پڑھا کرتے اور ہر رکعات میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے پھر سحر کو (نماز تہجد میں) نصف لے لیا کرتا قرآن پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن کو ایک قرآن ختم کرتے اور اظہار کے وقت ختم ہوتا تھا اور سحر کے وقت تیرہ رکعات (تہجد کی) پڑھتے اور ایک رکعات وتر کی ہوتی ۳۔

۱۱۱ (۸۶/۱) ۲ دیکھئے کتاب "المدخل لابن الحاج" (۲/۲۹۹) طبع بیروت۔

۳ دیکھئے تیسیر الباری شرح بخاری (۱/۳۹)

امام ابو محمد اصفہانی المتوفی ۱۰۰۰ھ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد اصفہانی المعروف بابن اللبان، جو مشہور شافعی فقیہ ابو حامد اسفراینی کے شاگرد تھے، کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پورے رمضان میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھاتے تھے اور ہر روز جب تراویح سے فارغ ہو جاتے تو مسجد میں ہی نماز تہجد پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی تھی!۔  
غیر مقلدین کے شیخ الکل بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ ۲۔ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے:۔ رمضان شریف میں آپ صبح ۱۔ شام تک درس جاری رکھتے۔ رات بحالت قیام دو دفعہ قرآن مجید سنتے، ایک دفعہ اول رات نماز تراویح میں اپنے شاگرد حافظ احمد محدث اور فقیہ سے تین پارے ترتیل اور تجوید کے ساتھ سنتے، پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبد السلام سے ایک پارہ روزانہ سنتے ۳۔

ان آثار سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں اسی طرح ان آثار سے غیر مقلدین کے اس دعویٰ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابیؓ، یا کسی سلف سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۸) امیر المؤمنین خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظمؓ بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے

۱۔ تاریخ بغداد (۱۰/۱۳۳) ۲۔ مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ: موصوف جماعت غیر مقلدین میں نہایت قدر و منزلت کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ ایک مقتدر غیر مقلد عالم مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے ان کے بارے میں ان القابات سے لگایا جاسکتا ہے ”شیخ الکل امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقہاء، علم العلماء، جامع العلوم النقلیة والعقلیة ناصر السنة النبویة، عمدة العاملين، حجة الله على الخلق، مجدد القرن الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین الخ“۔ ”ہدایة المستفید“ (۱/۱۰۰)۔ بحوالہ ”حدیث اور اہل حدیث“ (ص ۱۳۴) ۱۔ نتائج التقليد (ص ۲۹) بحوالہ ”خزائن السنن“ (۳/۲۸)

تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا: ”والنبي تنامون عنها افضل من النبي ان تقومون“۔ حضرت مولانا رشید احمد کنگواہیؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔ معنی اس قول ہے یہ ہیں

۱۔ یہ نماز اس سے سوجھے ہوئے ہے یعنی تہجد کہ یہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے یہ پڑھتے ہوئے یعنی تراویح کہ اس کو اذل وقت پڑھتے تھے اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اٹھتے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہیں چاہیے ۲۔ علامہ ابن الحاج مالکؒ لکھتے ہیں: ”وما قاله عمرؓ بين الخطاب فانما هو محمول على غيرهم لا عليهم اذ انهم رضى الله عنهم جمعوا بين الفضيلتين من قيام اول الليل والاولى“۔ ۳۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان صحابہ کرامؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول ہے ابو عبد اللہ صحابہ کرامؓ تو اول رات لے قیام (تراویح) اور آخر رات کے قیام (تہجد) دونوں کی فضیلت جمع کر لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی دونوں کو جدا جدا نماز سمجھتے تھے ۴۔

۱۔ ”حاشیہ“ (۲۹۹/۱) وغیرہ ۲۔ الرائی النجیح (ص ۷) ۳۔ ”المدخل“ (۲۹۹/۲)  
 ۴۔ بعض فیروز قلدین حضرات حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی ایک عبارت کو پیش کر کے حضرت عمرؓ کے اس قول کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان دونوں نمازوں کو جدا جدا نہیں قرار دیا ہے بلکہ دونوں کو ایک نماز کہا ہے۔ چنانچہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد کے قلم سے پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر اپنا تبصرہ لکھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ اس مسلک کی تائید حضرت عمرؓ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ ”اتن آت شب میں اپنے گم پڑھا کرتے تھے حالانکہ لوگوں کو یہ علم دیا تھا وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کریں۔“۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں:۔ ”یہ نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمارا اول شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا تھا جو نماز تم اول شب میں پڑھتے ہو اس کو آخر شب میں پڑھا کر دو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح اور تہجدی رمضان دونوں کو ایک ہی قرار دیا۔ انوار المصباح (ص ۸۳): حوالہ فیض الباری (۲/۳۲۰)  
 جواب: حضرت شاہ کشمیریؒ کی طرف سے اس عبارت کا انتساب کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

اولاً: اس عبارت کی بنیاد باتوں پر ہے۔ نمبر ۱: حضرت عمرؓ تراویح بجائے اول شب لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھتے =

(۹) سب ائمہ حدیث بھی تراویح اور تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ تمام مشہور محدثین نے تراویح کا الگ باب قائم کیا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے مثلاً امام بخاری نے اپنی صبح بخاری میں، امام مسلم نے صبح مسلم میں، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں، امام مالک و امام محمد نے مسوطا میں، امام عبدالرزاق اور امام ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں، امام بیہقی نے سنن المبرای وغیرہ میں، امام دارقطنی نے اپنی سنن میں، امام بغوی نے المصاحیح میں، امام خطیب

= کے گھر میں آخر شب میں پڑھتے تھے۔ نمبر ۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفل بھی تراویح کو آخر شب میں پڑھنے کا تھا لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی اس لئے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ (اول شب) مسجد میں تراویح پڑھنا ہی ثابت ہے چنانچہ مدونہ کبرای (۱۹۴/۱) میں ہے ان عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کسانا یقومان فی رمضان مع الناس۔ نیز اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں ہی تراویح پڑھتے تھے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور آخر شب میں ہی تراویح ادا کرتے تھے۔ اور دوسری بات اس لیے غلط ہے کہ خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ: ان الذی ثبت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم هو التراویح اول الیل۔ معارف السنن (۵۵۲/۵) بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اول شب میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ نیز فرماتے ہیں:۔ لکن الاحادیث الصریحہ ان قیامہ صلی اللہ علیہ وسلم بہم فی رمضان کان فی اول الیل۔ حوالہ سابق۔ یعنی صریح احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ قیام (تراویح) اول شب پڑھتے تھے۔ پس جب اس قول کی بنیاد ہی غلط ہے تو اس غلط بنیاد پر قائم قول کو کیسے صبح باور کیا جاسکتا ہے؟۔ ثانیاً:۔ حضرت کشمیری کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے بارہ میں بیان کردہ یہ توجیہ ان کی ہی ایک دوسری توجیہ جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے تحت ہی بیان کی ہے، سے متصادم ہے چنانچہ حضرت اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہیں: ان غرض عمر الفاروق رضی اللہ عنہ انکم تنامون آخر اللیل وتصلون اولہ مع ان الاولیٰ بکم ان تطیلوہا الی آخر اللیل ”معارف السنن“ (۵۵۲/۵) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غرض اس اپنے فرمان سے یہ تھی کہ تم آخرات کو تو سو جاتے ہو اور اول رات تراویح پڑھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اس نماز کو آخر شب تک لے جاؤ۔ اب شاہ صاحب اپنے اس بیان میں صاف اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم تراویح تو اول شب ہی پڑھو لیکن اس کو ذرا لمبا کر کے تہجد کے وقت تک لے جاؤ تاکہ تم کو بتدافل صلوٰتین (تراویح اور تہجد) دونوں کا ثواب ملتا رہے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کے حوالہ سے آگے آ رہا ہے کہ تدافل صلوٰتین سے دو نمازوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور حضرت کشمیری نے اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے دیکھئے معارف السنن۔ معلوم ہوا کہ حضرت کی بیان کردہ پہلی توجیہ مروج ہے لہذا غیر مقلدین کا اس توجیہ (جو خود صاحب توجیہ کے نزدیک بھی مروج ہے) سے استدلال کرنا باطل ہے۔

تبریزی نے مشکوٰۃ میں، امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار میں، امام خوارزمیؒ نے مسند امام اعظم میں، امام ابن نصر روزئی نے قیام اللیل میں، امام ابن تیمیہؒ نے منہجی الاخبار میں، امام ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام میں تراویح کا باب الگ باندھا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے۔ ان محدثین کرام کا تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک دونوں جدا جدا نماز ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدین کی کتب حدیث صلوٰۃ الرسول وغیرہ میں بھی دونوں کے الگ الگ باب موجود ہیں۔

(۱۰) ائمہ حدیث کی طرح فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے ہیں اور تمام کتب فقہ میں تراویح اور تہجد کا الگ الگ باب قائم ہے اور ان دونوں کے مسائل جدا جدا لکھے گئے ہیں بلکہ کتب فقہ میں تو تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی باقاعدہ تصریح موجود ہے۔ فقہاء احناف نے تو ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے دوسرے ائمہ فقہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنبلی کی معتبر کتاب "المفتوح" میں ہے: "ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بها في الجماعة فان كان له تسجد جعل الوتر بعده لـ"۔  
پھر تراویح کی نماز ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں کہ ان کو رمضان المبارک میں باجماعت پڑھے اور اس کے بعد وتر کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھے اور اگر تہجد بھی پڑھنے ہوں تو پھر وتر کو تہجد کے بعد پڑھے۔

فقہ مالکی کی کتاب "المدخل" میں ہے: "ينبغي للمكلف ان اذا صلى المغرب يعجل فطره ثم يقوم فيصلى بحزبين ونصف او اكثر قبل العشاء ثم يخرج فيصلى مع الناس القيام ويوتر معهم ثم ينام ما قدر له ثم يقوم لتسجده فيصلى ما تيسر له مما بقى عليه من الليل ۲۔ مكلف (بالغ) كيليه مناسب ہے کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھے تو جلدی افطار کر لے پھر نماز (ادائین) کیلئے کھڑا ہو جائے اور نماز میں ڈھائی پارے یا اس سے زیادہ پڑھے۔ پھر (مسجد کی طرف) نکلے اور لوگوں کے ساتھ قیام یعنی تراویح پڑھے پھر سو جائے جو اس کے مقدر میں ہے، سونے کے بعد تہجد پڑھنے کیلئے کھڑا ہو جائے اور جس قدر آسانی ہو باقی رات نماز نفل (تہجد) پڑھے۔

علامہ ابن رشد مالکی تہجد اور تراویح میں تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وان التراویح التي جمع علیها عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب مرغب فیها وان كانوا اختلفوا فی ای افضل اھی او الصلوة آخر اللیل؟ اعنی التي كانت صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن الجمهور علی ان صلوة آخر اللیل افضل۔“

تراویح جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اس میں رغبت دی گئی ہے، اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ تراویح افضل ہے یا آخری رات کی نماز (تہجد) افضل ہے؟ یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی لیکن جمہور کے نزدیک آخر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے۔

”الفقه الاسلامی وادبہ“ (جو چاروں فقہ کے مسائل پر مشتمل کتاب ہے) میں ہے:-

فان كان له تهجد جعل الوتر بعده استحبابا لقوله صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا آخر صلوتكم باللیل وتر وان لم یکن له تهجد جعل الوتر مع الامام لینال له فضیلة الجماعة۔  
اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے ہوں تو مستحب ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد پڑھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ اور اگر تراویح کے بعد تہجد نہیں پڑھنی تو پھر وتر کو امام کے ساتھ پڑھ لے تاکہ اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

شارح بیجوری شافعی لکھتے ہیں: وکیف كانت صلوته صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ای فی لیلایہ وقت التہجد زیادة علی ما صلاها بعد العشاء من التراویح ۳۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی ہوتی تھی یعنی رمضان کی راتوں میں تہجد کے وقت کہ جو نماز تراویح کے علاوہ تھی جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد پڑھتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (جن کو غیر مقلدین اہل حدیث اور غیر مقلد قرار دیتے ہیں) بھی تراویح اور تہجد کو جدا جدا نماز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث عائشہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

حضرت عائشہ جس نماز کا ذکر کر رہی ہے اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں

۱۔ ”بداية المجتهد“ (۱/۱۵۳) ۲ (۷۵/۲) ۳ بیجوری شرح شمائل ترمذی (ص ۱۲۳) بحوالہ نماز مسنون (ص ۶۲۲)



برابر تھی۔ اس کو صلوة اللیل کہتے ہیں۔ لیکن تراویح کی نماز اس کے علاوہ ہے کہ محدثین کرام کے عرف میں اسے قیام رمضان کہتے ہیں۔ ۱۔

ان حوالہ جا۔ سے واضح ہو گیا کہ فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد دونوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں ورنہ وہ کبھی بھی ان دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی تصریح نہ کرتے اور نہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دیتے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے ۲۔

خود غیر مقلدین کے علماء نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد سے سوال کیا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر رات تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مولانا صاحب جواب میں لکھتے ہیں: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اول شب میں تہجد نہیں ہوتی ۳۔

اسی طرح فتاویٰ علماء حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے ۴۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں: ماہ رمضان میں اکثر لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کے پہلے صبح میں قیام کر چکا ہو تو وہ پچھلے صبح میں بھی قیام کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل کر سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے ۵۔

قارئین!۔ غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ان ٹھوس دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نماز ہے اور غیر مقلدین کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں۔ نیز ان کا یہ دمای خود ان کے اپنے اکابر کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ ان دس دلائل کے علاوہ اور بھی نئی دلائل ہمارے پیش نظر تھے لیکن بوجہ اختصار ان ہی دس دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کے لیے یہی کافی ہیں۔ تلك عشرة كاملة۔

۱۔ حاشیہ مالا بدینہ (ص ۷۸)

۲۔ سنن ابی داؤد (۸۶/۱) ۳ فتاویٰ ثنائیہ (۶۸۲/۱) ۴۔ (۲۵۱/۶) ۵۔ جمعی علی الصلوٰۃ (ص ۳۹)

### چند شبہات کا ازالہ :

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے والوں کے پاس ایک بھی دلیل موجود نہیں، البتہ غیر مقلدین کے چند شبہات ہیں جن کو وہ اپنے زعم میں بہت وزنی دلائل سمجھتے ہیں اور ان ہی چند شبہات کو غیر مقلدین کا تقریباً ہر مصنف دہراتا ہے۔ اس لئے اب ان شبہات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

شبہ نمبر ۱:۔ مولانا نذیر احمد رحمانی اور مولوی محمد قاسم خواجہ وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرام کو تراویح پڑھائی اس کے بعد ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تہجد بھی پڑھی ہو بلکہ آخر شب کی نماز کے متعلق تو آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر شب تک قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔

جواب:۔ اس شبہ کے کئی جوابات ہیں لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب خود غیر مقلدین کے اپنے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کی طرف سے دیا جائے جو انہوں نے عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کو دیا تھا۔ چنانچہ امرتسری صاحب عبداللہ چکڑالوی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے اول شب تراویح پڑھی تھی ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئی اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو ارشاد خداوندی فَتَمَّ جُزْءٌ کِی قلیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام ۴ رکعتوں کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے حضرت عائشہؓ نے عام طور پر نفی کر دی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور ﷺ اسی اول شب کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کر کے پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دنوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں، جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کیلئے نہیں۔

اصولہ انوار المصانح (ص ۸۲)، جن علی الصلوٰۃ (ص ۳۳) وغیرہ ۱۲ الحدیث کا مذہب (ص ۹۷)

اب غیر مقلدین حضرات کی مرضی ہے کہ اپنے شیخ الاسلام کا یہ جواب پسند کرتے ہیں یا عبداللہ چکڑالوی  
مگر حدیث کی بات مانتے ہیں!

### ع پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

شعبہ نمبر ۲:- حافظ محمد زبیر علی زکی پیردادی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:- بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ تہجد  
اور تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں۔ ان کے اصول پر نبی ﷺ نے ۲۳ رکعات تراویح (۳+۲۰) پڑھیں  
جیسا کہ ان لوگوں کا عمل ہے اور اسی رات کو گیارہ رکعات تہجد (۳+۸) پڑھیں جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح  
بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک رات  
میں آپ ﷺ نے دو دفعہ وتر پڑھے حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا: لا وتران فی لیلة ایک رات میں دو وتر  
نہیں ہیں... الخ!

مولانا براہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ  
رکعات والی اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ  
قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں تو اس صورت میں ایک رات دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے  
ہیں اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں  
ہیں ۲۔

جواب:- پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین رات صحابہ کرامؓ کو نماز تراویح پڑھائی۔  
اس لئے عاواہ ہاتی دنوں میں آپ ﷺ نے گھر میں ہی بلا جماعت تراویح ادا فرمائیں۔ اب ان جن تین  
دنوں میں آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھیں ان میں وتر کس وقت پڑھے؟ آیا تراویح کے  
متصل بعد یا پھر آخر میں تہجد پڑھنے کے بعد؟ تو اس کی کسی صحیح روایت میں تصریح نہیں ملتی۔ لیکن ظاہر یہی  
ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کے بعد ہی صحابہ کرامؓ کو دو تہجدیں پڑھائی اور پھر تہجد پڑھنے کے  
بعد وتر کا اعادہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت طلحہؓ بن علی کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے جب

اپنے ساتھیوں کو نماز تراویح پڑھائی تو وتر بھی ساتھ ہی پڑھا دیئے اور پھر جب تہجد پڑھی تو وتر کا اعادہ نہیں کیا۔ یہ روایت دلیل نمبر ۷ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک غیر مقلدین کا یہ اشکال ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں تطبیق دینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو دفعہ وتر پڑھنا لازم آتا ہے، تو یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ وضاحت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس تراویح پڑھنے کے متصل بعد وتر پڑھے بلکہ اس میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس تراویح اور تین وتر پڑھے۔ اب یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں بیس تراویح پڑھ کر وتر چھوڑ دیئے ہوں اور پھر آخر شب آٹھ رکعت تہجد پڑھ کر وتر پڑھے ہوں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں۔ بہر حال یہ ساری تفصیل تو اس وقت ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک ہی رات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علیحدہ علیحدہ رات کی نماز کی کیفیت بیان کر رہے ہیں تو پھر سرے سے یہ اشکال ہی وارد نہ ہوگا کیونکہ پھر اس صورت میں اگر یہ بھی کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ کیفیت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب تراویح کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لئے تو بھی درست ہے اور اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی تعارض نہیں ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر تہجد کے بعد آخر شب میں پڑھے کیونکہ دونوں روایتیں دو مختلف زمانوں پر محمول ہوں گی۔ یعنی کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر اول شب ہی تراویح کے بعد پڑھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر آخر شب تہجد کے بعد پڑھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کے مختلف حصوں میں وتر پڑھنا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے جیسا کہ خود غیر مقلدین کے ایک عالم خواجہ محمد قاسم نے تصریح کی ہے ۱۔

باقی رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: اجعلوا آخر صلواتکم باللیل وترأ۔ اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ، تو اس فرمان کا تعلق صرف استحباب سے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا ثابت ہے ۲۔

۱۔ جی علی الصلوٰۃ (۳۸) بحوالہ بخاری (۱/۱۳۶) ۲۔ دیکھئے ہفت روزہ ”الاعتصام“ (ص ۶) ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء

الغرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو تراویح پر محمول کرنے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تہجد پر محمول کرنے سے کسی صورت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا لازم نہیں آتا۔

جواب ثانی :- غیر مقلدین کے مذہب پر تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور پھر وہ آخر رات میں اگر تہجد پڑھنا چاہے تو تہجد کے بعد وہ دوبارہ بھی وتر پڑھ سکتا ہے اور پہلے وتروں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو دو گانہ بنا لے چنانچہ نواب وحید الزمان صاحب لکھتے غیر مقلد ہیں:

ولو صلى الوتر بعد العشاء ثم استيقظ في آخر الليل واراد صلوة الليل فالافضل له ان ينقض وتره السابق بضم ركعة ثم يصلى صلوة الليل ثم يوترها بركعة لانه لا وتران في ليلة۔

اگر کسی نے وتر عشاء کے بعد پڑھ لیے، پھر وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو اور اس کا ارادہ تہجد پڑھنے کا ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے وتر کو ایک رکعت ملا کر توڑ دے اور پھر نماز تہجد پڑھے پھر اس کے بعد وتر پڑھ لے کیونکہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

شعبہ نمبر ۳ :- علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تسلیم ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

جواب :- حضرت شاہ صاحب کا یہ قول بھی غیر مقلدین کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا ہے۔

اولاً: یہ ایک امتی بلکہ مقلد امتی کا قول ہے اور غیر مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم صرف قرآن و حدیث کو حجت مانتے ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں :- ہم اہل حدیث ہیں۔ ہمارا نعرہ ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلم داشتن

ہم کہا کرتے ہیں :-

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

۱۔ نزل الابرار (۱/۱۲۳) ج فیض الباری (۲/۳۲۰، الحرف العذی (۱/۱۶۶) ج انوار الصالح (ص ۲۰)

اب نہ جانے کس مجبوری میں آکر غیر مقلدین نے اپنے نعرہ کو چھوڑ دیا اور امتی کے قول کو گلے لگالیا۔  
مولانا نذیر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسی قول کو دلیل نمبر ۴ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ.....

ع بننے ہو وفا دار تو وفا کر کے دکھاؤ

کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

غیر مقلدین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کے قول سے نہ تو استدلال کر سکتے ہیں اور نہ اس کو دلیل الزامی میں پیش کر سکتے ہیں کیونکہ دلیل الزامی کیلئے بھی دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اول:- دلیل الزامی کیلئے کوئی بنیاد یعنی کوئی تحقیقی اور استدلالی دلیل موجود ہو اور وہ غیر مقلدین کے پاس نہ ارد۔

دوسرے:- دلیل الزامی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مقابل کے مسلمات کی روشنی میں ہو اور وہ دلیل غیر شاذ ہو جبکہ حضرت شاہ صاحب کا یہ قول بشرط ثبوت خود علمائے احناف بلکہ تمام اہل سنت فقہاء کے خلاف ہے، بلکہ اکابرین دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند وغیرہ کی تصریحات سے بھی متصادم ہے۔ بالخصوص جب کہ حضرت شاہ صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عامۃ العلماء ان

۱۔ تراویح اور تہجد کی مغائرت میں اکابرین دیوبند کی تصریحات:-

﴿۱﴾ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تصفیۃ العقائد (ص ۴)۔ نیز آپ نے اپنی کتاب الحق الصریح میں بھی تراویح اور تہجد کے جدا جدا ہونے پر بھی محققانہ بحث کی ہے۔ دیکھئے (ص ۴۲۳)۔

﴿۲﴾ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں کہ ہر ایک کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ الرائی النجیح (ص ۲) پھر آپ نے (ص ۱۰۳ تا ۱۰۴) تک تفصیلی اور تحقیقی بحث کی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

﴿۳﴾ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن فرماتے ہیں: صلوٰۃ اللیل سے چونکہ تہجد مراد ہوتا ہے لہذا سائل کے جواب میں حضرت عائشہ نے فرمادیا کہ تہجد رمضان وغیر رمضان میں برابر تھا۔ اس سے تراویح کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ وہ صلوٰۃ مستقلہ علیحدہ ہے عرفاً اس کو صلوٰۃ اللیل نہیں کہتے۔ محدثین اور فقہاء اس کو تہجد کے علاوہ مستقل باب میں بیان کرتے ہیں الخ۔

دیکھئے ”الورد القدی“ علی جامع الترمذی (ص ۱۰۵) مرتبہ: مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند ناشر معمد الخلیل کراچی۔

دونوں نمازوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں۔ لہذا غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کے اس شاذ قول کو لے کر علمائے دیوبند کے خلاف دلیل الزامی میں پیش کرنا بھی باطل ہے۔ ثانیاً:۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی من جملہ تراویح اور تہجد میں مغایرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: قال عامة العلماء ان التراویح وصلوة اللیل نوعان مختلفان والمختار عندی انهما واحد وان اختلفت صفاتهما کعدم المواظبة علی التراویح واداءها بالجماعة واداءها فی اول اللیل تارة وایصالها الی الاخری بخلاف التہجد فانہ کان فی آخر اللیل ولم یکن فیہ الجماعة۔ لے

اکثر علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں جس طرح کہ (نبی ﷺ کی طرف) سے تراویح پر مواظبت نہ ہونا اور اسے جماعت سے ادا کرنا اور کبھی اس کو رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اس کو سحری تک لے جانا، بخلاف تہجد کے کہ یہ (آپ ﷺ کی نماز) رات کے آخری حصہ میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی الخ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ وہ بھی تراویح اور تہجد میں کئی لحاظ سے فرق کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح تہجد سے کئی لحاظ سے مختلف تھی۔ البتہ وہ دیگر علمائے کرام سے صرف اس قدر اختلاف رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کسی حدیث میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے بعد نماز تہجد بھی پڑھی ہو کہ جس کی وجہ سے کہا جائے کہ تراویح اور تہجد من کل الوجوه علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ لیکن جب حضرت کشمیریؒ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ نبی ﷺ کی یہ دونوں نمازیں کئی صفات سے میں باہم مختلف تھیں تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ نمازیں قرار دینے کیلئے یہی دلیل کافی ہے۔ باقی رہا ان کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ سے ایک رات میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات درست نہیں کیونکہ ہم پہلے صحیح مسلم (۱/۳-۱) کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے علاوہ بھی نماز پڑھی ہے جو تہجد کی نماز تھی، اگر حضرت کشمیری کی تحقیق میں یہ بات نہیں آئی اور وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تو یہ کوئی عیب یا عجیب بات نہیں۔ ایسی غلطی کا لگ جانا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ علم محیط کلی صرف خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا محدث بھی غلطی اور خطا سے مبرا نہیں۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک محدث کہتا ہے فلاں حدیث ثابت نہیں یا فلاں بات کسی حدیث سے ثابت نہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح سند کے ساتھ متون حدیث میں موجود ہوتی ہے۔ اور خود غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے مثلاً مشہور محدث امام ابوداؤد سجستانی (جن کا درجہ حضرت کشمیری سے کئی گنا زیادہ ہے) فرماتے ہیں: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔ ۱۔ جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں۔ لیکن علامہ شوکانی غیر مقلد جمع تقدیم کی تائید میں متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وقد عرفت ان بعضها صحيح وبعضها حسن وذلك يرد قول ابى داؤد لیس فی جمع التقديم حدیث قائم۔ تمہیں معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کچھ احادیث صحیح ہیں اور کچھ حسن درجہ کی ہیں۔ اس سے امام ابوداؤد کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جمع تقدیم کیلئے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ ۲۔

پس بقول غیر مقلدین امام ابوداؤد جیسے بڑے محدث سے غلطی کا صدور ممکن ہے اس لئے اگر کسی روایت کے متعلق علامہ کشمیری نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور وہ روایت ثابت ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس روایت کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور یہ بھی بات ملحوظ خاطر رہے کہ العرف الشدی اور فیض الباری وغیرہ حضرت علامہ کشمیری کی اپنی تصانیف نہیں ہیں کہ یہ یقین سے کہا جائے کہ علامہ کشمیری نے یہ بات ضرور ارشاد فرمائی بلکہ یہ کتابیں تو ان کی املائی تقاریر کا مجموعہ ہیں جن کو ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے اور ناقلمین سے سننے یا نقل کرنے میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔ خود علامہ کشمیری کے شاگرد رشید اور داماد حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری نے ”انوار الباری شرح صحیح بخاری“ میں ان کتب کے ایسے بے شمار تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے، فتنکر۔

۱۔ ابوداؤد مع عون المعبود (۱/۳۶۸) ۲۔ نیل الاوطار (۳/۲۲۸) بحوالہ حمی علی الصلوٰۃ (ص ۱۳۷)۔



شہ نمبر ۳۔ مولانا ذریعہ احمد رحمانی، حافظ زبیر علی زئی وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں لکھا ہے کہ بعض علمائے سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس پر تہجد نہیں پڑھنا چاہیے اور بعض علماء نے مطلقاً نفل کی اجازت دی ہے۔ علماء سلف کا یہ اختلاف

صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ ۱۔  
 جواب۔ ہم تراویح اور تہجد میں فرق کی وجہ نمبر ۱۰ میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں کہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اور محدثین نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت طلق بن علیؓ اور کئی بڑے بڑے اور مشہور ائمہ مدینہ اور فقہاء کرام بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ خود غیر مقلدین کے شیخ اکل مولانا ذریعہ صاحب دہلوی کا قول بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا تھا۔ اب ہم موجود غیر مقلدین سے اب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ صرف چند معتبر علماء کے نام ہی گنوائیں جنہوں نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے سے منع کیا ہو۔ ہم ان سے یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر تراویح کے بعد تہجد پڑھنا منع ہے تو پھر آپ نے شیخ اکل مولانا ذریعہ صاحب دہلوی تراویح کے بعد تہجد کیوں پڑھا کرتے تھے؟ کیا وہ اس ممانعت میں داخل نہیں؟ پھر آج بھی اسلام کے دونوں مرکزوں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تراویح کے بعد باقاعدہ تہجد لی نماز ہوتی ہے۔ کیا آپ غیر مقلدین نے ان کے خلاف کوئی فتویٰ جاری کیا ہے؟ دیدہ باید۔  
 الغرض غیر مقلدین نے تمام ذکر کردہ شبہات بے جاں ہیں اور ان کے پاس تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے والے کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔ لہذا اثبات ہو گیا کہ تراویح اور تہجد دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔  
 قارئین لرام نماز تراویح سے متعلق یہ چند اہم بنیادی مباحث تھے جن کو کتاب سے پہلے ذکر کرنا ضروری تھا۔

آخر میں اہل علم حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھے اپنی علمی بے ماہیگی، کم فہمی اور نااہلی کا پورا پورا اعتراف ہے۔ اس کے باوجود میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ کتاب کی ہر بحث

۱۔ انوار المسابیح (ص ۸۳)؛ "نور المسابیح" (ص ۱۶) بحوالہ "فیض الباری"

کھل اور واضح ہو اور اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہنے پائے۔ حوالہ جات نقل کرنے میں بھی پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی کتاب میں غلطیوں کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔ اس لئے اہل علم حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ دوران مطالعہ کتاب میں اگر کوئی سقم نظر آئے تو جائز طریقہ پر اس کی نشاندہی فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ انشاء اللہ کسی غلطی کی آگاہی کے بعد اس کی اصلاح میں کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ اگر کتاب میں کوئی تکرار نظر آئے تو اس کو کسی فائدے یا مجبوری پر محمول کیا جائے۔ آخر میں برادر محترم حضرت الاستاد مولانا حافظ ثار احمد الحسنی مدظلہم کا شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے کما حقہ استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور دوران تالیف کتاب سرپرستی اور بہترین مشوروں سے نوازا۔ ان کے علاوہ ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی طباعت کے دوران جس قدر بھی تعاون کیا خصوصاً برادر م حافظ محمد اسماعیل اور حافظ محمد عباس کا جنہوں نے کمپوزنگ کی اور حضرت مولانا سید کفایت بخاری زید مجدہ کا جنہوں نے مسودہ کی تصحیح فرمائی۔

جزاہم اللہ احسن الجزاء -

حق تعالیٰ شانہ اس حقیر کی کوشش کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع اور راقم الحروف، اس کے والدین، اساتذہ اور مشائخ کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک  
یا ارحم الراحمین۔

ظہور احمد الحسنی

حضرت (انک) پاکستان







ہے۔ چنانچہ امام شعبہ بن الحجاج نے اس سے روایت لی ہے۔ ۱۔  
 اور غیر مقلدین کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ امام شعبہ صرف اسی راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ راوی  
 ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ احمد شاکر (جو غیر  
 مقلدین کے بہت بڑے عالم تھے۔ ناقل) فرماتے ہیں کہ محمد بن مہران سے شعبہ نے بھی روایت لی ہے  
 اور وہ ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں ۲۔ علامہ شوکانی اور مولانا عبدالرحمن مبارک پوری وغیرہ غیر مقلدین  
 علماء امام شعبہ کے بارے میں لکھتے ہیں: - وهو لا يحمل عن مسانئخهم الا صحيح  
 حديثهم ۳ امام شعبہ اپنے مشائخ سے صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔  
 اب سوال یہ ہے کہ اگر ابوشیبہ اتنا ہی ضعیف راوی ہے اور اس کی حدیث صحیح نہیں تو پھر امام شعبہ نے اس  
 سے روایت کیوں بیان کی ہے؟

(۲) امام ابن عدی ابوشیبہ کے بارے میں فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحہ ۴ کہ ابوشیبہ کی احادیث  
 درست ہیں۔ ۵ واضح رہے کہ امام ابن عدی نے ابوشیبہ کی احادیث کو تو صالح کہا ہے لیکن انہوں نے

= الترمذی نفسه ضعفها و اباہا علتها و اما وجود الموضوع فيه فكلانتم كلا - "ثقة الاخوذي"  
 (۱۸۱/۱) میں کہتا ہوں کہ ضعیف حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں اور خود ترمذی نے ان کا ضعف بیان کیا ہے اور ان کی علت کو  
 ظاہر کیا ہے۔ باقی رہا اس میں موضوع حدیث کا وجود تو وہ ہرگز نہیں ہے۔ پس جب ترمذی میں ایک بھی حدیث موضوع  
 نہیں ہے تو پھر ابوشیبہ کی احادیث کیسے موضوع ہیں حالانکہ اس کی حدیث بھی ترمذی میں موجود ہے۔

۱۔ تہذیب الکمال (۳۹۰/۱)، تہذیب التہذیب (۱۴۴/۱) ۲۔ القول المقبول شرح صلوة الرسول (ص ۳۸۶)

۳۔ "نیل الاوطار" ۱/۱۶ "ابکار المنن" ص ۱۴۷، ۱۵۰ وغیرہ۔ ۴۔ تہذیب الکمال (۳۹۳/۱)

۵۔ غیر مقلدین کی طرف سے اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ابن عدی نے ابوشیبہ کی روایات کے بارے میں لہ  
 احادیث صالحہ فرمایا ہے لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایات کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابوشیبہ کی  
 مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔ مصلحہ انوار المصاحح  
 (ص ۱۸۳) وغیرہ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود غیر مقلدین (مولاناذیر رحمانی وغیرہ) نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری  
 نہیں کہ امام ابن عدی کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولاناذیر رحمانی  
 صاحب لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجرد راوی کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ =

عہسی بن جاریہ (جو رسول اللہ ﷺ سے مروی گیارہ رکعات والی روایت کے راوی ہیں) کے بارہ میں فرمایا ہے: احادیث غیر محفوظہ کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ اب جس کی روایات صالح اور درست ہیں وہ تو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ضعیف راوی ہے لیکن جس کی احادیث غیر محفوظ اور شاذ ہیں، وہ غیر مقلدین کے ہاں اونچے درجہ کا ثقہ راوی ہے۔ غیر مقلدین کا یہ بھی عجیب انصاف ہے؟

(۳) امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارونؒ جو ابوشیبہؒ کے زمانہ قضاء میں ان کے کاتب اور منشی تھے، وہ بھی ابوشیبہ کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے۔

ماقضى على الناس رجل يعنى فى زمانه اعدل فى قضاء منه ۲

ابراہیم ابوشیبہ سے بڑھ کر اپنے زمانے میں کوئی قاضی عادل نہیں ہوا۔

اب جو شخص قضاء اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اتنا بڑا عادل ہے وہ نبی ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں عادل کیوں نہیں ہوگا؟ اور راوی کے ثقہ ہونے کیلئے بنیادی طور پر وہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، ایک ضبط یعنی قوت حافظہ اور دوسری عدالت۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

لا بد فى كون الشخص ثقة من شينين العدالة والضبط - ۳

راوی کے ثقہ ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ نمبر ۱۔ عدالت۔ نمبر ۲۔ قوت حافظہ۔

اب امام ابن عدی کا ابوشیبہ کے بارے میں لہ احادیث صالحہ کہنا ابوشیبہ کے ضبط اور قوت حافظہ کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اس کا حافظہ اگر قوی نہیں تھا تو اس کے پاس صالح اور درست حدیثیں کیسے آگئیں؟ اور یزید بن ہارون کی اس شہادت کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اونچے درجے کا عادل تھا۔

(۴) امام ابن عدی نے ابوشیبہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: وهو وان نسبوه الى الضعف خير

من ابراهيم بن ابي حية - ۴ لوگوں نے اگرچہ ابوشیبہ کو ضعف کی طرف منسوب کیا ہے لیکن وہ

منظر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے جیسا کہ علامہ سؤی کہہ رہے ہیں بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح

وانکار کیا گیا یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر ہو بھی۔ انوار المصباح (ص ۱۲۶)۔ اب رحمانی صاحب کے اعتراض کا جواب

خود ان ہی کے قلم سے دیکھئے گئے جواب زیادہ سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ كفى بتفسيك اليوم عليك حسيبنا۔

۱۔ محمد بن احمد بن محمد بن (۸/۱۸۷) ۲۔ محمد بن اكمال (۱/۳۹۲) ۳۔ ابکار الحسن (ص ۱۶۹) ۴۔ محمد بن اكمال (۱/۳۹۳)

ابراہیم بن ابی حنیہ سے بہتر ہے۔

ابراہیم بن ابی حنیہ کے بارے میں امام الرجال حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: شیخ ثقہ کبیر! یہ شیخ ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔ یہ امام ابن معین کی طرف سے ابراہیم بن ابی حنیہ کی زبردست اور مقرر توثیق ہے کیونکہ لفظ ثقہ الفاظ تعدیل میں سے تو ہے ہی، لفظ شیخ بھی الفاظ تعدیل میں سے ہے ۲۔ نیز مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ مقرر توثیق تعدیل میں درجہ اول کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں ۳۔ اگرچہ ابن ابی حنیہ پر جرح بھی کی گئی ہے ۴۔ لیکن اس کی بہت بھاری توثیق بھی کی گئی ہے لہذا یہ مختلف فیہ راوی ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محدث حافظ محمد گوندلوی

۱۔ لسان المیزان (۵۳/۱) ۲۔ دیکھئے توضیح الکلام (۳۸۰/۱)

۳۔ توضیح الکلام (۲۶۸/۱) ۴۔ چنانچہ امام نسائی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ضعیف۔ ابن المدینی فرماتے ہیں لیس شیء، امام ابو حاتم اور امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث، امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروک، ابن حبان نے بھی جرح کی ہے نور المصباح (ص) از زبیر علی زئی غیر مقلد۔ بحوالہ ”لسان المیزان“ (۵۳/۱)۔ لیکن یہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ چنانچہ زبیر علی زئی پیردادی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔ رسالہ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۵)۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متروک جرح غیر مفسر ہے۔ ”توضیح الکلام“ (۱۳۳/۱)۔ مولانا زبیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: مستند علماء نے اس (لفظ منکر الحدیث) کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ ”انوار المصباح“ (ص ۱۱۹)۔ مولانا محمد گوندلوی تو امام بخاریؒ کی جرح منکر الحدیث کو بھی غیر مفسر کہتے ہیں۔ دیکھئے ”خیر الکلام“ (ص ۱۶۳)۔ پس جب یہ تمام جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہیں اور متعدد علمائے غیر مقلدین علماء نے تصریح کی ہے کہ جرح مبہم توثیق کے بعد معتبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: مبہم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ ”خیر الکلام“ (ص ۱۵۸)۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ جرح مبہم مفسر نہیں ہے۔ دیکھئے ابکار السنن (ص ۸۰، وغیرہ)۔ مولانا زبیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ جب کسی راوی کی تعدیل و توثیق کسی حاذق اور ماہر فن محدث نے کی ہو تو اس کے حق میں جرح مفسر ہی مقبول ہوگی غیر مفسر اور مبہم جرحوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ انوار المصباح (ص ۱۳۸)۔ لہذا جب ابراہیم بن ابی حنیہ کی امام یحییٰ بن معین جیسے ماہر اور حاذق نے زبردست توثیق کر دی ہے تو پھر اس کے حق میں ان جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو بقول غیر مقلدین سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔



صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے ۱۔ بنا بریں جب ابن ابی دینار اس درجہ کا راوی ہے کہ بقول غیر مقلدین اس کی حدیث حسن ہے تو پھر ابراہیم ابوشیبہ جو اس سے بہتر ہے اس کی حدیث یوں قابل قبول نہیں؟

۔ آپ اپنے بورہ بفاہ نوادہ ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ابوشیبہ پر لی گئی جرحوں کا جائزہ:-

ماہل تفصیل کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابوشیبہ پر جتنی بھی جرحیں کی گئی ہیں، تقریباً وہ سب برسوں میں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسر ہیں: مثلاً امام ابوداؤد، امام بیہقی اور امام زیلعی وغیرہ نے اس کو ضعیف اور امام نسائی وغیرہ نے اس کو متردک کہا ہے اور پہلے ابن ابی حنیہ کے تذکرہ میں غیر مقلدین نے اسے تکرار پکا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں: نیز یہ بات بھی متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے آ رہی ہے کہ برہم مفسر نہیں ہے۔

اب ان جرحوں کی حیثیت خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ملاحظہ ہوں۔

۱) امام بخاری اور امام ابو حاتم نے ابوشیبہ کے بارے میں سکتوا عنہ اور ترکوا عنہ فرمایا ہے اور ان دونوں جملوں سے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوسروں لوگوں کی رائے نقل کی ہے۔ اور یہ کلام بھی موجب جرح نہیں کیونکہ جرح کرنے والے مجہول ہیں چنانچہ اس قسم کی ایک جرح لینیوہ کے حوالے سے مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام دارقطنی نے اگر لینیوہ کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ۲) نیز لکھتے ہیں:-

اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔ ۳) مزید لکھتے ہیں: یہ کلام موجب جرح نہیں کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے۔ ۴) زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: ابن ابی حاتم کا قول ”تکلموا فیہ“ کئی لحاظ سے مردود ہے (۲) یہ جرح غیر مفسر ہے (۳) اس کا جارح نہ معلوم ہے۔ ۵) کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے ہی انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید۔

۱۔ ”غیر الکلام“ (ص ۲۳۸) ۲۔ ”توضیح الکلام“ (۵۳۲/۱) ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ نور العینین (ص ۸۸)

﴿۳﴾ امام احمد نے ابوشیبہ کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن اول تو یہ جرح بھی غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہے جیسا کہ گزر چکا۔ ثانیاً: امام احمد کی لفظ منکر الحدیث کے بارے میں اصطلاح ہی جدا ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام احمد نے کسی کو منکر الحدیث بالفرض کہا بھی ہے تو اس کو جرح مفسر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ منکر الحدیث امام احمدؒ کی اصطلاح میں اس پر بولا جاتا ہے جو غریب حدیث لائے اور غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام احمد اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ ۱۔

(۴) امام شعبہ نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک قصہ میں اس کے بارے میں کذب فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وکذبہ شعبہ فی قصۃ ۳۔ اور وہ قصہ کیا تھا؟ اس کو حافظ ذہبی نے یوں بیان کیا ہے: امام شعبہ نے ابوشیبہ کو اس لئے جھٹلایا کہ اس نے حکم سے یہ روایت بیان کی کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں جنگ صفین میں ستر اہل بدر نے شرکت کی تھی۔ امام شعبہ نے فرمایا اس نے غلط بیانی کی۔ واللہ میں نے اس بارے میں حکم سے مذاکرہ کیا تو ہم نے سوائے حضرت خزیمہؓ کے کسی اہل بدر کو نہیں پایا جس نے جنگ صفین میں شرکت کی ہو۔ ۲۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام شعبہ نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک واقعہ بیان کرنے میں اسے جھٹلایا ہے اور اس قصہ میں بھی ابوشیبہ کا کوئی قصور نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے تو یہ روایت امام حکم سے نقل کی تھی۔ اب اگر یہ روایت غلط ہے تو اس میں قصور امام حکم کا ہے کہ انھوں نے ہی یہ روایت بیان کی نہ کہ ابوشیبہ نے۔

پھر جب شعبہ نے حکم سے اس بارے میں مذاکرہ کیا تو حکم نے بھی یہ انکار نہیں کیا کہ انھوں نے یہ روایت ابوشیبہ سے نہیں بیان کی بلکہ وہ تو الٹا شعبہ کے ساتھ اس بارے میں مذاکرہ کیلئے تیار ہو گئے لیکن وہ سوائے ایک کے کسی دوسرے اہل بدری کی شرکت جنگ صفین میں ثابت نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم نے ابوشیبہ کے سامنے یہ روایت ضرور بیان کی تھی ورنہ وہ امام شعبہ سے مذاکرہ کرنے اور ستر (۷۰) اہل بدر کے اسماء ڈھونڈنے کی بجائے صاف انکار کر دیتے کہ انھوں نے یہ روایت ہی بیان نہیں کی۔

۱۔ توضیح نام (۵۰۰/۱)، مولانا صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۴۱)

۲۔ خیراھا (ص ۴۹)، بحوالہ احسن العمام (۳۱۳/۱) ج ۲ تہذیب (۱۳۵/۱) ج ۲ میزان الاعتدال (۲۳/۱)

پس امام حکم کو بھی تسلیم ہے کہ انہوں نے ابوشیبہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اب اگر یہ واقعہ غلط ہے تو اس کا قصور امام حکم کے سر ہے کیونکہ وہ ہی صاحب واقعہ ہیں اور دلیل بھی ان کے ذمہ ہے۔ لہذا حکم کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ابوشیبہؓ کی تکذیب کرنا غلط اور ناقابل قبول ہے۔

امام شعبہؒ کا دعویٰ کے صفین میں حضرت خزیمہؓ کے سوا کوئی بدری شریک نہیں ہوا، درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے امام شعبہؒ کی اس جرح کا یوں مذاق اڑایا ہے:۔ قلت سبحان اللہ اما شہدہا علی اما شہدہا عمار۔ ۱ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ! کیا حضرت علیؓ نے جنگ صفین میں شرکت نہیں کی تھی؟ کیا حضرت عمارؓ نے شرکت نہیں کی تھی (اور یہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں)۔

یعنی امام شعبہؒ نے صرف اس وجہ سے ابوشیبہؓ کی تکذیب کر دی کہ بجائے ستر بدری صحابہؓ کے صرف ایک حضرت خزیمہؓ کی شرکت ثابت ہو سکی حالانکہ امام ذہبیؒ کے مطابق حضرت خزیمہؓ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کی بھی جنگ صفین میں شرکت ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابوشیبہؓ پر امام شعبہؒ کی یہ جرح غلط ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک بھی شعبہؒ کی یہ تکذیب قابل قبول نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ابوشیبہؓ کے بارے میں متروک الحدیث لکھا ہے ۲ اور حافظ نے متروک الحدیث کو الفاظ جرح کے طبقہ عاشرہ میں شمار کیا ہے جبکہ جس راوی پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہے اس کو انہوں نے طبقہ الحادیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے اور جس راوی پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو انہوں نے طبقہ الثانیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے ۳۔

لہذا جب حافظ ابن حجر نے ابوشیبہؓ کو نہ طبقہ حادیۃ عشرہ میں شمار کیا اور نہ طبقہ ثانیۃ عشرۃ میں شمار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک نہ ابوشیبہؓ پر کذب کی تہمت صحیح ہے اور نہ اس پر کذب کا اطلاق درست ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کی اس کتاب تقریب التہذیب کے متعلق مولانا نذیر

۱ میزان الاعتدال (۳۲/۱) ۲ دیکھئے "انوار المصانح" (ص ۲۸۱) ۳ دیکھئے مقدمہ تقریب (۵۲/۱)

احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ نے یہ بھی لکھا ہے اس کتاب میں کسی راوی پر وہی حکم لگاؤں گا جو اس کے حق میں کہے گئے اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور اس کے متعلق بیان کئے گئے اوصاف میں زیادہ مناسب ہوگا۔ ۱۔

پس جب بقول مولانا رحمانی حافظ ابن حجر کے نزدیک ابو شیبہ کے بارے میں تکذیب کا قول غیر صحیح اور غیر مناسب ہے تو پھر غیر مقلدین کس منہ سے ابو شیبہ کی تکذیب پر کمر بستہ ہیں؟

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ثانیاً: یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کذب قصداً جھوٹ بولنے کے معنی میں نہ ہو کیوں کہ کذب کا اطلاق صرف قصداً جھوٹ بولنے پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اس کا اطلاق کسی بات کو بلا تحقیق نقل کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی کئی مثالیں مقدمہ فتح الباری میں ذکر کی ہیں ۲۔

اور یہی معنی قرین قیاس ہے کیوں کہ امام شعبہؒ نے خود ابراہیم ابو شیبہ سے روایت لی ہے (اور غیر مقلدین کو اقرار ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت لیتے ہیں) وہ کیسے ابو شیبہ کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں کذب کا مطلب ہوگا کہ ابو شیبہ نے بلا تحقیق حکم کی روایت کو آگے بیان کر دیا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہؓ نے شرکت کی تھی، فلا اشکال۔ یا یہاں کَذَبَ خَطَاً کے معنی میں ہے یعنی ابو شیبہ سے یہ روایت بیان کرنے میں خطا اور غلطی ہوئی ہے کیوں کہ کَذَبَ خَطَاً کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وقد يطلق الكذب على الخطاء۔ ۳

علامہ طاہر صدیقی القنتی اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ لکھتے ہیں: وقد استعملوا الكذب على الخطاء۔ ۴

محدثین کبھی کبھی کذب کو خطا اور غلطی کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات بھی ضرورت پڑنے پر کذب کو خطا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ

۱۔ انوار المصباح (ص ۱۱۶) بحوالہ تقریب۔ ۲۔ دیکھئے رکعات التراويح (ص ۵۷ مؤلفہ: مولانا حبیب الرحمن اعظمی)

۳۔ مقدمہ فتح الباری (ص ۱۸۰) ۴۔ مجمع بحار الانوار (۲/۳۹۰)، النہایۃ (۱۵۹/۳)

نے حدیث کے ایک راوی محمد بن اسحاق کو کذاب (بہت بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔ اس پر مولانا ارشاد الحق اثری امام یحییٰ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں غالباً انھوں (یعنی امام مالک ناقل) نے کلام میں غلطی (خطا) کی بنا پر کذاب کہا ہے ۱۔ کیا غیر مقلدین ابراہیم ابوشیبہ کے ساتھ بھی یہی انصاف کریں گے؟

مثلاً: بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ کذب یہاں اپنے اصلی معنی (جھوٹ) میں ہی مستعمل ہے تو پھر امام شعبہ کی طرف سے ابوشعبہ پر یہ ایک جرح ہے لیکن امام شعبہ کا اس سے روایت لینا اس کی توثیق ہے (جیسا کہ غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے) اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے ۲۔

پس بالفرض اگر امام شعبہ نے ابوشیبہ کی تکذیب بھی کی ہے تو اس سے روایت لے کر اس کی توثیق کر دی۔ لہذا ان کی توثیق کرنا ان کے جرح کرنے پر راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿۵﴾ مولانا ذریرحمانی صاحب علامہ زبیلیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ابن عدی نے اس (ابراہیم ابوشیبہ) کو لین کہا ہے ۳۔ اب لین کا لفظ الفاظ جرح میں کس درجہ کا ہے؟ اس کا جواب خود مولانا رحمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے ۴۔ نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق فیہ لین یا لین الحدیث کہا ہو اس کی روایت قابل طرح و ترک نہیں ہے ۵۔

قارئین:۔ یہ ہیں ابوشیبہ پر کی گئی مبہم اور غیر متعلق جرحیں جو خود غیر مقلدین کے ہاں بھی قابل قبول نہیں۔ اور اس آخری جرح سے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابوشیبہ اگرچہ مجروح اور کمزور راوی ہے لیکن یہ اتنا کمزور نہیں کہ اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا تعصب اور ان کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ جو جرحیں خود ان کے نزدیک بھی ناقابل قبول ہیں، ان ہی کے بل بوتے وہ ابوشیبہ کو کس طرح سخت سے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی یہ بیس تراویح والی روایت کو موضوع تک قرار دینے سے نہیں

۱ دیکھئے ”توضیح الکلام“ (۱/۲۳۰) ج ۲ ”توضیح الکلام“ (۱/۵۳۳) ج ۳ انوار المصباح (ص ۱۷۰)

چوکتے، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہے لیکن یہی راوی ابو شیبہ جب ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت نقل کرتا ہے تو پھر ابو شیبہ نہ تو ضعیف ہے اور نہ اس کی روایت موضوع ہے۔ والی اللہ المستکفی۔ مثلاً مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب صلوة الرسول غیر مقلدین کے درمیان نہایت مشہور اور معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے اور یہ کتاب غیر مقلدین کے تمام اکابر (مولانا داؤد غزنوی، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا نور حسین گرجھاکھی، مولانا احمد دین اتھاگھڑوی اور مولانا محمد گوندلوی وغیرہ کی مصدقہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل کے طور پر ابن ماجہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ حالانکہ یہ روایت بھی ترمذی اور ابن ماجہ میں اسی ابو شیبہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی مولانا سیالکوٹی صاحب بڑے طمطراق سے اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں اور خود انہوں نے بھی اور ان کی کتاب کے تمام مصدقین نے بھی اس روایت کے راوی ابو شیبہ کے ضعف کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ہے غیر مقلدین کا انصاف!

ع این گنا ہیست کہ در شہر شمانیز کنند

بہر حال ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابو شیبہ مجروح راوی ہے لیکن اس کی روایت کو موضوع کہنا اور بالکل رد کر دینا یہ بے انصافی ہے۔ اگر یہ ہماری بات تسلیم نہ ہو تو آئیے اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین دونوں کی مسلمہ شخصیت اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی بات کو مان لیا جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے فتاویٰ میں اسی میں تراویح والی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام بیہقی این روایت را تضعیف نموده بعلمت آنکہ راوی این حدیث جدابی بکراہی شبیہ است حالانکہ جد ابی بکر بن ابی شبیہ آن قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساخته شود۔<sup>۱</sup>۔ بیہقی نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابو شیبہ جو ابو بکر بن ابی شبیہ کا

۱۔ صلوة الرسول (ص ۲۳۳) ج ۲ فتاویٰ عزیزینہ (۱۱۹/۱)

دادا ہے ضعیف ہے حالانکہ ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مسترد کر دیا جائے۔  
یہ ہے اس شخصیت کا فیصلہ جس کو خود غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

ضد چھوڑیے برسر انصاف آئیے انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک  
جواب ثانی:- اس حدیث کی سند کو اگرچہ کتنا ہی ضعیف مان لیا جائے لیکن بہر حال یہ بات ضرور ہے کہ  
اس حدیث کا متن بالکل صحیح اور قابل عمل ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے کہ تمام امت  
نے بالاتفاق اس کے مضمون (بیس تراویح) کو عملی طور پر قبول کیا ہے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم  
اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں اس حدیث کو شرف قبولیت حاصل رہا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے  
مضمون پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔ یہ بات خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین  
کے رئیس رحمۃ اللہ علیہم نواب صدیق حسن خان صاحب یہ حقیقت بے چوں و چرا تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کسلا اجماع رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو طریقہ بیس  
تراویح کا رائج ہوا اسکو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔ مولانا وحید الزمان غیر مقلد رقم طراز ہیں:- کوئی یہ وہم  
نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات  
شریک کر دی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔

حاشا وکلنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
دیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کبھی نہیں ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس

۱۔ جس طرح حدیث کی سند کا صحیح ہونا اس کے متن کی صحت کو تسلیم نہیں ہے، مکالمہ المبارک پوری فی "ابکار لمن" (ص ۲۸)  
اسی طرح سند کا ضعیف ہونا بھی اس کے متن کے ضعف کو تسلیم نہیں چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری امام ترمذی کے قول  
هذا الحدیث لا یصح من قبل اسنادہ (یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے) کے تحت لکھتے ہیں ای من  
ہیۃ اسنادہ وان کان صحیحاً باعتبار معناه۔ "تحفة الاحوذی" (۱/۱۳۶) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف  
نہ اگرچہ اس کا معنی (مضمون) صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود  
مضمون لفظ سے صحیح ہو سکتی ہے جیسا کہ یہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ ع عون الباری (۱/۳۱۷)

رکتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ ان کو بہ سند صحیح یہ پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود دیکھا ہوگا۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیس (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ہی پڑھتے ہیں ۲۔ ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود تعامل اور توارث سے مؤید ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بعض ضعف ایسے بھی ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں ۳۔

فتلائی علمائے حدیث میں ہے: ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون۔ ناقل) میں معمول یہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے ۴۔ نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن اس کے مضمون پر پوری امت کا عمل ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کو ضعیف کہنے والے علماء بھی اس پر عمل کرتے ہیں ۵۔

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد فرماتے ہیں: جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے ۶۔ قاضی محمد شوکانی غیر مقلد ایک حدیث کی تحقیق میں امام خطابی کے حوالے سے لکھتے ہیں: یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے قبول کرنے پر فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے اگرچہ اس

۱ لغات الحدیث (مادہ وزغ) ۲ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینایح (ص ۲۸) ۳ اخبار اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء۔

۴ بحوالہ رکعات تراویح (ص ۶۱) ۵ (۶/۷) ۵ الروضة الندیة (ص ۶) ۶ توجیہ النظر (ص ۵۰) بحوالہ تسکین الصدور



کی سند میں کلام ہے جیسا کہ فقہاء نے اوصیہ لواریث والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط لیے ہیں حالانکہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے۔ ۱۔

۱۰۱۱۰ انا ایل ملنی صاحب غیر مقلد (مابقی تا علم العلماء) روایت اہل حدیث (ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد قبل جمهور الامة رواية ابن ماجه مع ضعفها ۲۔

ابن ماجہ کی اس حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود جمہور امت نے قبول کیا ہے۔

پس جب اکابرین غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان کو یہ بھی اقرار ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے، لہذا یہ حدیث غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی بالکل صحیح اور قابل عمل ہے۔

**حدیث نمبر ۲:** ما رواه ابن جریر قلائی امام رافعی سے نقل کرتے ہیں: انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس

عشرین رکعة لیلتین فلما کان فی اللیلة الثالثة اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد خشمیت ان تفرض علیہم فلا تطیقوها ۳۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (رمضان المبارک کی) دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں (تراویح کی) پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر جمع ہوئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھو۔

اس روایت کی سند اگرچہ علامہ رافعی نے ذکر نہیں کی لیکن اگر ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول سے مؤید ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

**حدیث نمبر ۳:** عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة فی رمضان فصلى

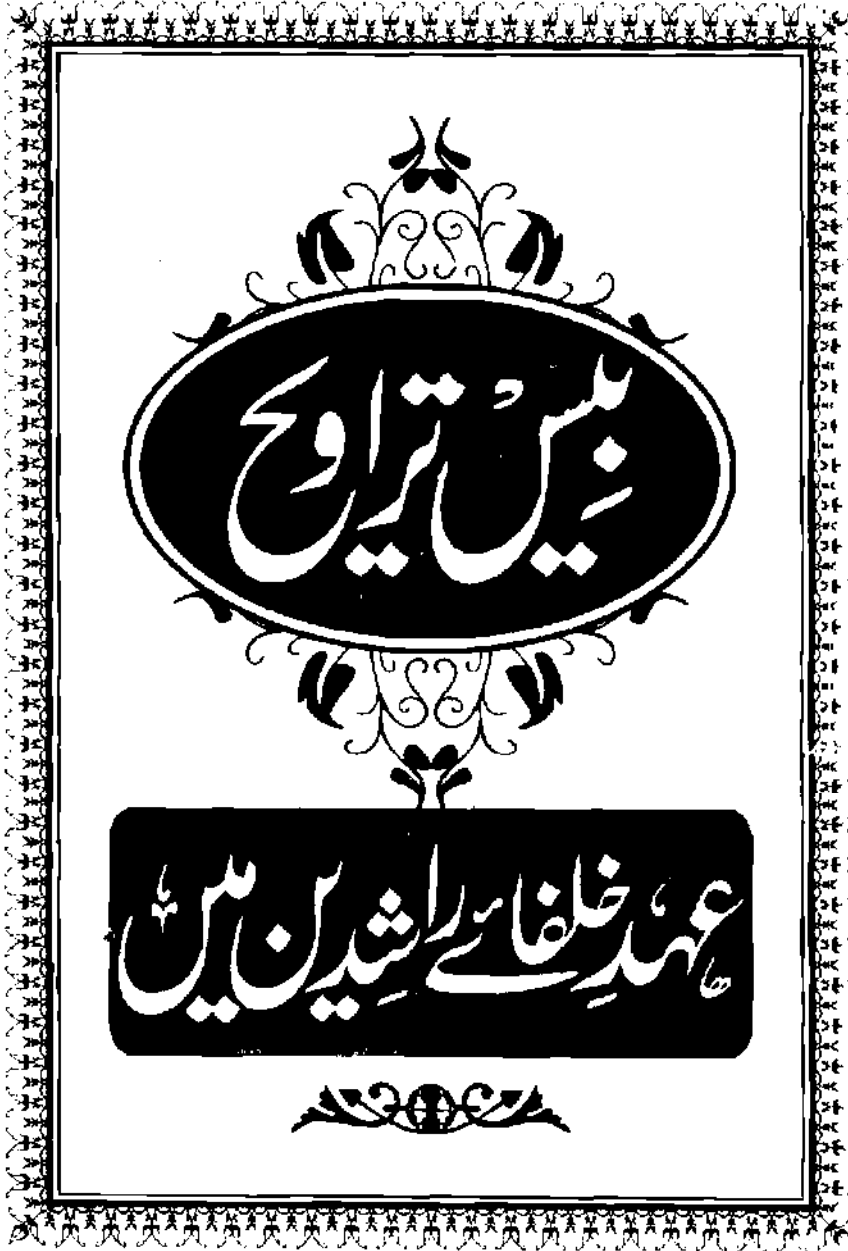
الناس اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلاثة ۴۔

۱۔ نیل الاوطار (۲۳۸/۵) ۲۔ حرکتہ انطلاق الفکری (ص ۲۴۱) ۳۔ تلخیص الخیر (۲/۲۱) ۴۔ تاریخ جرجان

الابی قائم بن حمزہ یوسف السہمی (۲۷۵) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص ۲۳۵)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چوبیس رکعتیں (۴ عشاء کی اور بیس تراویح کی) پڑھائیں اور تین رکعات وتر پڑھے۔







اب وہ روایات ملاحظہ ہوں جن میں خلفائے راشدین کا بیس تراویح پڑھنے کا حکم یا ان کے عہد میں بیس تراویح پڑھے جانے کا لڑ ہے۔ اور آغاز عہد فاروقی سے متعلق روایات سے کیا جائے گا کیوں کہ بیس تراویح کی برامت کا باقاعدہ آغاز ان ہی کے دور مسعود میں ہوا۔

## بیس تراویح عہد فاروقی میں

روایت نمبر ۱: امام ابو بکر بن ابی شیبہؓ فرماتے ہیں: حدثنا کعب بن جریج عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید عن ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بہم عشرين رکعة۔  
ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک آدمی (حضرت ابی بن کعبؓ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔  
یہ روایت سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی حضرت یحییٰ بن سعید تابعیؓ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن مرسل روایت عند الجمہور رجحان ہے۔

۱۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہؓ بالاتفاق ثقہ امام ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ عدیہ النظر، الثبت التحریر۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۳۳۲)

۲۔ کعب بن الجراح الکوفیؓ۔ حافظ ذہبیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: الحافظ۔ الامام الثابت، محدث العراق، احد الائمة الاعلام۔ تذکرۃ (۲/۲۸۲)، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقہ، حافظ، عابد، تقریب التہذیب (۲/۲۸۲) مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: احد الائمة الاعلام ثقہ حافظ۔ تحفۃ الاخوانی (۲/۲۳) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: احد الائمة الاثبات۔ التعلیق المغنی (۲/۱۷)

۳۔ امام مالک بن انسؒ ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں، ان کی ثقاہت اور جلالت قدر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: الفقیہ، امام دارالہجرۃ، راس المتقنین و کبیر المحدثین۔ تقریب (۲/۱۵۱) یحییٰ بن سعید انصاریؓ تابعی، امام احمد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، ابن حبان، علی وغیرہ صاحب ائمہ رجال نے آپ کی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے استاذ، امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کبار تابعین کے بعد یحییٰ بن سعید اور ابن شہاب جیسا کوئی تابعی نہیں ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۹/۱۳۹)، تذکرۃ (۱/۱۳۷) وغیرہ

۴۔ سف بن ابی شیبہ (۳/۲۸۵)

## حجیت مرسل کی بحث

مرسل روایت ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد) اور جمہور فقہاء و محدثین (امام اوزاعی، امام سفیان ثوری وغیرہ) کے نزدیک مطلق حجت ہے۔ تمام تابعین کرام بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔<sup>۱</sup>۔  
ابنہ امام شافعی اور ان کے ہم فکر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ہر مرسل روایت حجت نہیں بلکہ مرسل معتقد حجت ہے۔ مرسل معتقد کا مطلب یہ ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت سے (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہو چکی ہو، یا اسپر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو۔<sup>۲</sup>۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے بھی تصریح کی ہے کہ مرسل معتقد سب کے نزدیک حجت ہے۔<sup>۳</sup>۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے تو یہ بھی تعمیم کی ہے کہ مرسل روایت کا مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے۔<sup>۴</sup>۔

غرض مرسل معتقد سب علماء کے نزدیک حجت ہے۔ خود غیر مقلدین علماء بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری ابوقلابہ کی ایک مرسل روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اگر یہ حدیث مرفوعاً غیر محفوظ اور مرسل محفوظ ہے تو بھی حجت ہے کیونکہ حدیث عبادہ وغیرہ سے اس کا اعتقاد ثابت ہے اور مرسل معتقد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔<sup>۵</sup>۔ غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر اس بات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی مرسل حجت ہے کیونکہ اس کی تائید میں مرفوع صحیح روایات ہیں۔<sup>۶</sup>۔ نیز عبدالرؤف صاحب محمد بن یحییٰ بن حبان کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ مرسل بھی مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔<sup>۷</sup>۔

۱۔ چنانچہ علامہ ابن جریر قمر ماتے ہیں: اجمع التابعون باسراہم علی قبول المرسل ولم یأت منهم انکارہ ولا عن احد من الامۃ الی رأی المائتین، تدریب الراوی (۱/۱۶۷) حضرات تابعین سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل قبول ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک کسی شخص نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔<sup>۲</sup>۔ دیکھئے مقدمہ شرح مسلم للنووی (ص ۱۷) شرح نخبہ الفکر (ص ۵۱)، زاد المعاد (۱۰۳/۱) وغیرہ ۳ ابکار السنن (ص ۱۳۳/۱۳۴) حافیہ شرح نخبہ الفکر لشیخ الاسلام بحوالہ رکعات التراویح (ص ۶۵)، حجة البالیغ (۱۳۰/۱) ۵ تحقیق الکلام (۱/۹۵) مطبوعہ عبدالنواب اکیڈمی ملتان۔ ۶ القول المقبول فی شرح صلوة الرسول (ص ۳۷۰) ۷ القول المقبول (ص ۶۲۱) طبع رابع

علامہ شاکانی غیر مقلد امام ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و هذا وان كان مرسلًا لكنه معتضد بما سبق له من روايات ائمه مرسلين فيكون سابقه روايات من معتضد اور مؤيد ہے۔ مولانا صادق سیالکوٹی غیر مقلد مرسل طاؤس کو معرض استدلال میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے ملکر قوی ہو گئی ہے۔ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی مولانا ثناء اللہ مدنی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مشاغل الیہ روایت ابو قتادہ اگرچہ منقطع (مرسل) ہے پھر اس میں لئیٹ بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔ لیکن بعض نے شواہد کی بناء پر اس کو قابل عمل سمجھا ہے ۳ - ۳

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد کا حوالہ حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف یا

۱۔ نیل الاوطار (۳/۳۳۹) ۲۔ صلوة الرسول (ص ۱۸۸) ۳۔ ہفت روزہ الاعتصام ۲۷ محرم ۱۳۲۰ء (ص) ۴۔ ان مذکورہ بالا مثالوں سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے، اسی طرح یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی کبار تابعین کی طرح صفار اور اوساط تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ مولانا مبارک پوری صاحب اور مولانا عبدالرؤف نے ابوظابہ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ ابوظابہ کو حافظ ابن حجر نے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ تقریب (۱/۳۹۳) اور اس طبقہ والوں کو انہوں نے اوساط تابعین میں سے بتلایا ہے، ایضاً (۱/۲۵)۔ نیز شیخ عبدالرؤف نے محمد بن یحییٰ بن حبان کی مرسل معتضد کو بھی حجت کہا ہے اور محمد بن یحییٰ کو حافظ نے طبقہ رابعہ کا راوی کہا ہے۔ ایضاً (۲/۱۳۳) حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقہ رابعہ والے وہ ہیں جو طبقہ ثالثہ والوں کے قریب ہیں ایضاً (۱/۲۵)۔ اسی طرح قاضی شوکانی نے امام زہری کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ زہری کو بھی حافظ ابن حجر نے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے۔ ایضاً (۱/۲۵)۔ اور صادق سیالکوٹی صاحب حضرت طاؤس کی مرسل معتضد کو قوی کہہ رہے ہیں جبکہ طاؤس طبقہ ثالثہ کے ہیں جو اوساط تابعین کا طبقہ ہے۔ تقریب (۱/۳۲۹)۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب ابوالخلیل بصری کی مرسل سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ طبقہ سادسہ کے ہیں، ایضاً (۱/۳۳۳) طبقہ سادسہ والوں کو حافظ ابن حجر نے صفار تابعین کا ہم عصر قرار دیا ہے ایضاً (۱/۳۳۳)۔ اب جبکہ یہ علمائے کرام جن میں مولانا مبارک پوری، قاضی شوکانی اور مولانا سیالکوٹی جیسے اکابرین غیر مقلدین بھی شامل ہیں، ہفت روزہ الاعتصام کے اوساط تابعین کی مرسل معتضدہ کی حجت کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر آج کل کے بعض اصغر غیر مقلدین کا صفار اور اوساط تابعین کی مرسل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ صرف کبار تابعین کی مرسل حجت ہیں۔ (انوار المصاحح ص ۲۷۸/۲۸۱)، خود اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں باطل ہے۔

مرسل ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگوں کے عمل سے مؤید ہونے کی وجہ سے قابل حجت ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے بھی مرسل معتضد کے حجت ہونے کی تصریح کی ہے ۱۔

الغرض:-

مرسل معتضد کے حجت اور صحیح ہونے پر پوری امت (بشمول غیر مقلدین) کا اتفاق ہے اور چونکہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی مذکورہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اس لئے کہ اس کی تائید دیگر کئی مسند اور مرسل روایات سے ہو رہی ہے، نیز اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر علماء نے عمل بھی کیا ہے ۲۔ لہذا اس روایت کے حجت اور صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

روایت نمبر ۲:- امام مالک فرماتے ہیں: عن یزید بن رومان رضی اللہ عنہ انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔ ۳ ترجمہ:- حضرت یزید بن رومان تابعی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں تیس رکعات (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ منقطع (مرسل) ہے کیونکہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی مردود ہے کیونکہ یہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اور اجماعی گزرا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

جواب ثانی:-

یہ مؤطا امام مالک کی مرسل روایت ہے اور مؤطا میں جتنی بھی مرسل روایات ہیں ان کے صحیح

۱۔ ویکھے دلیل الطالب (ص ۲۲۵) ۲۔ ترمذی (۹۹/۱) ۳۔ حضرت یزید بن رومان، امام مالک وغیرہ کے استاذ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ یہ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی اور امام حبان وغیرہ نے آپ کی توثیق کی، حمذیب احمدی (۲۲۵/۱)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی آپ کو ثقہ شمار کیا ہے، تقریب احمدی (۲/۲۲۳)۔ ۴۔ مؤطا امام مالک (ص ۴۰)



اور قابل حجت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام سیوطی فرماتے ہیں۔ وما من مرسل في المؤطا الا وله عاضد او عواضد فالصواب ان المؤطا صحيح لا يشتتنى منه شئى۔  
مؤطا کی کوئی ایسی مرسل روایت نہیں ہے جس کیلئے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ مؤید موجود نہ ہوں۔ پس صحیح یہ ہے کہ مؤطا کی تمام روایات بلا استثناء صحیح ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: شیخ ابن عبد البر مالکی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطا میں کل اکٹھ مراسیل ہیں، جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل و منقطعہات کا اتصال دوسرے طرق و اسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے وہ چاروں روایتیں ذکر کیں ہیں لیکن ان میں یہ مذکورہ روایت شامل نہیں ہے۔  
مولانا عبد الرحمن صاحب مہار کپوری اور مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نقل کرتے ہیں: وانفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رأى مالك ومن وافقه واما على رأى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه۔  
تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤطا میں جتنی بھی روایات ہیں، وہ سب امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں، رہے دوسرے حضرات (جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ناقل) تو ان کے نزدیک بھی مؤطا میں کوئی ایسی مرسل یا منقطع روایت نہیں جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہوتا ہو پس اس لحاظ سے بلاشبہ وہ (مرسل و منقطع) روایات بھی صحیح ہیں۔

نیز مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رومان کی حدیث منقطع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے حجۃ اللہ البالغة

۱۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ (۱۸/۱) ج ۲ مصنفی شرح مؤطا مطبوعہ دہلی (ص ۷، ۸) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراويح

(ص ۱۱۴، ۱۱۵) ج ۲ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۳۰)، رسالہ تراویح مع ترجمہ ”بیابح“ (ص ۳۱) بحوالہ ”حجۃ اللہ البالغة“

میں فرمایا ہے تمام اہل حدیث کے اتفاق سے مؤطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ ۱۔  
 مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب (سابق امیر جماعت اہل حدیث) لکھتے ہیں:  
 ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا کی جملہ احادیث امام مالک کے ہاں ضرور صحیح ہیں اور ان کے ہم خیال بھی  
 آپ سے ان کی صحت میں متفق ہیں اور جو ان کے ہم نوا نہیں، اس قدر انہیں بھی تسلیم ہے کہ اس میں کوئی  
 ایسی مرسل، منقطع نہیں جو سند مروی نہ ہو (مگر چند امور کا مثبت بالمتبع) بلاشبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح  
 ہیں۔ ۲۔

مولوی محمد قاسم خواجہ غیر مقلد لکھتے ہیں: مؤطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں  
 امام شافعی کا قول ہے یہ مؤطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہل حدیث کا اس پر اتفاق  
 ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ ۳۔ لہذا جب سب محدثین اور خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مؤطا  
 کی تمام مرسل روایات صحیح ہیں تو پھر مؤطا کی مذکورہ مرسل روایت پر ان کا اعتراض فضول ہے۔

جواب ثالث:- یزید بن رومان کی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“ میں ذکر کر  
 کے سکوت فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ  
 حافظ ابن حجر کا کسی حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر جرح نہ کرنا اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن  
 ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ایک حدیث (جس پر حافظ ابن حجر نے  
 سکوت کیا ہے اور جرح نہیں کی) لکھتے ہیں: ذکرہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وهو  
 حسن عندہ علی ما اشترط فی اوائل مقدمة فتح الباری الخ۔ ۴۔

اسی طرح ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وسکت (ابن حجر) عن حدیث  
 وائل و حدیث ہلب فلو کانا ایضاً ضعیفین عندہ لبین ضعفهما ولانہ قال فی  
 اوائل مقدمة فتح الباری الخ۔ ۵۔

۱۔ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینایح (ص ۴۲) ۲۔ التحقیق الراجح (ص ۱۶، ۱۷) ۳۔ حی علی الصلوٰۃ (ص ۱۸)

۴۔ ابکار السنن (ص ۴۵) ۵۔ حوالہ سابق (ص ۱۰۶)

مولانا عبدالرؤف سندھو لکھتے ہیں: فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت اسکے حسن ہونے کی علامت ہے۔  
 حافظ زبیر علی زئی مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حافظ  
 ابن مہر نے متابہ بن عامر کے اثر کو فتح الباری میں نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے۔ لہذا ان کی شرط کے  
 اعتبار سے یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن تو ضرور ہے۔ ۲۔

الغرض یہ روایت غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

### اعتراض ثانی:-

غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عمرؓ کے  
 حکم سے خالی ہے اس میں صرف یہی ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔  
 اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمرؓ پڑھتے تھے۔ ۳۔  
 جواب:- یہ اعتراض بھی کئی وجہ سے باطل ہے۔

(۱) اگرچہ اس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں لیکن دیگر روایات میں تو حضرت عمرؓ کے  
 حکم کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی روایت جو ابھی گزری ہے، اسی طرح  
 ابی بن کمالؓ کی روایت ۴ اور حضرت حسن بصریؓ کی روایت ۵ میں حضرت عمرؓ کے حکم کی  
 تصریح موجود ہے۔ لہذا جن روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ان کو بھی ان کے حکم والی  
 روایات پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا  
 ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: اور اصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے:- الحدیث یفسر بعضہ بعضا کہ ایک  
 حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔ ۱۔

(۲) خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ بیس تراویح

۱۔ القول المتبول (ص ۳۳۴) ۲۔ نور العینین (ص ۱۳۵) حاشیہ نمبر ۳۔ رکعات تراویح (۱۹) از حافظ عبداللہ غازی پوری،

تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰) از حافظ زبیر علی زئی، تعداد تراویح (ص ۶۲) از حافظ عبدالمنان نور پوری وغیرہ ۴۔

دیکھئے کنز العمال (۸/۳۰۹) ۵۔ سنن ابی داؤد (۱/۳۰۲) ۶۔ توضیح الکلام (۱/۳۸۹، ۵۴۴)

پڑھتے تھے وہ حضرت عمرؓ کے حکم اور فرمان سے ہی پڑھتے تھے، اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، فلیراجع الیہا۔

(۳) یہ اعتراض ہی فضول ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت اور مدینہ جیسے شہر کا واقعہ ہے (اس لئے کہ اس روایت کے راوی حضرت یزید بن رومان مدنی ہیں۔ نیز متصل آئندہ روایت میں مدینہ منورہ کی تصریح ہے) اور حضرت عمرؓ نے ہی لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمایا اور اس کی ترغیب دی بلکہ آپؓ کا لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مدونہ کبریٰ میں ہے: ان عمرؓ و عثمانؓ کا نایقومان فی رمضان مع الناس۔ ۱۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ اور بخاری وموطا وغیرہ کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ: حضرت عمرؓ نے اپنی مقرر کردہ جماعت تراویح کا معائنہ بھی فرمایا اور اس کو نعمت البدعۃ سے تعبیر فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا ۲۔ نیز جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم فرمائی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس کا امام مقرر فرمایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے انہوں نے اس کی تعداد مقرر نہ فرمائی ہو اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو؟ ۳۔ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی مرضی سے بیس تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عمرؓ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت عمرؓ کا باوجود اس کا علم ہونے کے لوگوں کو اس فعل سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے اس عمل میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی اور ان کے نزدیک یہی سنت تھی۔ ورنہ حضرت عمرؓ جیسا متبع سنت اور عاشق رسول صحابی کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ ان کے ماتحت رعایا کوئی غلط یا خلاف سنت کام سرانجام دیں۔ لہذا اگر بالفرض یہ ان کی قولی یا فعلی سنت نہیں تو ان کی تقریری سنت ضرور ہے۔ (۴) خود غیر مقلدین کے اپنے دلائل (روایات عمرؓ) میں سوائے موطا امام مالک کی روایت کے

۱۔ (۱۹۴/۱) ۲۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا۔

چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت عمرؓ نے بیس (تراویح) پر تکیہ نہیں فرمائی۔ یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے، انوار المصاحح (۲۳۳)۔ ۳۔ حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں مولانا وحید الزمان غیر مقلد کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی اسی طرح انہوں نے خود ہی تراویح کی تعداد بھی مقرر کی تھی۔

حضرت مڑے علم کی تصریح نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام مالک کی روایت میں (حضرت مڑے) علم اپنے کا ذکر ہے اور دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا اس نے باوجود علم و غیرہ لفظین ان روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کے باوجود بھی بڑے علم والی سے ان کا استدلال کرتے ہیں اور وہاں وہ جو عذر بیان کرتے ہیں وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید کی روایت کے ذیل میں حافظ عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے۔ کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ دیدہ باید! روایت نمبر ۳: امام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ثنا حمید بن عبد الرحمن عن حسن عن عبد العزيز بن رفيع قال قال ابي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعت ويوتر بثلاث۔ ۳

ترجمہ: حضرت عبد العزيز بن رفيع تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ (عہد فاروقی میں) لوگوں کو مدینہ منورہ میں بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے پہلے راوی امام ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف کا تذکرہ روایت نمبر میں گزر چکا ہے۔ دوسرے راوی حمید بن عبد الرحمن الرضا اسی ابو عوف الکوفی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ تھے، امام احمد بھی ان کی تعریف کرتے ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ مثبت، عاقل اور ناسک تھے۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ کم دیکھے ہیں۔ تیسرے راوی حسن بن صالح بن حمی بھی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل "اکو ثقہ، صحیح الروایہ اور اثبت فی الحدیث کہتے ہیں، امام نسائی، امام یحییٰ بن معین اور امام ابو حاتم بھی ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابو زرہ

۱۔ انوار المصابیح (ص ۲۳۷) ۲۔ تعداد تراویح (ص ۱۳۲) ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۸۵)

۴۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/۳۳)، تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۸۸)۔

”فرماتے ہیں کہ حسن بن صالح میں اٹقان (روایت حدیث میں پختگی)، فقہ، عبادت اور زہد چاروں چیزیں جمع تھیں، عبدہ بن سلیمان کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حسن بن صالح کو عذاب دینے سے حیا (درگزر) فرمائیں گے ۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ فقیہ، عابد۔ ۲۔ چوتھے راوی حضرت عبدالعزیز بن رفیع ثقہ تابعی ہیں، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی اور امام نسائی وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام عجمی فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیع ثقہ تابعی ہیں، امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت کا درجہ رکھتی ہیں ۳۔ حافظ ابن حجر نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔ ۴۔

اور حضرت ابی سعید بن کعب مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ غرض یہ روایت بالکل صحیح اور مرسل معتقد ہے جس کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

روایت نمبر ۴:۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں: حدثنا شجاع بن مخلد ناہیشم انا یونس بن عبید عن الحسن بن عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب ﷺ فکان یصلیٰ لہم عشرین رکعة۔ ۵۔

ترجمہ:۔ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں کو حضرت ابی سعید بن کعب (کی اقتدا) پر اکھا فرمایا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

۶۔ سنن ابی داؤد کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتہائی دہلی سے طبع ہوا تھا اس میں یہ روایت عشرین رکعات کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے اور اس کے حاشیہ پر یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے: کذا فی نسخہ مقروء علی الشیخ مولانا محمد اسحاق یعنی اسی طرح عشرین رکعات کے الفاظ اس نسخہ میں ہیں جو شیخ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا زبیر حسین صاحب دہلوی کے بھی استاذ ہیں) کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ اسی طرح امام شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ (جو

۱۔ ”تحدیب الکمال“ (۳۳۹/۳) تحدیب الحدیب ۲۔ تقریب (۲۰۵/۱) ۳۔ ”تحدیب الکمال“ (۴۹۶/۱۱)

”تحدیب الحدیب“ ۳۰/۶۔ ۴۔ تقریب (۶۰۳/۱) ۵۔ سنن ابی داؤد (۲۰۳/۱) مطبع میرکت خانہ کراچی و مطبع مجتہائی دہلی۔

بالا اتفاق شد اور معتبر امام ہیں) نے بھی یہی روایت سنن ابی داؤد کے حوالہ سے عشرين رکعت کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔ ۱۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر التتونی ۳۷۷ھ اور امام ابن قدامہ حنبلی التتونی ۶۲۰ھ نے بھی یہ

روایت حوالہ سنن ابی داؤد عشرين رکعت کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ ۲۔

لیکن مکتلوة تحفۃ الاشراف وغیرہ میں یہ روایت عشرين رکعت کی بجائے عشرين لیلة کے الفاظ سے درج ہے۔ اب موجودہ غیر مقلدین ان حوالوں کو لیکر یہ داویلا کرتے ہیں کہ عشرين رکعت والا نسخہ محرف ہے اور دیوبندیوں کے شیخ الہند نے اس میں تحریف کر کے عشرين لیلة کو عشرين رکعت بنا دیا ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ محض غیر مقلد اند داویلا اور جاہلانہ شور شرابہ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند کی ولادت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی جبکہ ان کی ولادت سے بھی کئی سو سال پہلے امام ذہبی حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن قدامہ وغیرہ محدثین نے یہی روایت عشرين رکعت سے نقل فرمائی ہے اور شیخ الہند کی ولادت سے کئی عرصہ پہلے مسند الہند حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے سامنے بھی یہی عشرين رکعت والا نسخہ پڑھا جاتا تھا۔ اور اگر مولانا ذریعہ حسین دہلوی صاحب غیر مقلد شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد ہیں تو انہوں نے بھی دوران سبق یہی نسخہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہوگا۔ تو کیا اب غیر مقلدین حضرات ان سب بزرگوں کو بھی شیخ الہند کی طرح محرف اور غلط کار ہونے کا الزام لگائیں گے۔ دیدہ باید! لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

غیر مقلدین عشرين رکعت والے نسخے کو غلط ثابت کرنے کیلئے جو دلائل ذکر کرتے ہیں کہ فلاں

فلاں کتاب میں یہ روایت عشرين لیلة کے ساتھ درج ہے تو یہ دلائل ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہیں

اور نہ ہی ان سے عشرين رکعت والے نسخہ کا محرف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ان سے تو صرف عشرين لیلة

والے نسخہ کا اثبات ہوتا ہے کہ عشرين لیلة والا نسخہ بھی ثابت ہے اور اس سے ہمیں کوئی انکار نہیں کیونکہ ہمارا

دعویٰ یہ نہیں کہ ہر نسخہ میں عشرين رکعت کے الفاظ ہیں بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ابوداؤد کے بعض

نسخوں میں یہ روایت عشرين رکعہ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں عشرين لیلۃ کے ساتھ درج ہے۔ حضرت شیخ الہند کے نسخہ کا محرف ہونا تو تب لازم آتا جب غیر مقلدین کم از کم کسی ایک ہی معتبر محدث کا حوالہ پیش کر دیتے کہ عشرين رکعہ والانسخہ محرف ہے۔ لیکن یہ بات غیر مقلدین قیامت کی صبح تک ثابت نہیں کر سکتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ، اس کے برخلاف ہم نے امام ذہبی وغیرہ چوٹی کے محدثین کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ عشرين رکعہ والانسخہ ثابت ہے۔ باقی اگر کسی نسخہ میں عشرين رکعہ کے الفاظ نہیں اور اس کی بجائے عشرين لیلۃ کے الفاظ ہیں تو اس سے عشرين رکعہ والے نسخہ کا محرف یا الحاقی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مشہور غیر مقلد محقق مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ: کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں مگر کوئی بھی ان کو الحاقی نہیں بتلاتا ۱۔ لہذا اگر کسی نسخہ میں عشرين رکعہ کی بجائے عشرين لیلۃ کے الفاظ درج ہیں تو اس سے عشرين رکعہ والے نسخہ کا محرف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ عشرين رکعہ والانسخہ بھی ثابت ہے اور اس سے بیس رکعات تراویح پر استدلال بھی درست ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو عشرين رکعہ والانسخہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب ؓ کی باقی روایات میں بھی یہی عشرين رکعہ کے الفاظ آئے ہیں مثلاً عبدالعزیز بن رفیع کا اثر جو ابھی گزرا ہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں: یصلی بالناس فی رمضان بالمدينة عشرين رکعہ، کنز العمال ۲ کی روایت میں ہے: فصلی بہم عشرين رکعہ، اسی طرح روایت نمبر جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں: ان عمر بن الخطاب ؓ امر رجلاً (ای ابی بن کعب ؓ) ان یصلی بہم عشرين رکعہ۔ حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: فلما جمعہم عمر علی ابی بن کعب ؓ کان یصلی بہم عشرين رکعہ ۳۔

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ولنا ان عمر ؓ جمع الناس علی ابی بن کعب ؓ کان یصلی لہم عشرين رکعہ ۴۔

۱ تحقیق الکلام (۱۳۹/۲) ۲ (۲۰۹/۸) ۳ مجموعۃ الفتاویٰ (۵۲۰/۱۱) ۴ المغنی (۷۹۹/۱)



معلوم ہو اگر مشرین راجہ والذہبی راجح ہے اور غیر مقلدین کا ابوداؤد کے اس نسخہ کو مخترف کہنا باطل ہے۔  
اس حدیث کی سند لے راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

﴿۱﴾ امام ابوداؤد بیہمان بن ابی شیبہ البجلی جو ثقہ حافظ اور سنن ابی داؤد وغیرہ کے مصنف اور  
بڑے علمائے محدثین میں سے ہیں!۔

﴿۲﴾ شجاع بن مخلد الفلاس البغوی: امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو  
پہچانتا ہوں، ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بہت اچھے شیخ (بزرگ) اور ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان  
کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابوزرعہؒ اور امام احمدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن قانعؒ اور حسین بن فہمؒ فرماتے  
ہیں کہ یہ ثقہ اور شہید ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق لکھتے ہیں۔ ۳۔

﴿۳﴾ عیشم بن بشیر السلسی الواسطی ثقہ راوی ہیں۔ امام ابن مہدیؒ، امام عجلیؒ، امام ابو حاتمؒ، امام  
ابوزرعہؒ، امام ابن سعدؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ، صدوق اور حافظ قرار دیا ہے۔ البتہ یہ مدلس راوی ہیں۔  
ابن انہوں نے یہ حدیث اتنا (اخبرنا) سے بیان کی ہے لہذا ان کا مدلس ہونا یہاں مضرت نہیں۔ چنانچہ امام  
ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کان ثقہ کثیر الحدیث ثبتا مدلس کثیرا فمقال فی حدیثہ أنا  
۱۰۰ حجۃ و مالہ یقل فلیس بشیء ۴۔ عیشم ثقہ، کثیر الحدیث، مثبت اور کثیر الحدیث ہیں پس  
۱۰۔ اس حدیث میں اتنا (اخبرنا) کہیں تو وہ حجت ہیں اور جب یہ لفظ نہ کہیں تو پھر یہ کوئی شیء نہیں ہیں۔

﴿۴﴾ یونس بن عبید العبدی ثقہ تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے  
میں لکھتے ہیں ثقہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰۔

﴿۵﴾ امام حسن بن ابوالحسن بصری مشہور اور جلیل القدر امام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں  
ارقام فرماتے ہیں: ثقہ فقیہ، فاضل مشہور ۱۔

۱۔ تقریب التہذیب (۳۸۲/۱) ۲۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳۱۲/۲) ۳۔ تقریب التہذیب (۳۱۲/۱)

۴۔ تہذیب التہذیب (۵۹/۱۱) ۵۔ تقریب التہذیب (۳۳۹/۲) ۶۔ تقریب التہذیب (۲۰۲/۱)

روایت نمبر ۵:۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اخبرنا ابو طاهر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری حدثنا ابو احمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثني يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر۔

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن يزيد رضي الله عنه سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضي الله عنهم) حضرت عمر رضي الله عنه بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات اور (تین) وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اس روایت کی سند کو امام سبکی نے شرح منہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام عراقی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ اس روایت پر غیر مقلدین نے دو طرح سے کلام کیا ہے۔

اولاً:۔ ابو طاهر فقیہ کی کسی نے توثیق نہیں کی۔ ثانیاً:۔ اس روایت میں ابو عثمان بصری مجہول ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: اس روایت میں ایک راوی ابو طاهر ہے جن کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ کسی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہو۔ دوسرے ابو عثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

لیکن غیر مقلدین کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔ اول اس لئے کہ ائمہ رجال نے ابو طاهر محمد بن حمش کی باقاعدہ توثیق کی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن العماد ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الفقیہ الشافعی عالم نیشاپور و مسندھا ..... وکان قانعاً متعافاً..... وروای عنه الحاکم مع تقدمه واثني عليه ۵۔

یہ نیشاپور کے عالم اور مسند تھے اور دنیا سے قناعت کرنے والے اور پاک دامن، شافعی المسلک فقیہ تھے۔ امام حاکم نے ان سے باوجود متقدم ہونے کے روایت بھی کی ہے اور ان کی تعریف بھی کی ہے۔ نیز امام

۱۔ معرفۃ السنن والآثار (۲/۳۲) ۲۔ تحفۃ الاحوزی (۲/۷۵) ۳۔ طرح التعریب (۳/۸۸) ۴۔ تحفۃ

الاحوزی (۲/۷۵) ۵۔ العرم (۲/۲۱۸)، شذرات الذهب (۳/۱۹۲)

ذہنی اس نے ہارے میں ارقام فرماتے ہیں: مسند نیساپور العلامة ابوطاہر محمد بن محمد الزیادی ۱۔  
 امام سبکی فرماتے ہیں: الفقیہ شیعہ ابوطاہر زیادی امام المحدثین والفقہاء  
 ابوساہور فی زمانہ، وکان شیخاً ادیباً، عارفاً بالعربیة سلمت الیہ الفقہاء الفقیاء  
 بمدینة نیساپور والمشیحة۔ ۲

یعنی فقیہ شیخ ابوطاہر زیادی اپنے زمانہ کے نیساپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور  
 وہ شیخ، ادیب اور عربی زبان کے عالم تھے، نیساپور شہر کے تمام فقہاء نے فتویٰ لوسی اور بزرگی ان کو سونپ  
 دی تھی۔ امام سبکی علامہ عبدالغافر سے ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں:۔ امام اصحاب الحدیث  
 بخراسان وفقہیہم بالاتفاق بلامدافعة۔ ۳۔

یعنی وہ پورے خراسان کے بالاتفاق اور بلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور ان کے فقیہ تھے۔ اب جبکہ  
 امام حاکم، امام ذہبی اور ابن العمدان نے ابوطاہر کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح امام سبکی اور علامہ عبدالغافر نے  
 ابوطاہر کو شیخ اور امام کے القاب سے ملقب فرمایا ہے اور لفظ شیخ اور لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں سے ہیں۔  
 چنانچہ امام سیوطی اور حافظ ابن حجر نے لفظ شیخ کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے ۴۔ اسی طرح امیر صنعانی  
 نے بھی قصب السکر میں لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے ۵۔ مولانا رشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:  
 شیخ کا لفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے ۶۔ اسی طرح مولانا زین الدین عراقی مولانا عبدالرحمن مبارکپوری  
 یہ قلم اور مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد نے بھی لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے ۷۔  
 اسی طرح لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں ہے چنانچہ علامہ سخاوی اور علامہ سندھی نے اس کا کلمات توثیق  
 میں شمار کیا ہے ۸۔ (۹)۔

۱۔ مناقب (۱۱۹/۲) ۲۔ طبقات اللہوی (۸۲/۳) ۳۔ بحوالہ رکعات الترویج (ص ۳۸) ۴۔ ایضاً ج دیکھئے تدریب الراوی  
 (۲۱۲/۱) شرح لوطی الفکر (ص ۱۳۳) ۵۔ قصب السکر فی نظم نخبہ الفکر (ص ۱۵۸) ۶۔ شرح نخبہ الفکر۔  
 ۷۔ تاریخ الکلام (۱/۳۸۰) ۸۔ دیکھئے "انفیۃ الحدیث مع تعظیمات الاثریہ" (ص ۳۶) "ابکار السنن" (ص ۱۳۰) "اصطلاحات  
 الحدیث" (ص ۲۱) ۹۔ الرافع والشمیل (ص ۱۳) (۹)۔ اعتراض:۔ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ سخاوی  
 نے یہ قول لکھا ہے اس کا منہا یہ ہے کہ جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ (امام اور حافظ) استعمال کئے جائیں گے تو اس وقت ان =

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی لفظ امام کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے ۱۔

اب جبکہ امام حاکم، امام سبکی، امام عبد الغافر، امام ذہبی، علامہ ابن العماد نے باقاعدہ ابوطاہر کو ثقہ قرار دیا ہے تو پھر یہ مجہول کیسے ہے؟ اور خود غیر مقلدین کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الجلیل شہ، سوانی بھی ابوطاہر کو ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ابوطاہر فقیہ محمد بن محمد بن محمش مشہور ثقات سے ہیں ۲۔ نیز اس کی مذکورہ روایت کو امام سبکی اور ملا علی قاری نے صحیح قرار دیا ہے اور مولانا عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے ۳۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک راوی (محمد بن یحییٰ الصفار جس کو کسی امام نے بھی ثقہ نہیں کہا) کے بارے میں لکھتے ہیں: بیہقی نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے ۴۔ نیز موصوف ایسے ہی ایک اور راوی کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: الحاکم والذہبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے ۵۔ مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: دارقطنی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ ان کے ہاں یہ راوی مجہول نہیں ۶۔

بتابریں جب امام سبکی اور ملا علی قاری نے ابوطاہر فقیہ کی حدیث مذکورہ کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور امام حاکم وغیرہ حضرات نے صراحتاً اس کی توثیق کر دی تو پھر غیر مقلدین کیسے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی کسی نے توثیق نہیں کی، بلکہ امام سبکی اور امام عبد الغافر نے تو اس کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے کہ نیشاپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء نے ابوطاہر کو اپنا امام اور مقتداء

= کا شمار الفاظ توثیق میں ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۳) جواب: اگر رحمانی صاحب کی یہ بات بالکل یہ تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی ابوطاہر فقیہ کے حق میں یہ کوئی مضرت نہیں کیوں کہ جب امام سبکی اور ملا علی قاری نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کر دی ہے اور امام سبکی اور امام عبد الغافر نے اس کے بارے میں شیخ کہا ہے جو بالاتفاق الفاظ توثیق میں سے ہے تو اس سے ابوطاہر کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت ہو گیا۔ لہذا جب اس کے حق میں لفظ امام استعمال کیا گیا تو چونکہ یہ لفظ ایک عادل کے حق میں استعمال کیا گیا ہے تو گویا رحمانی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ابوطاہر کے حق میں لفظ امام الفاظ توثیق میں سے ہے۔ ۱ دیکھئے ”الکواکب الدررۃ“ (ص ۶۵) ۲ ”فتاویٰ الہمدیہ“ (۱/۵۱۱)

۳ تعداد تراویح (ص ۴۶) ۴ الکواکب الدررۃ (ص ۴۵) ۵ ایضاً (ص ۶۵) ۶ خیر الکلام (ص ۲۲۱)

تسلیم کیا ہے۔ اور اسی اور علامہ ابن العماد نے اس کو مسند نیشاپور کہا ہے۔ اب جس شخص کو نیسا پور جیسے شہر ۱۰۰۰ پہلے وقت میں ۶۰۰ سے ۶۰۰ عہد میں اور فقہاء کا مسکن رہا ہے (کہ محدثین اور فقہاء بلا اختلاف ہمارا زمانہ نام ہے) ان کو ایسے شخص کی ثقافت اور عدالت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے۔ یہ تمام محدثین اور فقہاء ایک غیر ثقہ اور غیر معروف عدالتہ شخص کو اپنا امام تسلیم کریں۔ لہذا اگر انہوں نے ابوطاہر فقیہ کو اپنا امام مانا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام شہر کے محدثین اور فقہاء کے حلقہ میں ابوطاہر کی عدالت اور ثقافت مشہور و معروف تھی اور ایسا شخص جس کی عدالت اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو تو اس کی عدالت کے متعلق سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں: فمن اشتہرت عدالتہ بہن اهل العلم وشاع الثناء علیہ کفی فیہا۔

جس شخص کی عدالت اہل علم میں مشہور و معروف ہو اور اس کی تعریف عام ہو تو یہ اس کی عدالت کیلئے کافی ہے۔ بتائیں اگر ابوطاہر فقیہ کی محدثین (امام سبکی، امام عبدالغافر، ملا علی قاری وغیرہ) نے توثیق نہ بھی کی ہوتی تو ان محدثین اور فقہاء کا اس کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنا ہی اس کی عدالت اور ثقافت کیلئے کافی تھا لیکن جب ان محدثین نے اس کی باقاعدہ توثیق بھی کر دی تو پھر اس کے عادل اور ثقہ ہونے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں رہا۔

اسی طرح غیر مقلدین کے اعتراض کی دوسری شق بھی باطل ہے کہ اس روایت کے دوسرے راوی ابو عثمان بصری مجہول ہیں۔ اولاً ائمہ حدیث اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے ابو عثمان کو مجہول نہیں قرار دیا بلکہ ائمہ حدیث امام سبکی، ملا علی قاری اور امام عراقی وغیرہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کے حوالے سے گزر چکا ہے)۔ اگر ابو عثمان بصری مجہول ہوتے تو پھر یہ بڑے بڑے محدثین اس کی روایت کو کیسے صحیح کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: جس روایت میں مجہول راوی ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ ۲۔

ثانیاً: ابو عثمان (عمر بن عبد اللہ) البصری سے ابوطاہر فقیہ اور حسن ابن علی بن موکل وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس مذکورہ روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات السنن الکبریٰ للبیہقی میں ان سے مروی ہیں ۱۔  
 اور کسی محدث نے ان کی تضعیف نہیں کی بلکہ امام سبکی، ملا علی قاری اور امام عراقی وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے اور اصول حدیث کا یہ متفقہ اصول ہے کہ جس شخص سے دوراوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مجہول نہیں رہتا کیونکہ مجہول عند الحدیث اس کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک راوی روایت کرے اور اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: من لم یرو عنہ غیر واحد ولم یوثق والیہ الاشارة بلفظ مجہول ۲۔  
 جس شخص سے سوائے ایک راوی کے دوسرا کوئی راوی روایت نہ کرے اور کسی نے اس کی توثیق بھی نہ کی ہو تو اس کی طرف لفظ مجہول سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد علامہ ابن حزم کے دارقطنی کے ایک راوی کو مجہول کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وهو جرح مردود فقد روی عنہ ثلاثاً۔  
 حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: محمد بن یحییٰ الصفار سے دو ثقہ روایت کر رہے ہیں۔

نمبراً: محمد بن سلیمان بن فارس۔ نمبر ۲: محمد بن عبد السلام۔ لحد اوہ مجہول نہیں ہے ۳۔

مولانا ابو محمد عبدالستار الحماد غیر مقلد لکھتے ہیں: اور محدثین کا اصول ہے کہ جس آدمی سے کم از کم دوراوی روایت کرنے والے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے ۵۔

نیز لکھتے ہیں: علمائے جرح و تعدیل نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسا راوی ہے جسے کسی نے بھی ثقہ نہ کہا ہو اور نہ کسی سے اس کے متعلق جرح ہی منقول ہو، اگر اس سے روایت لینے والے کوئی ایک ثقہ راوی ہوں اور اس سے کوئی منکر حدیث بیان نہ کریں تو اس کی مرویات کو قبولیت کی سند حاصل ہوگی ۶۔

حماد صاحب مزید لکھتے ہیں: بلکہ حافظ مناوی مجہول الحدیث کی روایت کی توجیہ بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: کہ اخبار و احادیث کی بنیاد راوی کے ساتھ حسن ظن پر ہے اور کسی شخص سے اگر کوئی ایک ثقہ

۱ التعلیق الحسن (ص ۲۵۱) ۲ مقدمہ تقریب التحدیب (ص ۳) ۳ التعلیق المغنی (۹/۳)

۴ الکوکب الدرر (ص ۳۵) ۵ ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۹) ۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء ۶ ایضاً۔

راوی روایات نقل کرتے ہوں تو اس سے حسن ظن کو تقویت پہنچتی ہے، ہشیم بن عمران کی مذکورہ روایت کو ہمارے شیخ (البانی غیر مقلد) نے اور ہم نے انہی دلائل کی وجہ سے اسنادہ حسن کہا ہے۔ لے  
 قارئین: غیر مقلدین کے ان اقتباسات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگائیں کہ جس راوی کی کسی محدث نے ادنیٰ توثیق بھی نہ کی ہو، صرف اس سے نقل کرنے والے دوراوی ہوں تو اس کی روایت تو غیر مقلدین کے ہاں حسن ہے اور اس کو سند قبولیت حاصل ہے لیکن جس راوی (ابو عثمان بصری) کی روایت کو محمد ثین نے صحیح کہہ کر اس کی توثیق بیان کی ہے اور اس سے کم از کم دوراوی روایت کرنے والے بھی ہیں تو پھر بھی وہ راوی غیر مقلدین کی نظروں میں مجہول ہے۔ والی اللہ المصطیٰ !

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی  
 باقی رہا مولانا مبارک پوری صاحب کا یہ کہنا کہ ابو عثمان کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا تو جو با عرض ہے کہ مبارک پوری صاحب کے عدم علم سے ابو عثمان کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ خود مبارک پوری صاحب کے ہی ہم مسلک محدث حافظ گوند لویؒ ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں: مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو ۲۔ الغرض غیر مقلدین کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں اور اس روایت کے پہلے دونوں راوی قطعاً مجہول نہیں ہیں۔ اسی طرح روایت کے باقی راوی بھی سب ثقہ ہیں۔ چنانچہ تیسرے راوی ابو احمد بن عبد الوہاب فراء ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام مسلم بن حجاج فرماتے ہیں یہ ثقہ اور صدوق ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقافات میں شمار کیا ہے ۳۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ عارف ۴۔ چوتھے راوی خالد بن مخلد القعقونی انی الکوفی ہیں، امام یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما بہ بأس۔ امام ابن عدنی فرماتے ہیں: ہومن المکثرین وهو عندی انشاء اللہ لا بأس بہ۔ یعنی یہ کثیر الحدیث ہیں اور میرے نزدیک انشاء اللہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبان اور امام ابن شاہین نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام عجل فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور ان میں تھوڑا سا تشبیح ہے۔

لے ایضاً۔ ۲ خیر الکلام (ص ۲۳۸) ۳ "محمد یب احمد یب" (۳۱۹/۹) ۴ تقریب (۱۰۸/۲)

عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ نیز یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔  
پانچویں راوی محمد بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ  
ہیں، امام ابن المدینی فرماتے ہیں: یہ معروف محدث ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ صالح اور مستقیم  
المحدث ہیں، امام عجلونی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور یہ  
صحاح ستہ کے راوی ہیں ۲۔

چھٹے اور ساتویں راوی یزید بن حصیبہ اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کا تذکرہ روایت نمبر ۸ میں آئے  
گا۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر ۶: عبدالرزاق عن السلی عن الحارث بن عبدالرحمان ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال  
کننا ننصرف من القيام علی عهد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنافروغ الفجر وکان القيام علی  
عهد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثہ وعشرین رکعة ۳۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قیام (تراویح)  
سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب طلوع فجر قریب ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیام  
(تراویح) کی تعداد تیس رکعات تھی۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ہذا محمول علی ان الثلاث للوتر رضی اللہ عنہ۔ یہ تیس  
رکعات اس پر محمول ہے کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی تھیں۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اب اس روایت کے ہر راوی کے حالات ملاحظہ ہوں۔  
(۱) امام عبدالرزاق الحمیری مشہور مصنف اور بالاتفاق ثقہ امام ہیں، امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ  
آپ نے حدیث میں عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا کسی کو نہیں، امام ابو زرہ  
فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق ان محدثین میں سے ہیں جن کی حدیث درست ہوتی ہے، امام ابو حاتم فرماتے

۱ دیکھئے محمد یب احمد یب (۱۱۶/۳) ۲ دیکھئے حمز یب (۹۳/۹) ۳ مصنف عبدالرزاق (۲۶۱/۳)



ہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد، فریابی، امام ذہلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے ۱۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق حفاظ اور اثبات میں سے اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں اور تمام ائمہ نے آپ کی توثیق کی ہے سوائے عباس بن عظیم عنبری کے، کہ انہوں نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی جس میں انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی ۲۔

امام عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے حافظ میں تغیر آ گیا تھا لہذا جن لوگوں ان سے آخر عمر میں سماعت کی تھی انہوں نے ان سے کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ ان لوگوں میں سے ایک اسحاق بن ابراہیم دبری بھی ہیں جنہوں نے سے حالت اختلاط میں سنا تھا اور یہی اسحاق دبری مصنف عبدالرزاق کے بنیادی راوی ہیں۔ اب بعض غیر مقلدین مصنف کی جملہ روایات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ چونکہ مصنف کا بنیادی راوی اسحاق دبری کا امام عبدالرزاق سے سماع بعد الاختلاط کا ہے لہذا اس کی جملہ روایات منکر ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اشکال غلط ہے کیوں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی یہ کتاب نابینا ہونے سے پہلے حالت صحت میں لکھی تھی اور اصول حدیث کی وجہ سے محدث جب زمانہ اختلاط میں جو روایات زبانی بیان کرے وہ تو منکر شمار کی جاتی ہیں لیکن اس دوران جو روایات وہ اپنی کتاب سے بیان کرے جس کو اس نے حالت صحت میں تصنیف کیا تھا ان روایات پر اس کے اختلاط کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ بات خود اکابر غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: مخطوط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے ۳۔

لہذا امام عبدالرزاق سے دبری نے جو روایات زبانی سنی تھیں ان میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس نے جو روایات ان سے ان کی تصنیف کردہ کتاب سے سنی تھیں ان کی صحت میں کوئی شک و

۱۔ ”تہذیب الکمال“ (۱۱/۳۵۲۳۵۰) ”تہذیب التہذیب“ (۶/۲۸۱، ۲۸۰) ۲۔ حدی الساری مقدمہ فتح

شبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر اسحاق دبری موصوف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: وانما الكلام في الاحاديث التي عنده في غير التصانيف، فهي التي فيها المناكير وذلك لاجل سماعه منه في حالة الاختلاط۔<sup>۱</sup>

اسحاق دبری کی عبدالرزاق سے ان روایات میں کلام ہے جو اس کے پاس تصانیف کے علاوہ ہیں کیونکہ ان میں منکر روایات بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دبری نے عبدالرزاق سے حالت اختلاط میں سماعت کی تھی۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: من سمع منه بعد ما عمى فليس بشئ وما كان في كتبه فهو صحيح وما كان ليس في كتبه فانه كان يلقي فیتلقن۔<sup>۲</sup>

جس نے امام عبدالرزاق سے ناپینا ہونے کے بعد سماعت کی ہے وہ کوئی شئی نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس میں جب اس کو تلقین کی جاتی تھی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا۔

مصنف عبدالرزاق سے متعلق مزید تفصیل انشاء اللہ حصہ دوم میں آئے گی۔

(۲) محمد بن فلج السلسی: یہ امام عبدالرزاق کے استاد اور صحیح بخاری وغیرہ کے راوی ہیں۔ امام دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ اپنے باپ (فلج) سے زیادہ ثقہ ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ما بہ بأس (ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ نیز فرماتے ہیں: ليس بذاك القوي مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: ليس بذاك القوي جس کے مفہوم میں صرف درجہ کاملہ کی نفی مراد ہے۔ لہذا یہ جرح لیس بہ بأس کے معارض نہیں ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ: محمد بن فلج ثقہ ہیں اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> "لسان المیزان" (۴۶۱/۱) "مقدمہ ابن الصلاح" (ص ۲) حدی الساری (ص ۵۸۹) ج ۲ "توضیح الکلام" (۴۷۳/۱) ج ۲ دیکھئے "تحدیب الکمال" ۱۵۹/۱۷ "تحدیب التحدیب" (۳۶۰/۹) "میزان الاعتدال" ( )

(۳) مار ۵، بن محمد المن بن ابی اہاب:-

امام ابوہریرہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بہ باس، امام مقبری فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابی بن مہین فرماتے ہیں کہ یہ مشہور (محدث) ہیں، امام ابن حبان اور امام ابن قانع نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ نیز امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ متقنین میں سے ہیں، امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں، امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔

(۴) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔

الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس کا ہر راوی بالکل ثقہ ہے۔

۱ دیکھئے ”تہذیب الکمال“ ۳/۳۵، ”تہذیب التہذیب“ (۲/۱۶۸) ”میزان الاعتدال“ (۱/۴۳۸)

## بیس تراویح عہد فاروقی و عہد عثمانی میں

روایت نمبر ۷: امام بیہقی فرماتے ہیں: وقد اخبرنا ابو عبد الله الحسين ابن محمد بن الحسين ابن فنجويه الدينوري بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنني ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي ثنا علي بن الجعد انبا ابن ابي ذئب عن يزيد بن خصيفه عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال كانوا يقومون علي عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة قال و كانوا يقرؤون بالمئين و كانوا يتوكون علي عصيتهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة القيام ۱۔

ترجمہ: حضرت سائب بن يزيد رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضي الله عنهم حضرت عمر بن الخطاب رضي الله عنه کے دور خلافت میں بیس رکعات (تراویح) کے ساتھ قیام کرتے تھے اور (قراءت حضرات) سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضي الله عنه کے دور خلافت میں لوگ شدت قیام کی وجہ سے لائٹیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔ چونکہ اس روایت کا آخری جملہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضي الله عنهم حضرت عثمان غنی رضي الله عنه کے دور خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے لائٹیوں پر ٹیک لگاتے تھے بیس رکعات کے ضمن میں مروی ہے تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضي الله عنه کے دور میں بھی حضرت عمر رضي الله عنه کے زمانہ خلافت کی کی طرح بیس رکعات، تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں کیونکہ جب راوی حضرت سائب رضي الله عنه نے حضرت عمر رضي الله عنه کے دور میں بیس رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر کیا تو اگر حضرت عثمان رضي الله عنه کے دور میں بیس کے علاوہ کسی اور عدد پر عمل ہوتا تو راوی ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔ پس راوی کا اس موقع پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضي الله عنه کے عہد خلافت میں بھی عہد فاروقی کی طرح بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ کیونکہ سکوت فی محل البیان بیان ہی ہوتا ہے۔

نیز حضرت عثمان غنی رضي الله عنه کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضي الله عنه کے دور خلافت میں بھی بیس تراویح پر عمل درآمد ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد عثمانی میں بھی بیس تراویح پر ہی عمل رہا۔

اس مذکورہ روایت کو متعدد محدثین مثلاً امام نووی، امام سیوطی، امام ابن العرانی اور علامہ نیوی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے ۱۔ مولوی ایوب صابر صاحب غیر مقلد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے ۲۔

اب اس روایت کے ہر ہر راوی کا تذکرہ اور توثیق کتب اسما الرجال سے ملاحظہ ہو۔

(۱) صاحب سنن امام احمد بن حسین البیہقی مشہور محدث اور جلیل القدر امام ہیں علامہ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں: الامام، الحافظ، العلامة، شیخ الخراسان ۳

(۲) ابو عبد اللہ حسین ابن فنجویہ الدینوری: حافظ ابن حجر عسقلانی حسن بن محمود کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وشیخہ هو الحسن بن عبد اللہ بن فنجویہ حافظ کبیر مصنف نیز فرماتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہیں ۴۔ اسی طرح حافظ موصوف محمد بن علی المختصم الهاشمی کے ترجمہ میں بھی ابن فنجویہ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے ۵۔

(۱) امام ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں، الامام المحدث، بقیۃ المشائخ امام شیرویہ اپنی تاریخ میں ابن فنجویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقہ صدوقاً، کثیر التصانیف ۶۔

علامہ ابن العما د فرماتے ہیں: ابن فنجویہ ثقہ مصنف کبیر۔

علامہ نیوی لکھتے ہیں: فہو من کبار المحدثین لایستل عن مثله ۷۔

اس سے مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد کا یہ مطالبہ پورا ہو گیا کہ: فَمَنْ يَدْعِي

سحة هذا الاثر ان يثبت كونه ثقہ قابلاً للاحتجاج ۹۔ یعنی جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن فنجویہ کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔

(۳) احمد بن محمد بن اسحاق السنی: یہ مشہور کتاب عمل الیوم واللیلہ کے مصنف اور سنن نسائی کے راوی

مرتب ہیں۔ حافظ ذہبی طبقات الحفاظ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کان دینا خیر اصدوقاً

۱۔ بیئنا آثار سنن مع التعلیق الحسن (ص ۲۵۱) ۲۔ تحقیق التراویح (۵۱) ۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۳۰۹)

۴۔ بیئنا ان الامام (۲/۲۹۶، ۲۹۵) ۵۔ بیئنا (۵/۳۰۱) ۶۔ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۲۸۲، ۲۸۳)

۷۔ مذرات الذهب (۳/۲۰۰) ۸۔ التعلیق الحسن (ص ۲۵۱) ۹۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۷۵)

اخترا السنن وسماء المجتبیٰ ۱۔

نیز حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، الامام، الثقة ۲۔

حافظ تاج الدین بکلی فرماتے ہیں: کان رجلا صالحا حافقہا ۳۔

(۴) عبد اللہ بن محمد البغویؒ: علامہ خطیب بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقہ، مجاہد، مکرأ،

لھما، حارفا۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ثقہ، جبل، امام من ائمة الحدیث ۴۔

امام ذہبیؒ ان کو الحافظ، الامام اور الحجۃ کے القاب سے یاد فرماتے ہیں ۵۔

(۵) علی بن الجعد:۔ یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، اور امام بخاریؒ نے تیرہ حدیثیں ان سے اپنی صحیح

میں روایت فرمائی ہیں، نیز یہ نہایت ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام صالح ان کو ثقہ بتلاتے ہیں، امام نسائی ان کو

صدوق کہتے ہیں، امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: کان صدوقا فی الحدیث۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: کان متھنا

صدوقا۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعد کی طرح احادیث یاد

رکھنے والا ہو۔ امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقہ ثبت۔ امام محمد بن صالح اور امام مطین بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں،

امام فن الرجال حضرت یحییٰ بن معین ان کو ثقہ صدوق، ثقہ صدوق دو دفعہ کہہ کر ان کی ڈبل توثیق کرتے

ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں ۶۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ ثبت روسی بالتشیع ۷۔

(۶) محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذؤب:

یہ ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ سعید بن المسیبؒ کے مشابہ تھے،

امام یحییٰ بن معین، امام یعقوب بن شیبہؒ، امام نسائی، امام احمد، امام ابن سعد، امام ابن حبان، امام غلیلی، امام

مالک وغیرہ تمام ائمہ رجال نے ان کی زبردست توثیق کی ہے ۸۔ امام بخاریؒ اور حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں

۱۔ اعلین الحسن للنیویؒ (ص ۲۵۱) ۲۔ تذکرہ (۹۳۹/۳) ۳۔ طبقات الکبریٰ (۳۹/۳)

۴۔ اعلین الحسن (ص ۲۵۱) ۵۔ سیر اعلام النبلاء (۳۴۰/۱۳) ۶۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۲۱۷/۱۳، ۲۱۷، ۲۱۷)

تہذیب احمدیہ (۲۵۸/۷) ۷۔ تقریب التہذیب (۶۸۹/۱) ۸۔ تہذیب (۳۰۳، ۳۰۳/۹)

کہ یہ بڑے اہل ثقات میں سے ایک امام ہیں اور ان کی عدالت و ثقاہت عند المحدثین متفق علیہ ہے۔ ۱۔

حافظ ابن جریران کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ فقیہ فاضل۔ ۲۔

(۷) یزید بن عبداللہ بن خصیفہ: امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم، اور امام نسائی وغیرہ ان کو ثقہ کہتے

ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین ان کے بارے

میں فرماتے ہیں: ثقہ حجۃ۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کان علیہ انا سکا، کثیر الحدیث، مجتہد۔ حافظ ابن

جریر عسقلانی فرماتے ہیں: وکان ثقہ مامونا۔ ۳۔

علامہ ابن عبدالبرّان کے بارے میں لکھتے ہیں: وھو یزید بن خصیفہ بن یزید بن عبداللہ

الکندی بن اخی السائب بن یزید الکندی وکان ثقہ مامونا محدثاً محسناً۔ ۴۔

(۸) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے والد حضرت یزید رضی اللہ عنہ

بھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ حضرت سائب اپنے والد کے ساتھ حجۃ اوداع میں شریک تھے اور

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں ایک بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ ۵۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب غیر مقلدان کے بارے میں لکھتے ہیں: انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ

یقیناً پایا ہے۔ کیونکہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور مدینہ منورہ میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد فوت ہوئے۔ ۶۔

لہذا یہ روایت بالکل صحیح ہے اور متصل السند ہے اس روایت کا ہر راوی نہایت ثقہ اور عادل ہے۔

اعتراض نمبر ۱: حافظ زبیر علی زئی پیروادی غیر مقلد اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس

روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمقیض کرتا

تھا ایسے مختلف راوی کی روایت مؤطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟

۱۔ "تاریخ الکبیر" (۱۵۲/۱)؛ "میزان الاعتدال" (۳۲/۳) ۲۔ "تقریب التہذیب" (۱۰۵/۲)

۳۔ "تہذیب الکمال" (۳۳۶، ۳۳۵/۲۰) "تہذیب التہذیب" (۲۹۸/۱۱)

۴۔ التہذیب شرح مؤطا (۳۳۱/۶) ۵۔ تقریب التہذیب (۳۳۸/۱) ۶۔ انارۃ المصالح (ص ۲۸)۔

۷۔ تعداد رکعات، قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۸)

جواب۔ یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً: علی بن الجعد بخاری شریف کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے باوجود محتاط ہونے کے ان سے تیرہ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کی ہیں۔ اسی طرح حافظ نے تقریباً تھمدیب ۲ میں اور امام سیوطیؒ نے ”تدریب الراوی“ ۳ میں علی بن الجعد کو بخاری شریف کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ اب معترض موصوف کو چاہیے کہ وہ مذکورہ روایت پر اعتراض کرنے سے پہلے یہی اعتراض امام بخاری پر کرے کہ انھوں نے ایسے راوی کی روایات اپنی صحیح میں کیوں داخل کی ہیں۔ دیدہ باید لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

ثانیاً: علی بن الجعد نہایت ثقہ و عادل راوی ہیں، تمام کبار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جمہور ائمہ مسلمین نے ان دونوں کتابوں (بخاری مسلم) کا صحیح ہونا تسلیم کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے ۴۔

خود معترض زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: اصحاب صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے ۵۔ پس جب علی بن الجعد ثقہ راوی ہیں اور ان کی توثیق غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے تو پھر ان کا شیعہ ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود معترض زبیر صاحب نے لکھا ہے کہ: جس راوی کا ثقہ و صدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعہ، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ داعی بدعت کی طرف نہ ہو ۶۔ اور علی بن جعد کا داعی بدعت کی طرف ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ لہذا اس روایت کا صحیح ہونا اور اس پر اعتراض کا باطل ہونا خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا۔

الجھا ہے پاؤں یا رکاز لاف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۱ تھمدیب التھمدیب (۲۸۵/۷) ۲ (۶۸۹/۱) ۳ (۲۷۹/۱) ۴ ”انوار المصاحح“ (ص ۲۱۹)

۵ تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۷۱) ۶ نور العینین (ص ۲۵)



حالاً۔ ماہلاً ابن بزرگ نے علی بن الجعد کے بارہ میں رُسی بالتشیع لے فرمایا ہے یعنی اس پر شیعہ ہونے والا ان کا کیا کہا ہے: اب کہ اس کے بالمقابل یعقوب ثقی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن ابی شیبہ نے ہائرم شیعہ قرار دیا ہے ۲۔

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے اس کی روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جو ہالین شیعہ راوی ہے اس کی روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل قبول ہے۔

### ع ناطقہ سر بگریباں اسے کیا کہیے

راہبنا: علی بن الجعد اگر شیعہ ہے بھی تو وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے اور علمائے حقد میں کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علیؑ کو حضرت عثمان غنیؓ پر فضیلت دیتا ہے اور اس کو تنفیسی شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ان متقدمین شیعوں میں موجود شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (کفر صحابہؓ، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا اس کو علمائے قدیم رافضی اور عالی شیعہ سے پکارتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: والتشیع محبة علیؑ وتقدیمہ علی الصحابةؓ فمن قدمہ علی ابی بکرؓ وعمرؓ فهو غالی فی التشیع ویطلق علیہ رافضی والافشعی فان انضاف الی ذلك السب او التصریح بالبغض فعال فی الرفض وان اعتقد الرجعة الی الدنیا فاشد فی الغلو یعنی اصطلاح قدیم میں شیعت حضرت علیؑ کی محبت اور ان کو دیگر صحابہ کرامؓ سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔ جو شخص حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پر مقدم سمجھتا ہے تو وہ عالی شیعہ ہے اسی کو رافضی کہا جاتا ہے ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ سب وشم یا بغض و نفرت کا اظہار بھی ہو تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے اور اگر وہ (حضرت علیؑ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔

۱ تقریب (۶۸۹/۱) ۲ دیکھئے "البدایہ والنہایہ" (۳/۳۷۵) ۳ "حدی الساری" (۳۵۹)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: متقدمین عرف میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو صرف حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دے ۱۔ چونکہ موجودہ شیعوں میں بھی رافضیوں کی طرح کفریہ عقائد پائے جاتے ہیں اس لئے اب شیعہ اور رافضی کا مصداق ایک ہی ہے لیکن اصطلاح قدیم میں ان دونوں میں فرق تھا۔ پس جو راوی صرف تشیع کے ساتھ مجروح ہو اور اس میں رافضیوں کے کفریہ عقائد نہ پائے جاتے ہوں تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسے تفضیلی راویوں کی روایتیں تو صحیحین میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صرف امام سیوطیؒ نے تقریباً پچیس راوی ایسے شمار کئے ہیں جو تشیع کے ساتھ مجروح ہیں ۲۔ اور امام حاکم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم تو ایسے راویوں سے بھری ہوئی ہے ۳۔ البتہ باقر غیر مقلدین صحیحین میں عالی اور تہرائی شیعوں کی روایت لینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اور ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں کسی عالی مذہبی (شیعہ وغیرہ۔ ناقل) کی روایت نہیں لی گئی ۴۔ اور چونکہ علی بن ابی طالبؓ بھی بخاری شریف کے راوی ہیں، لہذا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کی تنقیض کرتے تھے بالکل غلط ہے جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں ان کو بخاری شریف کے راویوں پر ایسے اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے راوی کی روایت مؤطا کی روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟ تو اس کا جواب بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ میاں صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب امام ابن عبدالبرؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ عبدالحق اور صاحب کبیری نے بیہقی کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کے لفظ سے اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی حدیث

۱۔ رسالہ مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۶۶) ۲۔ دیکھئے تدریب الراوی (۱/۲۷۹)

۳۔ حوالہ سابق ص ۱۳ (ص ۱۳) ۴۔ الاعتصام (ص ۲۸) مئی ۱۹۹۹ء

۱۔ امام محمدؒ کی روایت میں زیادہ ہے۔ (جو اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہے)۔  
 ان کے پاس اور آئی ہیں جو اب غیر مقلدین کیلئے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر اس سے بھی زیادہ  
 آئی ہیں تو پھر حصہ دوم کا انتظار کریں۔ وہاں ہم مؤطا کی روایت کے جواب میں اس پر  
 التفصیل سے بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

**اعتراض ثانی:**۔ بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت میں رکعات والی  
 روایت پر راجح ہے کیونکہ گیارہ رکعات والی روایت۔ کے راوی محمد بن یوسف کے حق میں حافظ ابن حجر نے  
 تقریب میں ثقہ ثبت و دو لفظ استعمال کیے ہیں جب کہ بیس رکعات کے راوی یزید بن خصیفہ کے حق  
 میں حافظ نے صرف ایک لفظ ثقہ استعمال کیا ہے۔ لہذا محمد بن یوسف کی روایت یزید کی اس میں رکعات  
 والی روایت پر راجح ہے۔

**جواب:**۔ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت راجح ہے؟ اس کی تفصیلی بحث تو حصہ دوم میں  
 آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر غیر مقلدین کے اس بیان کردہ قاعدہ ترجیح کو سامنے رکھا  
 جائے تو پھر بھی یزید کی روایت محمد بن یوسف کی روایت پر راجح ہے کیونکہ یزید کے ترجمہ میں ابھی گزرا کہ  
 امام یحییٰ بن محسن جو جرح اور تعدیل کے امام ہیں، نے یزید کے حق میں ثقہ مجتہد دو لفظ استعمال کیے ہیں  
 جبکہ انھوں نے محمد بن یوسف کے حق میں صرف ایک لفظ ثقہ کہا ہے۔ ۲۔

اسی طرح امام محمد بن سعد نے یزید کے حق میں چار لفظ (عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور مثبت)  
 استعمال کیے ہیں جبکہ محمد بن یوسف کے حق میں ان سے کچھ بھی منقول نہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عبد البرؒ  
 نے بھی ان کے حق میں ثقہ، مامون، محدث اور محسن کے چار تو شیعہ لفظ استعمال کیئے ہیں۔ نیز اگر حافظ  
 ابن حجر نے تقریب میں محمد بن یوسف کے حق میں دو لفظ استعمال کئے ہیں تو انھوں نے اپنی دوسری کتاب  
 تہذیب التہذیب میں یزید بن خصیفہ کے حق میں بھی دو لفظ ثقہ اور مامون استعمال فرمائے ہیں۔ لہذا  
 غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ ترجیح کے موافق بھی یزید کی روایت راجح ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین کی اس روایت کو مرجوع قرار دینے کی یہ دلیل بھی باطل ہے کہ گیارہ رکعات کے راوی محمد بن یوسف حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ ان کے نانا یا ماموں یا چچا تھے۔ لہذا ان کی روایت یزید بن حصیفہ (جو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار نہیں ہیں) کی روایت پر راجح ہوگی۔ لیکن یہ بھی غیر مقلدین کا زاویہ ہم ہے کیوں کہ یزید بن حصیفہ بھی حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار یعنی بھانجے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والے راویوں کو شمار کرتے ہوئے جب یزید بن حصیفہ کو شمار کیا تو فرمایا: وا بن اختہ یزید بن عبد اللہ بن حصیفہ وجماعۃ ۲۔ یعنی حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے ان کے بھانجے یزید بن حصیفہ نے بھی روایت کی ہے، جب کہ علامہ ابن عبد البر کی رائے ہے کہ یہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ہیں، جیسا کہ ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لہذا غیر مقلدین کی یہ وجہ ترجیح بھی باطل ہوگئی اور غیر مقلدین کے اس صحیح روایت پر تمام تراجم اعتراضات ہباء منثوراً ہو گئے۔

### بیس تراویح عہد مرتضوی میں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور کی طرح بیس تراویح پر عمل درآمد رہا۔ ذیل میں عہد مرتضوی کے متعلق چند روایات ملاحظہ کریں۔

روایت نمبر ۸: امام بیہقی فرماتے ہیں: اخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان ببغداد، انا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی، ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم، ثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس، ثنا احمد بن شعیب، عن عطاء بن السائب، عن ابی عبد الرحمن السلمی، عن علی رضی اللہ عنہ قال: ودعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرين رکعة قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بهم ۳۔

ترجمہ: حضرت ابو عبد الرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے اور ان کو تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔

۱۔ انارۃ الصانع (۴۰) ۲۔ ”تہذیب التہذیب“ (۳/۴۵۰) ۳۔ سنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۴۹۶)

غیر مقلدین کی طرف اس روایت پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

اعتراض اول: اس روایت کا ایک راوی حماد بن شعیب ہے جسے امام ابن معین، امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاری نے اس کے بارے میں فیہ نظر کہا ہے جبکہ امام ابن الہمام نے تصریح کی ہے کہ جس راوی کے بارہ میں امام بخاری فیہ نظر فرمائیں تو اس کی روایت نہ قابل احتجاج و استدلال ہو سکتی ہے اور نہ ہی قابل استشہاد ہوتی ہے ۱۔

جواب: حماد بن شعیب مختلف فیہ راوی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے لیکن بعض ائمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿۱﴾ امام ابن عدی فرماتے ہیں: یکتب حدیثہ مع ضعفہ۔ یعنی اس کی حدیث ضعف کے باوجود لکھی جاسکتی ہے ۲۔ اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: یکتب حدیثہ کالفاظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے ۳۔

﴿۲﴾ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے ۴۔

﴿۳﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اخرج له مع هذا الحكم في مستدرکہ ۵۔ یعنی امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اور غیر مقلدین کو یہ بات تسلیم ہے کہ مستدرک حاکم کی روایات صحیح ہیں۔ چنانچہ مولانا سلیمان محمود صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ دارالحدیث محمدیہ جلاپور) لکھتے ہیں: جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں جیسے مستدرک حاکم ۶۔

﴿۴﴾ امام بیہقی بھی حماد کی مذکورہ روایت کو قوی مانتے ہیں چنانچہ وہ حضرت علیؑ کے شاگرد حاتم بن شاکل کا اثر ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: وفي ذالک قوة۔ اس کے بعد انہوں نے یہی مذکورہ روایت

۱۔ "تختہ الاحوذی" ۳/۷۵، "تعداد تراویح" ص ۱۰۰ وغیرہ۔ ۲۔ لسان المیزان (۳۲۸/۲) ص "توضیح الکلام" (۱/۵۳۷)

۳۔ الاکمال للحسینی مع تصدیب الکمال (۵/۵۲۸) طبع دار الفکر بیروت ۵۔ لسان المیزان (۲/۳۲۸)

۶۔ اصطلاحات الحدیثین (ص ۲۹)

شیر کے اثر کو قوی ثابت کرنے کیلئے مع السنذ ذکر فرمائی ہے ۱۔ پس جب یہ روایت عند الیہم تھی "شیر بن شکل کے اثر کی تقویت اور قوت کا سبب ہے تو پھر یہ روایت خود کیسے قوی نہ ہوگی؟

﴿۵﴾ اسی طرح یہ روایت امام ابن تیمیہ کے نزدیک بھی صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اسی حماد بن شعبہ والی روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی ؑ نے حضرت عمر ؓ کی قائم کی ہوئی جماعت (بیس تراویح) کو توڑ نہیں بلکہ برقرار رکھا ۲۔ اور مشہور غیر مقلد محدث محمد گوندلوی صاحب (سابق امیر جماعت الحمدیٹ) لکھتے ہیں:

کہ محدثین کا کسی روایت کو نقل کر کے استدلال کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے ۳۔ مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ اس سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے ۴۔

﴿۶﴾ پھر امام ذہبی جیسے ناقد ماہر رجال نے بھی اپنی مختصر میں اس روایت کو اور حافظ ابن تیمیہ کے اس سے اس استدلال کو بلا ٹوک و نکیر ذکر فرمایا ہے اور حماد بن شعیب اور اس کی روایت پر ادنیٰ نقد بھی نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امام ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی دونوں کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

﴿۷﴾ اس روایت کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محدث کبیر امام ابو عیسیٰ ترمذی حضرت علی ؑ سے مروی بیس تراویح والی روایت کو صحیح مانتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی ؑ وعمر ؓ وغیرہما من اصحاب النبی ﷺ عشرون رکعة ۱۔

مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں: اہل علم سے صحابہ و تابعین وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے اور جس مسئلہ کی بابت امام ترمذی والعمل علی ہذا عند اهل العلم کہتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر اختلاف ہو تو کچھ

۱ دیکھئے سنن کبریٰ (۲/۳۹۶) ۲ دیکھئے منهاج السنۃ (۲/۲۲۳) ۳ تحقیق الراخ (ص ۸۸)

۴ توضیح الکلام (۱/۲۰۶) ۵ المنتقی للذہبی (ص ۵۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۷۲) ۶ ترمذی (۱/۹۹)

تعمیرت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔ اور یہاں بھی اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث بھی امام ترمذی کے نزدیک قوی ہے۔

﴿۸﴾ محدث امام ابن قدامہ حنبلی اس روایت سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:  
وهذا كالاجماع ۲۔

لہذا احمد ابن شعیب کی توثیق راجح ہے اور اس کی یہ مذکورہ روایت عندالمحدثین صحیح ہے۔ باقی رہا امام بخاریؒ کا حداد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر فرمانا اور بقول ابن الہمام وغیرہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ فیہ نظر فرمادیں تو ایسے راوی کی روایت نہ تو قابل حجت ہوتی ہے اور نہ ہی قابل تائید، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان کردہ قاعدہ باقرار غیر مقلدین کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال البخاری فیہ نظر ولا یقول هذا الا فیمن یتھم غالباً۔ ۳

مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ کثیر اور غالباً کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم کلی نہیں اکثری ہے ۴۔ نیز مولانا رحمانی لکھتے ہیں کہ محدثین نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی شدت راہیت اکثری ہے کل نہیں ۵۔ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام بخاریؒ کی جرح فیہ نظر کو بھی عموماً اہل علم نے اسی درجہ میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا یہ حکم عمومی نہیں اکثری ہے ۶۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود ائمہ رجال نے ان کو ثقہ ٹھرایا ہے بلکہ مصنفین صحاح اور خود امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے ایسے راویوں کی روایات کو اپنی کتب میں استدلال اور اشتہاد دونوں اعتبار سے ذکر فرمایا ہے۔ بطور نمونہ صرف چند ایسی مثالیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ فتاویٰ اہل حدیث (۱۰۸/۱) ۲۔ المغنی (۸۰۳/۱) ۳۔ انکار لمن (ص ۵۸)

۴۔ "آزاد المصاحح" (ص ۳۳۵) ۵۔ ایضاً (ص ۳۳۳) ۶۔ توضیح الکلام (۲/۳۱۶)

﴿۱﴾ تمام بن نوح:۔ امام بخاری نے ان کے بارے میں بھی فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی کتاب جزء رفع یدین میں ان سے روایت لی ہے اسی طرح امام ابو داؤد اور امام نسائی وغیرہ نے اپنی اپنی سنن میں ان سے روایت نقل کی ہیں اور امام یحییٰ بن معین اور یعقوب بن سفیان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور امام بزار نے صالح الحدیث کہا ہے ۱۔

﴿۲﴾ عباد بن کثیر مٹی کے حق میں بھی امام بخاری نے فیہ نظر فرمایا لیکن دیگر ائمہ حدیث کی طرح خود بھی ان کی روایات اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں لی ہیں ۲۔

﴿۳﴾ حبیب بن سالم انصاری کے بارے میں بھی امام بخاری نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ: ان کی روایات میں ایک روایت بھی منکر نہیں ہے ۳۔

﴿۴﴾ منہال بن خلیفہ العجمی: ان کے بارے میں بھی امام بخاری فرماتے ہیں: فیہ نظر، لیکن یہ سنن ابی داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں ان کی روایات ذکر کی ہیں ۴۔ اور خود علمائے غیر مقلدین مثلاً حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا مبارکپوری صاحب، حافظ عبد المنان نورپوری صاحب اور شیخ عبدالرؤف سندھو نے تصریح کی ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی تمام روایات صحیح ہیں اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں ۵۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی راوی کے بارہ میں امام بخاری کے فیہ نظر کہنے کے باوجود وہ راوی ثقہ اور اس کی بیان کردہ روایات صحیح اور قابل استدلال ہو سکتی ہیں اور ساری بات یہ ہے کہ امام بخاری کی اس جرح کی اہمیت اور شدت اگر ہے بھی تو وہ صرف امام بخاری کے نزدیک ہے ورنہ وہ راوی دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک ثقہ ہو سکتا ہے اسکا کچھ نمونہ درج بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے اور اس بات کا بھی غیر مقلدین کو اقرار ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی جرح کی شدت اور اہمیت امام بخاری کے نزدیک ہے دوسرے محدثین

۱۔ ”محمد یب الکمال“ (۳/۲۱۲، ۲۱۱) ۲۔ محمد یب الکمال (۹/۴۲۰) ۳۔ ایضاً (۳/۱۱۹) ۴۔ ایضاً (۱۸/۴۱۰)  
۵۔ کتاب رفع یدین اور آئین (ص ۱۲۲، ۱۲۳) تحفۃ الاخوانی (۲/ )، تعداد تراویح (ص ۳۲)، القول المقبول (ص ۴۲)



کے نزدیک ان الفاظ کی یہ حیثیت نہیں ہے ۱۔ اور رحمانی صاحب امام سخاوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لحد افیہ نظر اور سکتو اعنہ کو سخت الفاظ میں شمار کرنا خاص کر انہی کے اعتبار سے ہے اور اس کے ساتھ اس تعبیر میں چشم پوشی اور درگزر بھی ہے ۲۔ اور آخر میں لکھتے ہیں: تو اس سے یہ بات خود ہی ثابت ہو جاتی ہے کہ ایسے راوی بھی ہیں جن کے حق میں امام بخاری نے فیہ نظر یا سکتو اعنہ کہا ہے مگر دوسرے ناقدین کے نزدیک وہ معجز ہیں بلکہ خود امام بخاری کے نزدیک بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایسا راوی بالکل ناکارہ ہی ہو ۳۔ لحد اجب غیر مقلدین کو یہ دونوں باتیں تسلیم ہیں تو پھر اگر امام بخاری نے حماد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر کہہ دیا ہے لیکن دیگر محدثین امام ابن عدی، امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن تیمیہ، امام ذہبی، امام ترمذی، امام بیہقی وغیرہ نے اس کی روایت کو قابل استدلال سمجھا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں حماد بن شعیب کی مذکورہ روایت کو بھی تسلیم کر لیں اور اس کو بلکل ہی ناکارہ راوی کہنا چھوڑ دیں۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حماد بن شعیب ضعیف راوی ہے اور اس کی وجہ سے یہ روایت بھی ضعیف ہے تو پھر بھی معجز نہیں کیونکہ حضرت علیؓ سے بیس رکعات والی روایت حماد کے طریق کے علاوہ دیگر طرق سے بھی مروی ہے، کما سیاتی تفصیلاً، اور وہ طرق حماد کی اس روایت کے لیے مؤید ہیں جس کی وجہ سے حماد والی روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جس ضعیف روایت کی تائید دیگر طرق سے ہو جائے تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ایک ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: *هَذَا الْحَدِيثُ وَإِنْ كَانَ ضَعِيفًا لَكِنَّهُ مُنْجِبٌ بِتَعَدُّدِ طَرَفِهِ ۴۔*

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر کثرت طرق سے اس کا ضعف جاتا رہا ۵۔ پس حماد بن شعیب اتنا ضعیف راوی نہیں ہے کہ کثرت طرق سے بھی اس کی روایت کا ضعف ختم نہ ہو۔

۱ انوار المصابیح (۱۳۵) ۲ ایضاً (۲۳۶) ۳ ایضاً (ص ۳۳۰) ۴ ابکار الرحمن (ص ۱۸۶) ۵ خیر الکلام (ص ۲۵۲)

**اعتراض ثانی:** اس روایت کا دوسرا راوی عطاء بن سائب آخر عمر میں اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا اور جن راویوں نے اس سے قبل الاختلاط روایت کی ہے ان میں حماد بن شعیب کا نام نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت عطا سے بعد الاختلاط مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے ۱۔

جواب: عطاء بن السائب اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اتنے مختلط نہیں ہوئے تھے کہ ان کی احادیث ضعیف قرار پائیں بلکہ اختلاط کے باوجود ان کی احادیث عند الحدیث کم از کم حسن ضرور ہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ ایک روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفیه عطاء بن السائب وفیه کلام وهو حسن الحدیث ۲ اس روایت میں عطاء بن ثابت ہیں اگرچہ (اختلاط کی وجہ سے) ان میں کلام ہے لیکن ان کی حدیث حسن ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: تابعی مشہور حسن الحدیث ۳۔ امام حاکم عطاء کی ایک روایت جس کو ان سے جریر بن عبد الحمید نے نقل کیا ہے، صحیح الاسناد کہا ہے ۴۔ حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے ۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ عطاء کے بارے میں لکھتے ہیں: وکان اختلط بآخره ولم یفحش حتی یتحق ان یعدل به عن مسلك العدول ۶۔ یعنی عطاء بن سائب اگرچہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے (لیکن) وہ اتنے فاحش اور زیادہ مختلط نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل اور ثقہ راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔ امام مسلم نے بھی عطاء بن سائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانی کے راویوں میں شمار کیا ہے کہ جن سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایات لی ہیں ۷۔ اسی طرح امام ابو حاتم کے نزدیک بھی عطاء قابل اعتبار راوی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم حصین بن عبد الرحمن اور عطاء بن سائب برابر ہیں محلہم محل الصدق یکتب حدیثہم ولا یحتج

بہم ۸۔

۱۔ حصہ انوار المصابیح (ص ۲۸۸، ۲۸۹) ۲۔ مجمع الزوائد (۳/۳۵) ۳۔ المغنی فی الضعفاء (۲/۵۹)

۴۔ المستدرک (۱/۳۲۸) ۵۔ تدریب الراوی (۲/۲۲۳) ۶۔ تہذیب التہذیب (۷/۱۸۵)

۷۔ دیکھئے مقدمہ مسلم (ص ۳) ۸۔ الجرح والتعديل (۱/۱۳۳)

مولانا ارشاد الحق اثری لکھیے ہیں کہ لاصحیح کے الفاظ راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں ۱۔  
 نیز فرماتے ہیں: خلاصۃ المرام راوی کا (ابوحاتم کے نزدیک) ایسے بختہ ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں ۲۔ اور چونکہ امام ابو حاتم نے عطاء بن سائب کے بارہ میں محل الصدق اور یکسب حدیث فرمایا ہے جو الفاظ تعدیل میں سے ہیں لہذا امام ابو حاتم کا ان کے بارہ میں لاصحیح فرمانا مضمر نہیں اور یہ عطاء کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے نیز محدث کبیر امام بخاری کے نزدیک بھی عطاء کی متابعت والی روایت صحیح ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی صحیح میں عطاء کی ایک متابعت والی روایت ذکر فرمائی ہے حالانکہ اس روایت کو عطاء سے نقل کرنے والے ہشیم راوی ہیں ۳۔ جن کا عطاء سے سماع بالیقین عطاء کے زمانہ اختلاط کا ہے۔ چنانچہ امام عجمی فرماتے ہیں: فاما من سمع منه (ای عطاء بن سائب) بعد الاختلاط فهو مضطرب الحدیث منہم ہشیم و خالد بن عبد اللہ ۴۔

اب جبکہ عطاء بن سائب کی حالت اختلاط والی روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور باقر غیر مقلدین صحیح بخاری میں مختلط راویوں کی جتنی روایات موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایسے راویوں کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں: ان کی روایات (صحیح بخاری) میں موجود ہیں مگر ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں اور صحیح بخاری کی صحت پر ان روایات کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا ۵۔

بنا بریں جب عند الحدیثین (امام بیہقی، امام حاکم، حافظ ابن حجر، امام ابو حاتم اور امام بخاری) وغیرہ کے نزدیک بھی عطاء بن سائب کی اختلاط والی روایات صحیح ہیں اور ان کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے تو پھر اس کی مذکورہ روایت جس کی تائید حضرت علیؑ کی دیگر روایات سے بھی ہو رہی ہے وہ کیونکر صحیح نہیں ہوگی؟

ثانیاً: چونکہ حضرت علیؑ سے میں تراویح اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی مروی ہیں جو کہ عطاء کی مذکورہ روایت کے لیے مؤید ہیں۔ اور اصول حدیث میں طے شدہ ہے کہ مختلط راوی کی متابعت

۱۔ توضیح الکلام (۱/۲۳۰) ج ۱ ایضاً (ص ۲۲۹) ج ۱ "تدریب الراوی" (۱/۲۳۳)

۲۔ "تہذیب الکمال" (۱۳/۵۷): "الجوہر العقی" (۳/۳۹۰، ۳۸۸)۔ ۵۔ توضیح الکلام (۲/۲۷۰)

اور تائید جب کسی دوسری روایت سے ہو جائے تو پھر مختلط سے مروی روایت معتبر اور قابل حجت سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ومتى توبع السنى الحفظ بمعتبر كان يكون فوقه او مثله لا دونه وكذا المختلط الذي لا يتميز والمستور والاسناد المرسل وكذا المدلس صار حديثهم حسنا للذاته بل وصفه باعتبار المجموع ۱۔

یعنی جب سنی الحفظ راوی کی متابعت اور تائید کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایات میں تمیز نہ ہو سکے (کہ یہ روایات اس کے حالت اختلاط سے پہلے کی ہیں یا بعد کی) اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کی کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے ۲۔

خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مختلط کی روایت عند المتابعین صحیح ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب ایک مختلط راوی کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واما اختلاطه قبل موته بقليل كما قاله الحافظ في التقریب فيقتضى ان يكون حديثه ضعيفا مالم يثبت انه رواه قبل اختلاطه لکنه قد شهدہ حدیث وائل بن حجر وهلب الطائى ۳۔

باقی رہا اس کو موت سے تھوڑا عرصہ پہلے اختلاط ہونا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں فرمایا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہو جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے روایت کی ہے لیکن اس کے لیے وائل بن حجر اور هلب طائى کی احادیث شاہد ہیں۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: مبارکپوری صاحب ابواسحاق کو مختلط لکھتے ہیں لیکن طحاوی میں ابواسحاق کا متابع موجود ہے لہذا ابواسحاق پر اعتراض فضول ہے ۴۔

پس جب مختلط کی روایت عند المتابعین خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر ہے تو پھر عطاء بن سائب کی متابعت والی روایت پر ان کا اعتراض بھی فضول ہے۔ اور یہ روایت بالکل صحیح ہے اب اس روایت کے دیگر

۱۔ ”شرح نخبة الفکر“ (ص ۹۱) ۲۔ علامہ شوکانی غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ ایسی حسن وغیرہ روایت عند الجمہور حجت ہے

چنانچہ فرماتے ہیں: وبهذا ان الحديث من قسم الحسن لغيره وهو محتج به عند الجمهور۔

”نیل الاوطار“ (۳/۳۱۳) ۳۔ ابکار السنن (ص ۱۱۵) ۴۔ توضیح الکلام (۱/۵۱۳، ۵۱۵)

راویوں کا حال ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام بیہقی جو بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔

(۲) ابوالعین بن الفضل القطان البغدادی: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد انکے بارے میں

لکھتے ہیں: امام بیہقی اور خطیب کے مشہور استاذ ہیں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ ۱۔

حافظ ابن حجرؒ ان کی ایک روایت کو اسنادہ جید فرماتے ہیں۔ ۲۔

(۳) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی۔ یہ امام دارقطنیؒ وغیرہ محدثین کے استاد ہیں۔ علامہ خطیبؒ

انکو ثقہ بتلاتے ہیں۔ ۳۔

(۴) ابو عامر عمرو بن تمیم: حافظ ابن حجر نے محمد بن اسماعیل ابوالحسن الرازی کے ترجمہ میں علامہ خطیب

کے حوالہ سے انکو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ۴۔

(۵) احمد بن عبد اللہ بن یونس: امام احمد بن حنبلؒ ان کو شیخ الاسلام کہتے ہیں امام ابو حاتم فرماتے ہیں:

کان ثقہ متقنا امام نسائی اور امام ابن حبان فرماتے ہیں: ثقہ، امام ابن سعد اور امام علی ان کو ثقہ اور

صاحب سنتہ والجماعہ فرماتے ہیں، امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقہ مامونا ثبۃ، امام ابو حاتم فرماتے

ہیں کہ (یہ کوفہ کے صالحین اور اہل سنت میں سے ہیں۔ ۵۔

حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ حافظ۔ ۶۔

(۶) حماد بن شعیب اور (۷) عطاء بن سائب کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

(۸) ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب السلمی: یہ ثقہ تابعی ہیں، امام علیؒ انکے بارے میں فرماتے ہیں:

کوفی تابعی ثقہ، امام نسائی فرماتے ہیں: ثقہ، محمد بن عمیر فرماتے ہیں: کان ثقہ کثیر الحدیث علامہ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، امام بخاری اپنی کتاب التاريخ الكبير

میں لکھتے ہیں کہ: انھوں نے حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے سماعت

۱۔ اسباب اختلاف الفقہاء (ص ۶۱)، بحوالہ سیر اعلام النبلاء (۳۳۱/۱۷)، تاریخ بغداد (۲۳۶/۲)

۲۔ تلخیص الخیر (ص ۳) دیکھئے تاریخ بغداد (۳۳۳/۱) ۳۔ لسان المیزان (۸۹/۵)

۴۔ مصلہ "حمد یب الکمال" ۱۸۴/۱، "حمد یب التحدیب" (۳۳/۱) ۵۔ تقریب (۳۹/۱)

حدیث کی ہے، علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں یہ حضرت علیؑ کے ساتھ شریک تھے ۱۔  
(۹) حضرت علی المرتضیٰؑ خلیفہ رسولﷺ اور داماد رسولﷺ ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر ۹:۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: ثناء و کبیح عن حسن بن صالح عن عمرو ابن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بہم فی رمضان عشرین رکعة ۲۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسناء روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؑ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے ۳۔

اس روایت پر غیر مقلدین نے دو اعتراض کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علیؑ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ابوالحسناء مجہول ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ اور علامہ نیوکیؒ نے لا المعروف کہا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ ابوالحسناء کی حضرت علیؑ سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ لہذا یہ روایت منقطع بھی ہے۔

جواب:۔ غیر مقلدین کے یہ دونوں اعتراض باطل ہیں۔ اس لئے کہ ابوالحسناء سے دو ثقہ راوی عمرو بن قیس اور ابوسعدا البقال یہ روایت نقل کر رہے ہیں اور روایت نمبر ۵ میں ابوعثمان بصری کے تذکرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور اس کو مجہول نہیں کہا جاتا۔

البتہ جس راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کے بارے میں کسی سے توثیق

۱۔ ”تہذیب الکمال“ ۸۰/۱۰؛ ”تہذیب التہذیب“ ۱۶۱/۵۔ ۲ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۳)

۳۔ اس روایت کے پہلے راوی حضرت وکیع کا تذکرہ روایت نمبر ۱۱ میں اور حسن بن صالح کا تذکرہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ تیسرے راوی عمرو بن قیس الملائی بلا تفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد، امام ابن معین، امام ابوجاتم، امام نسائی، امام ابو زرعہ، امام ثوری، امام عیسیٰ، امام ترمذی اور امام ابن حبان وغیرہ سب محدثین ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۹۲/۸)۔ حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ عیسیٰ بن عیسیٰ، تقریب (۷۴۳/۱)۔ چوتھے راوی ابو الحسناء کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔

منقول نہ ہو تو ایسے راوی کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: من روى عن أحد من واحد ولم يوثق واليه الإشارة بلفظ مستور أو مجہول الحال۔ یعنی: اس راوی سے آگے ایسے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ علامہ مہارکپوری صاحب لکھتے ہیں: مستور تو اسے کہتے ہیں کہ جس سے دو شخص روایت کریں اور کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔ ۴۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کو مجہول نہیں، مستور کہتے ہیں ۴۔

مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ جس سے روایت لینے والے تو کئی ہوں مگر اس کے بارہ میں جرح و تعدیل معلوم نہ ہو اسے مستور بھی کہتے ہیں ۴۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس سے دو ثقہ روایت کریں وہ مجہول العین نہیں رہتا بلکہ اس کی جہالت عین ختم ہو جاتی ہے۔ مستور وہ ہوتا ہے جس کی کسی نے بھی توثیق نہ کی ہو ۵۔

ابوالحسناء مجہول نہیں مستور ہیں:-

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں تو اس کو محمد شین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہتے ہیں اور یہ بات خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چونکہ ابوالحسناء سے بھی دو راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کے کم از کم دو شاگرد ہیں ۵۔ لہذا اس کو مجہول کہنا غلط ہے بلکہ یہ مستور راوی ہے۔

۱۔ تقریب (ص ۲۵) ۲۔ تحقیق الکلام (۷۹/۱) ۳۔ مفضلہ خیر الکلام (ص ۱۶۸) ۴۔ اصطلاحات الحدیثین (ص ۱۹) ۵۔ الکوکب الدریدہ (ص ۳۲) ۶۔ مولانا رحمانی صاحب نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ عمرو بن قیس اور ابوسعید بقال کو ابوالحسناء کے شاگرد قرار دینا وہم ہے کتبہ ہر حال سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انوار المصباح (ص ۳۰۰) لیکن ان دونوں کو ابوالحسناء کا شاگرد قرار دینا وہم نہیں بلکہ رحمانی صاحب کا اس سے انکار کرنا خود انکا وہم ہے کیونکہ علمائے غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دونوں ابوالحسناء کے شاگرد ہیں چنانچہ مولانا رحمانی صاحب کے =

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس ابوالحسناء راوی کو مجہول اور حافظ ذہبی نے لایعرف کہا ہے وہ یہ ابوالحسناء نہیں جو مذکورہ روایت کا راوی ہے بلکہ وہ شریک نخعی کا استاد ہے اور اس سے صرف ایک ہی راوی شریک روایت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال ۱ میں، حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ۲ اور تہذیب ۳ میں اور حافظ ابوالحجاج مزنی نے تہذیب الکمال ۴ میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں جس ابوالحسناء میں کلام ہو رہا ہے اس سے صرف ایک راوی نہیں بلکہ کم از کم دو راوی روایت کرتے ہیں اور وہ خود حضرت علی المرتضیٰ ؑ سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ پہلے ابوالحسناء حکم سے، جو حضرت علی ؑ کے شاگرد حنش کے شاگرد ہیں، سے روایت کرتے ہیں ۵۔ لہذا غیر مقلدین کا ان دو مختلف راویوں کو ایک قرار دے کر مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء کو مجہول ثابت کرنا غلط ہے۔ اگر غیر مقلدین حضرات ان دونوں کو ایک ہی قرار دینے پر بضد ہیں تو پھر اس صورت میں ابوالحسناء سے روایت کرنے والے دو کی بجائے تین راوی ہو جائیں گے، دو (عمر بن قیس اور ابوسعید بقال) مذکورہ روایت کے راوی اور ایک شریک نخعی۔ پھر غیر مقلدین کس اصول کے تحت ابوالحسناء کو مجہول قرار دینگے؟ دیدہ باید خلاصہ کلام:۔ ابوالحسناء دو راوی ہیں اور جن ابوالحسناء کو ابن حجر وغیرہ نے مجہول قرار دیا ہے وہ اس مذکورہ روایت کے راوی نہیں ہیں بلکہ مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء اصول حدیث کی رو سے مستور راوی ہیں اور علامہ نیوی کی مراد بھی ابوالحسناء کو لایعرف کہنے سے اس کا مستور ہونا ہے کیونکہ انھوں نے خود ابوالحسناء کے دونوں شاگردوں کی روایتیں ذکر کیں ہیں ۶۔

لہذا علامہ نیوی کی تحقیق کے مطابق بھی مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء مستور ہیں اور لایعرف کا اطلاق جس طرح مجہول راوی پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق مستور راوی پر بھی کیا جاتا ہے۔

= استاذ الاستاذ حافظ عبداللہ غازی پوری لکھتے ہیں: اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوالحسناء بھی ہیں جو ابوسعید بقال کے شیخ ہیں۔ رکعات التراتوج (ص ۳۰) پس جب ابوسعید بقال جو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اس کو ابوالحسناء کا شاگرد ہونا تسلیم کر لیا ہے تو پھر ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمر بن قیس جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور مدلس بھی نہیں ہیں ان کا ابوالحسناء کا شاگرد ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ ۱ (۵۰۱/۴) ۲ (۴۵۹/۷) ۳ (۷۴/۱۲) ۴ (۱۷۹/۲۱) ۵ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۸۰/۲۱) ۶ دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۲۵۴، ۲۵۵)



## مستور راوی کی روایت کا حکم

تورلی روایت کے بارے میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ مطلق مقبول ہے لیکن جمہور اس کا رد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر مقلدائی لکھتے ہیں کہ: تحقیق یہ ہے کہ مستور کی روایت نہ مطلقاً مقبول ہے اور نہ مطلقاً مردود، بلکہ اس میں ظاہر حال تک توقف کیا جائے گا۔ پھر آگے مخطوط وغیرہ راویوں کے ضمن میں لکھتے ہیں: اگر مستور وغیرہ کی متابعت کوئی دوسرا معتبر راوی جو کہ اس کے مثل یا اس سے بہتر ہو، کر دے تو مستور وغیرہ کی روایت حسن ہو جائے گی ۲۔ حافظ صاحب کی یہ پوری عربی عبارت روایت نمبر ۸ کے ذیل میں مخطوط کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح امام سیوطی حدیث ضعیف کی تعریف کے تحت لکھتے ہیں: ثم قسمه ابن الصلاح الى اقسام كثيرة باعتبار فقد صفت من صفات القبول الستة، وهي الاتصال، والعدالة، والضبط، والمتابعة في المستور وعدم الشذوذ، وعدم العلة ۳۔ اس خط کشیدہ عبارت پر غور کریں اس سے واضح ہے کہ مستور کی روایت تب ضعیف ہوگی جب اس کی متابعت نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کی متابعت کوئی دوسرا راوی کر دے تو پھر مستور کی روایت صحیح اور مقبول ہو جائے گی۔ چونکہ ابوالحسناء بھی مستور راوی ہے اور اس کی متابعت ابو عبد الرحمن السلمی نے کی ہے (جو روایت نمبر ۸ کے راوی اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں)۔ لہذا ابوالحسناء کی روایت بھی متابعت کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتبار ہوگی۔ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مستور کی روایت متابعت کی صورت میں قابل حجت ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب حدیث حسن لغیرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: الحسن لغیرہ وهو الذي يكون حسنة بسبب الاعتضاد نحو حديث المستور الخ ۴۔ یعنی حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو کسی اعتضاد اور تائید کے سبب حسن قرار دیا جائے جیسے مستور کی حدیث۔

مخطوط کی بحث میں قاضی شوکانی غیر مقلد کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حسن لغیرہ عند

الجمہور حجت ہے وهو المطلوب۔

۱۔ (شرح نخبۃ الفکر) (ص ۸۷) ۲۔ ایضاً (ص ۹۱) ۳۔ تدریب الراوی (۱/۱۳۳) ۴۔ تحفۃ الاحوذی (۱/۱۹۹)

## ابوالحسناء پر دوسرے اعتراض کا جواب :-

غیر مقلدین کا دوسرا اعتراض کہ ابوالحسناء کا حضرت علی ؓ سے لقاء ثابت نہیں ہے، یہ بھی باطل ہے کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں یہ گزر چکا کہ ابوالحسناء دو ہیں ایک وہ جس سے صرف ایک راوی شریک نخعی روایت کرتے ہیں اور وہ خود حکم سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت علی ؓ کے شاگرد حنن کے شاگرد نہیں اور یہ ابوالحسناء طبقہ سابعہ کے راوی ہیں ۱۔ اس طبقہ کا کسی صحابی ؓ سے بھی لقاء ممکن نہیں ہے۔ اور دوسرے ابوالحسناء جو مذکورہ روایت کے راوی ہیں ان کا حضرت علی ؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ ان کے شاگرد ابوسعید البقال تابعین میں سے ہیں اور صحابی رسول حضرت انس ؓ بن مالک اور کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں اور خود سلیمان اعمش وغیرہ تابعین کے استاذ ہیں ۲۔

اسی طرح ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیس کبار اتباع تابعین میں سے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بھی تابعین میں سے ہوں کیونکہ وہ طبقہ سادسہ میں سے ہیں ۳۔ اس طبقہ کا صحابہ کرام ؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ اس طبقہ والے طبقہ خاصہ والوں کے ہم عصر ہیں جن کی صحابہ کرام ؓ سے لقاء اور سماع دونوں ثابت ہیں۔ اب جس راوی کے شاگرد تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ خود کبار یا اوساط تابعین میں سے یقیناً ہوں گے جن کا حضرت علی ؓ سے لقاء اور سماع دونوں ممکن ہیں اور یہی اتصال سند کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ سند کے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کے درمیان امکان لقاء اور سماع ہی ضروری ہے۔ ثبوت لقاء یا سماع ضروری نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: باقی رہا یہ اعتراض کہ کھول کا سماع محمود سے ثابت نہیں، عدم ثبوت صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ صحت حدیث کیلئے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی ۴۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: اتصال سند کیلئے معاشرت شرط ہے اور معاشرت کا مطلب عندالمدثین یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ممکن ہو ۵۔

۱ تقریب (۲۸۳/۲) ۲ دیکھئے "تہذیب الکمال" (۲۸۹/۷) ۳ تقریب (۷۳۳/۱)

۴ خیر الکلام (ص ۱۶۷) ۵ ابکار السنن (ص ۱۳۵/۱۳۶)

مہانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ اتصال  
نہ لے لیا۔ کان اقامہ ہی کافی ہے جیسا کہ امام مسلم نے کہا ہے ۱۔

ہاں: ابوالحسناء اور حضرت علیؓ کے درمیان ملاقات اور سماع ممکن ہے اور یہی اتصال  
سند اور صحت حدیث کے لئے کافی ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت پر دوسرا اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ  
ابوالحسناء اور حضرت علیؓ کے درمیان لقاء ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے۔  
ہاں فرض مان ہی لیا جائے کہ ابوالحسناء کا حضرت علیؓ سے لقاء نہیں ہے تو بھی اس حدیث کی صحت پر کوئی  
فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ روایت مرسل معتضد ہو جائے گی کیونکہ اس کی تائید سابقہ روایت  
سے ہو رہی ہے اور اس پر صحابہ کرامؓ اور علمائے امت کا عمل بھی ہے اور مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے  
: علی تفصیل روایت نمبر ۱ کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ اگر اس تحقیق کو سامنے رکھا جائے تو غیر  
مقلدین کا پہلا اعتراض بڑی آسانی سے رفع ہو جائے گا کیونکہ جس ابوالحسناء کو مجہول کہا گیا ہے اس کے  
اور حضرت علیؓ کے درمیان کم از کم دو واسطے ہیں اور جو ابوالحسناء مدورہ روایت کے راوی ہیں ان کے  
اور حضرت علیؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو صرف ایک ہی واسطہ ہوگا۔ لہذا غیر  
مقلدین کا ان دونوں کو ایک قرار دیکر ان کے اس روایت پر کیے گئے دونوں اعتراض باطل ہو گئے اور اس  
کا یہ روایت صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

اس روایت کے دیگر راویوں کا تذکرہ اس روایت کے شروع کے حاشیہ میں گزر چکا ہے جو  
سب ثقہ ہیں نیز اس روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کے تربیت یافتہ اور خصوصی  
شاگرد، حذیفہ بن یشک، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن، سوید بن غفلہ، علی بن ربیعہ اور حارث اعور  
وغیرہ بھی ہیں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ان کے آثار عنقریب ذکر کیے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

روایت نمبر ۱۰:۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اخبرنا ابو عبد اللہ ابن فنجویہ الدینوری  
ثنا احمد ابن محمد اسحاق السننی ثنا احمد بن عبد اللہ البزار ثنا سعد ان بن

یزید ثنا الحکم بن مروان السلمی انبا الحسن بن صالح عن ابی سعد البقال  
عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب ؑ امر رجلا ان یصلی بالناس خمس  
ترویحات عشرین رکعة لے۔

ترجمہ: حضرت ابوالثناء سے روایت ہے کہ حضرت علی ؑ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ  
لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح پڑھائے۔

اس روایت کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔  
علامہ ابن الترمذی لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعدا البقال کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ متکلم  
فیہ راوی ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت (جو ابھی گزری ہے) میں (عمر بن قیس) اس کا متابع  
موجود ہے جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اگرچہ بعض ائمہ نے ابوسعدا البقال کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ جمہور ائمہ رجال کے ہاں ثقہ

ہیں۔ چنانچہ

(۱) امام ابوہشام رفاعی فرماتے ہیں: وکان ثقہ، (۲) امام ابو زرعة فرماتے ہیں: صدوق کان لا  
یکذب (۳) ابواسامہ فرماتے ہیں: حدثننا ابو سعد وکان ثقہ کہ ابوسعدا نے ہم سے حدیث بیان  
کی اور وہ ثقہ تھے (۴) امام ساجی فرماتے ہیں: صدوق، (۵) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث

السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۶۹۷) اس روایت کے راویوں کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔ نمبر ۱۔ ابن فتویٰ الدینیوری  
اور احمد بن اسحاق السنی کا تذکرہ روایت نمبر ۷ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ نمبر ۳۔ احمد بن عبداللہ ابو جعفر المزہار۔ امام یوسف  
فواس نے ان کو اپنے ثقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح احمد بن محمد بن فضل الجراح نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے  
تاریخ بغداد (۳/۴۳۹، ۴۵۰) نمبر ۴۔ سعدان بن یزید: یہ امام ابو حاتم اور ابن ابی حاتم وغیرہ بڑے بڑے محدثین کے  
استاد ہیں، امام ابو حاتم اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ: یہ صدوق راوی ہیں۔ حوالہ سابق (۲۰۲/۹) والجرح والتعديل  
(۳/۲۹۰)۔

(۵) حکم بن مروان السلمی الکوفی۔ امام ابو حاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لا بأس بہ، الجرح والتعديل (۳/۱۲۹)  
(۶) حسن بن صالح کا ترجمہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے جبکہ ابوسعدا البقال کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔ الغرض یہ  
روایت صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہے۔ س دیکھئے ”الجوہر المہدی“ (۲/۶۹۷) فی رد علی البیہقی۔

لکھی جاسکتی ہے۔ (۶) امام ابو داؤد فرماتے ہیں: اقرأ الناس کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں۔  
 (۷) امام عقیلیٰ اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ: وثقہ و کعب کہ امام و کعب نے ابوسعید کو ثقہ قرار دیا ہے۔  
 (۸) حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شریک نخعیؒ سے پوچھا کہ آپ ابوسعید البقال کو پہچانتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اعرفہ عالی الاسناد میں ابوسعید کو پہچانتا ہوں۔ وہ اونچی سند والے ہیں (۹) علامہ بیہقی فرماتے ہیں: ہو ثقہ مدلس۔ (۱۰) علامہ منذریؒ لکھتے ہیں: ابو سعید وقد وثق یعنی ابوسعید کی توثیق کی گئی ہے۔ (۱۱) امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں متعدد مقامات پر ابوسعید البقال کی مختلف روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱۲) امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع میں مختلف مقامات پر ان کی احادیث کو حسن کہا ہے۔ (۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباری ۵ میں ابوسعید کی ایک حدیث کو حسن کہا ہے۔ (۱۴) ابوسعید البقال امام بخاری کے ہاں بھی ثقہ ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل الکبیر میں اپنے استاذ امام بخاری سے ابوسعید کے بارے میں مقارب الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ (۱) مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: لفظ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظ تعدیل اور توثیق میں سے ہے۔ خود امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ادب المفرد میں ان سے روایت بھی لی ہے۔ چنانچہ حافظ ابوالحجاج مزنیؒ ابوسعید بقال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: روی له البخاری فی الادب والترمذی وابن ماجہ ۵۔ معلوم ہوا کہ ابوسعید بقال امام بخاری کے نزدیک بھی ثقہ ہیں اور ان سے ابوسعید کے بارے میں جو منکر الحدیث ہونا نقل کیا جاتا ہے۔ وہ غلط ہے۔ کیونکہ جس راوی کو امام بخاری مقارب الحدیث کہہ کر اس کی توثیق کر رہے ہیں اور ان سے روایت بھی بیان کرتے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام بخاری اس کو منکر الحدیث کہہ دیں۔ حالانکہ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ: امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس کے حق میں منکر الحدیث کہہ دوں ۱۔ دیکھئے ”تحدیب الکمال“ (۲۹۰/۷) ”تحدیب الصحاب“ (۷۱/۴) ”مجموع الرواۃ“ (۱۰۸/۲) (۳۳۸/۱) ۲ الترغیب والترہیب (۸۰/۳) ۳ مثلاً تاریخ طبری (۲۹، ۲۸، ۲۵، ۱۱/۱) بحوالہ معارف السنن (۴۱۲/۲) ۴ مثلاً دیکھئے جامع الترمذی (۱۷۵/۲) باب ماجاء فی الدعاء اذا صبح واذا أمسى ۵ (۱۸۶/۶) ۶ نصب الریۃ (۳۶۶/۳) ۷ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۱۹۵) ۸ تحدیب الکمال (۲۹۱/۷)

اس۔ ۱۔ روایت یعنی حلال نہیں ہے۔ ۱۔

لہذا امام بخاری کی طرف اس جرح کی نسبت غلط ہے اور اگر اس جرح کی نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح نیشیق کو ہوتی ہے ۲۔ لہذا اثری صاحب کی تصریح کے مطابق ابوسعید بقال کے بارہ میں امام بخاری کی توثیق ہی راجح ہے۔ (۱۵) ابوسعید بقال امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں کیونکہ انہوں نے اس سے روایت لی ہے ۳۔ اور حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں ابراہیم ابو شیبہ کے تذکرہ میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں۔ (۱۶) امام حاکم نے ابوسعید بقال کو کوفہ کے اُن ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے جن کی احادیث مشرق سے لیکر مغرب تک بطور تبرک جمع کی جاتی ہیں ۴۔

ان ٹھوس حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ ابوسعید بقال (سعد بن مرزبان العنسی الکونی) جمہور کے ہاں ثقہ اور صدوق ہیں۔ رہا ان کا مدلس ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن قیس جو سابقہ روایت کے راوی ہیں اور نہایت ثقہ اور غیر مدلس ہیں، انہوں نے ابوسعید کی متابعت کی ہے۔ اور جب مدلس راوی کی کوئی ثقہ راوی متابعت کر دے تو مدلس کی عن والی روایت قابل قبول ہو جاتی ہے ۵۔ خود غیر مقلدین حضرات مولانا عبدالرحمن مبارکپوری ۶، مولانا محمد گوندلوی صاحب اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ۷۔

لہذا ابوسعید کے مدلس ہونے کی وجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

تلك عشرة كاملة

۱۔ رفع یدین اور آمین (ص ۳۲) ۲۔ ”توضیح الکلام“ (۱/۵۳۳) ۳۔ تہذیب الکمال (۴/۲۸۹) ۴۔ معرفت علوم الحدیث (ص ۳۲۷) ۵۔ دیکھئے شرح نخبۃ الفکر (ص ۹۱) مطبوع فاروقی کتب خانہ ملتان ۶۔ دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۱۹۳) ۷۔ خیر الکلام (ص ۱۶۱)، نور العینین (ص )

چند روایات بطور شواہد:۔ مذکورہ دس روایات دور خلافت راشدہ سے متعلق ہیں تراویح کے اثبات میں بطور اصل اور استدلال کے تھیں۔ اب ان کی تائید اور استشہاد میں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ روایات بطور تائید اور متابعت کے ہیں، اس لیے ان کی اسناد پر تحقیق نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر وارد کسی اعتراض کا جواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ روایات بالفرض ضعیف بھی ہوں تب بھی ان کو سابقہ صحیح روایات کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک مقام پر چند روایات بطور متابعت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان روایات کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔

پہلی روایت بطور شاہد: عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ان عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النہار ولا یُحسِنُونَ ان یقرأوا فلو قرأت علیہم باللیل فقال یا امیر المؤمنین ہذا شیء لم یکن فقال قد علمت ولكنہ حسن فصلی بہم عشرين رکعة ۱۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں لیکن اچھی طرح قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، پس کاش! تم رات کے وقت ان کو (تراویح میں) قرآن سناتے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہ ایک اچھی چیز ہے چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائیں۔

دوسری روایت: عن محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کان الناس یصلون فی زمان عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب فی رمضان عشرين رکعتہ یطیلون فیہا القراء ءویوترون بثلاث ۲۔

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات

۱۔ غیر الکلام (ص ۲۳۳) ۲۔ کنز العمال (۸/۴۰۹) ۳۔ قیام اللیل (ص ۱۵۷)

(تراویح) پڑھا کرتے تھے اور ان میں لمبی قرأت کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

تیسری روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: وروای مالک من طریق یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید عشرين ركعة ۱۔ قاضی محمد شوکانی "غیر مقلد لکھتے ہیں: ووفی المؤطا من طریق یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید انها عشرون ركعة ۲۔ ترجمہ: امام مالک نے مؤطا میں یزید بن خصیفہ کے واسطے سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تراویح (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں) بیس رکعتیں تھیں۔

۳۔ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اس اثر کو مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور سنن کبریٰ للبیہقی میں تلاش کیا مگر ان سب کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا۔ لیکن کہا جاسکتا ہے کہ مؤطا کے نسخے سولہ ہیں۔ متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی الخ ۳۔

چوتھی روایت: عن علی رضی اللہ عنہ انه امر الذی یصلی بالناس صلوة القيام فی شهر

رمضان ان یصلی بهم عشرين ركعة۔ ۴

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، حکم فرمایا کہ وہ

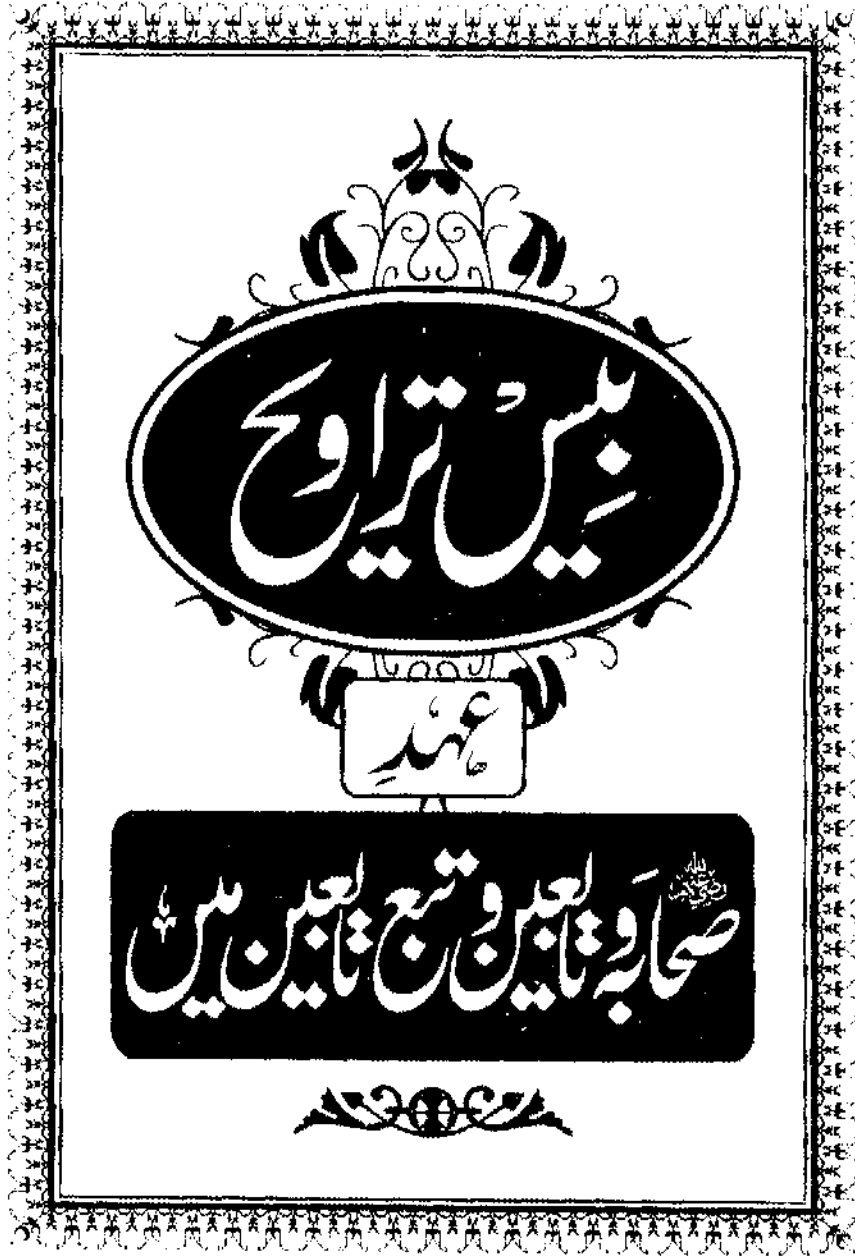
لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے۔



۱ فتح الباری (۳/۱) ۲ نیل الاوطار (۳/۵۳) ۳ تعداد تراویح (ص ۶۱)

۴ مسند یزید بن علی (ص ۱۳۹)







حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد سے متعلق روایات کے بعد اب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین عظام کے کچھ آثار ذکر کئے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار تو بلا شک و حجت شرعیہ ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ان جانثاروں کے راستے پر چلنے کی تلقین اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتين وسبعين ملة وتفرق امتی علیٰ ثلاث وسبعين ملة کلہم فی النار الا ملة واحدة قالوا من ہی یارسول اللہ؟ قال ما انا علیہ واصحابی ۱۔

ترجمہ: بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت بہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سب کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر کار بند رہے۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال کرنا ٹھیکہ اسلام میں داخل ہے ۲۔ مولانا اسماعیل سلفی صاحب تحریر کرتے ہیں: بے شک اہل حدیث قرآن و سنت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے اقوال کو بھی اسلام کے اصول میں سے ایک اصل شمار کرتے ہیں ۳۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے آثار حج و عمرہ کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور پھر ان کے بعد اتباع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ۴۔

۱۔ ترمذی (۸۹/۲) ۲۔ ضمیر اہل حدیث (ص ۳) بحوالہ راہ سنت (ص ۲۸) ۳۔ حرکۃ انطلاق الفکری

(ص ۱۵۳) ۴۔ مستدرک حاکم (۱/۱۱۳)۔

ترجمہ: میں تمہیں اپنے صحابہ کے (نقش قدم پر چلنے کی) وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی تابعین کرام، پھر ان کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی اتباع تابعین۔

امام حاکم اور امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر (صحیح) ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار یکے بعد دیگرے حجت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین عظام اور فقہائے کرام اپنی اپنی کتب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں اور ان سے حجت پکڑتے ہیں۔ مثلاً امام الحدیث حضرت امام بخاری جن کی کتاب صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے معزز اور مہتمم بالشان کتاب شمار ہوتی ہے، میں تابعین اور تبع تابعین کے آثار کو بڑی کثرت کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ مثلاً باب ما یقع من النجاسات من السمن والماء کے تحت متعدد تابعین کے آثار اپنے مدعی کے اسبات میں پیش کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وقال الزہری لا بأس بالحاء مالم یضربہ طعم اور یح اولون، وقال حماد لا بأس بریش المیتة، وقال الزہری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا من سلف العلماء یمتشطون بہا و یدھنون فیہا لا یرون بہ باسا، وقال ابن سیرین، وابرہیم لا بأس بتجارة العاج ل۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں: جس طرح صحیح بخاری قال الحسن البصری سے بھری پڑی ہے اسی طرح وقال ابراہیم التحفی سے بھی بھری پڑی ہے۔

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت اور تاکید فرما گئے ہیں اور تمام محدثین اور فقہاء ان کے آثار کو حجت گردانتے ہیں تو پھر آج کے دور میں کچھ لوگ اگر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ ان تینوں جلیل القدر طبقوں کے آثار کی کچھ وقعت نہیں ہے تو یہ دعویٰ صرف اور صرف ”چھوٹا منہ بڑی بات“ کا ہی مصداق ہے، اب وہ آثار ملاحظہ کریں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کے بیس رکعات پڑھنے کا ذکر ہوگا۔

ارشمبران۔ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں: اخیرنا یحییٰ بن یحییٰ اخیرنا حفص بن  
عماد، عن اعمش عن زید بن وهب قال قال عبد الله بن مسعود صلی لنا فی  
شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة  
ویوتر بثلاث ا۔

ترجمہ: حضرت اعمش، حضرت زید بن وهب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت  
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم کو رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے اور ہم جب فارغ ہو کر واپس  
لوٹتے تھے تو ابھی رات باقی ہوتی تھی حضرت اعمش (جن کے بارے میں امام قاسم بن عبد الرحمن کہتے  
ہیں: هو اعلم الناس بقول عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ کہ اعمش حضرت عبد اللہ بن مسعود  
کے اقوال کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات  
تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں ۳۔ مشہور غیر مقلدنا قد شیخ البانی اس روایت کے بارے

۱۔ امام الیبل (۹۱) عمدة القاری (۲۴۶/۸) ۲ تاریخ بغدادی (۱۱/۹)

۳۔ اس روایت کے سارے راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ پہلے راوی امام محمد بن نصر مروزی قیام الیبل کے مصنف ہیں۔  
حافظ ابن حجران کے بارے میں لکھتے ہیں: الفقیہ ثقہ حافظ امام جبل۔ تقریب (۱۴۰/۲)۔ دوسرے راوی یحییٰ  
بن یحییٰ بن کثیر التمیمی النیسابوری صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجران کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ  
نہایت امام، تقریب (۳۱۸/۲)۔ تیسرے راوی حفص بن غیاث بھی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابن  
معین، امام عیسیٰ، امام ابن نمیر، امام ابو حاتم، امام نسائی اور امام ابن مہدی وغیرہ نے ان کی زبردستی توثیق کی ہے۔ امام یحییٰ  
بن سعید القطان فرماتے ہیں: اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث، کہ اعمش کے شاگردوں میں حفص  
بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ ہیں دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۱۶/۲) اور ان کی یہ روایت بھی اعمش سے ہے۔ چوتھے  
راوی حفص بن غیاث نخعی کے استاذ سلیمان بن مہران بھی بالاتفاق ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام شعبہ، امام عیسیٰ، امام  
وکیع، امام یحییٰ بن معین وغیرہ سب محدثین آپ کی تعریف اور توثیق کرتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب (۲۲۲/۳)، پانچویں راوی  
حضرت زید بن وهب حضرت خلفائے راشدین، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور  
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ تھذیب (۳۲۷/۳)

میں لکھتے ہیں کہ: اس اثر کی سند اعمش تک صحیح ہے ۱۔ البتہ غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ حضرت اعمشؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہیں پایا، ان کی ولادت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ تحریر فرماتے ہیں: زید بن وہب حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے ہیں بلکہ انھوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی حدیث سنی ہے۔ لہذا یہ روایت متصل ہے مگر چونکہ بیس رکعات کا ذکر باقی حصہ سے الگ کر کے یوں کیا گیا ہے کہ: قال الاعمش الخ اس لیے ہم نے اس روایت کو مرسل روایتوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے مگر اس کا مرسل ہونا مضر نہیں۔ اس لیے کہ ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص (شعیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، سوید بن غفلہ وغیر ہم۔ ناقل) کے عمل سے اعمش کے بیان کی زبردست تائید ہوتی ہے اور مرسل اعتقاد کے بعد مقبول ہو جاتا ہے دیکھئے صحیح البخاری میں حدیث آمین کے آخر میں ہے: قال ابن شہاب اکان رسول اللہ ﷺ يقول آمین،، یہ ٹکڑا مرسل ہے۔ مگر ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: وهو وان كان مرسلا فقد اعتضد بصنيع ابى هريرهؓ روايه۔ یعنی یہ ٹکڑا اگرچہ مرسل ہے مگر اس کو راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے عمل سے مضبوطی اور تقویت حاصل ہے ۲۔ لہذا یہاں بھی اگرچہ ابن مسعودؓ کی نسبت اعمش کا بیان مرسل ہے مگر اعمش کے بیان کی پرزور ترویج اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص شعیر بن شکل اور سوید بن غفلہ نیز ان کے اصحاب خاص کے شاگرد ابو البختری بیس رکعت پڑھتے تھے ۳۔

۱۔ حاشیہ صلوٰۃ التراويح (ص ۷۱) ۲۔ حافظ ابن حجر کے اس قول سے غیر مقلدین کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ اعمش کی مرسل روایت اعتقاد کے بعد بھی مقبول نہیں کیونکہ وہ صغارتا بعین میں سے ہیں اور مرسل معتضد صرف کبارتا بعین کی حجت ہے، جملہ انوار المصابیح (ص ۲۸۲) اس شبہ کے ازالہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابن شہاب زہری جو کبارتا بعین میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ طبقہ رابعہ میں سے ہیں (تقریب ۱۳۳/۲) جن کے متعلق مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تا بعین کے طبقہ وسطی کے قریب ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۸۰)۔ اب جب زہری کبارتا بعین میں سے نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر جو شافعی المسلک ہیں، ان کے نزدیک زہری کی مرسل روایت اعتقاد کے بعد مقبول ہے تو پھر اعمش کی مرسل معتضد روایت کیوں مقبول نہیں؟ ۳۔ رکعات تراویح (ص ۶۷)

اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اعمش مدلس ہے اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت بھی اعمش نے عن کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی اعتراض نمبر ۱ نے جواب میں گزرا ہے کہ ہمارا استدلال اس روایت کے اس ٹکڑے سے ہے جو اعمش کا اپنا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات پڑھتے تھے اور جو انہوں نے اپنے استاد زید بن وہب سے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے وہ ہمارا مستدل ہی نہیں ہے لہذا یہ اعتراض ہی فضول ہے۔

نیز علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وكان عامة حديث الاعمش عند حفص بن غياث على الخبير والسماع"۔ یعنی امام اعمش کی اکثر روایات جو حفص بن غیاث نے روایت کی ہیں وہ خبر اور سماع پر محمول ہیں۔ اور یہ مذکورہ روایت بھی اعمش سے حفص بن غیاث نے ہی بیان کی ہے۔

اثر نمبر ۲: امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: حدثنا ابن نمير رحمۃ اللہ علیہ عن عبد الملك رحمۃ اللہ علیہ عن عطاء قال ادرکت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر رحمۃ اللہ علیہ۔ ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام) کو ترسمیت تیس (۲۳) رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے۔

علامہ نیوٹی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے ۵۔

نوٹ: اس اثر کے مرکزی راوی حضرت عطاء بن ابی رباح عظیم فقیہ اور جلیل القدر تابعی ہیں ان کی جن حضرات سے ملاقات ہوئی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام تھے۔ چنانچہ مولا نامبارک پوری صاحب نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عطاء خود فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

۱۔ تاریخ بغداد (۸/۱۹۵) ج عبد اللہ بن نمیر الحمدانی الکونی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ: ثقہ صاحب حدیث من اهل السنة، تقریب (۵۳۲/۱)۔ ج عبد الملک بن ابی سلیمان: صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے مطبق روایات لی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین، امام احمد، امام نسائی، امام عسکری، امام ابن سعد اور امام ترمذی وغیرہ نے انہیں ثقہ اور حافظ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ میں شمار کیا ہے۔ امام ابو زرہ نے ان کے بارے میں ماہرین بہ اور سفیان ثوری نے ثقہ، مقنن اور فقیہ فرمایا ہے۔ دیکھئے

تھذیب التھذیب (۶/۳۹۶، ۳۹۷) ج مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) ۵ آثار السنن (ص ۲۵۳)

زیارت کی ہے۔ آپ کا مرتبہ فقہ میں اتنا بلند تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو جعفر (امام باقر) فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! تم ہمارے پاس مسائل پوچھنے آ جاتے ہو، حالانکہ تم میں عطاء بن ابی رباح موجود ہیں۔ امام ابن حبان اور حافظ ذہبی فرماتے ہیں: عطاء فقہ، علم، تقویٰ، اور فضیلت کے لحاظ سے سب تابعین کے سرور ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں عطاء بن ابی رباح سے بہتر کسی کو نہیں پایا آپ کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔<sup>۲</sup>

اب اس جلیل القدر تابعی نے اپنی پوری زندگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کو صرف بیس رکعت تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

اثر نمبر ۳:- ابو یوسف: قال حدثنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم ان الناس كانوا يصلون خمس ترویحات فی رمضان ۳۔

ترجمہ:- امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے ہم سے حضرت حماد کے واسطے سے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت بیان کی ہے لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام) رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند سلسلۃ الذهب یعنی سونے کی ایک لڑی ہے۔ اس سند کے چاروں راوی مشہور ائمہ کرام اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقہاء اور محدثین ہیں، ان میں آخر الذکر تین تو جلیل القدر تابعین ہیں اور چوتھے کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان حضرات کی توثیق اور تعدیل بیان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کی ثقاہت اور عدالت تو چڑھتے سورج سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر ہے۔ البتہ بطور تبرک ان چاروں ہستیوں کا مشہور ائمہ رجال سے مختصر مختصر تذکرہ اور توثیق ہدیہ ناظرین ہے۔

﴿۱﴾ امام ابو یوسف: امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد اور اسلام کے پہلے قاضی القضاة (چیف جسٹس) تھے۔ امام ابن کمال فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل اور امام علی بن مدینی ان سب کبار ائمہ رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف ثقہ ہیں۔<sup>۴</sup> نیز امام ابن معین آپ کو صاحب

۱۔ تحفۃ الاحوذی ( ) ۲۔ محصلہ تہذیب الکمال (۱۳/۴۹، ۵۰) تہذیب التہذیب (۷/۱۸۲) میزان الاعتدال

(۳/۷۰)، تحفۃ الاحوذی ( ) ۳۔ کتاب الآثار بروایۃ الامام ابی یوسف (ص ۴۱) ۴۔ تاریخ بغداد (۱۳/۲۳۶)



حدیث اور صاحب حدیث کہتے ہیں۔ امام نسائی اور امام بیہقی آپ کو ثقہ کہتے ہیں۔ ۱۔

۱۱۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف حافظ اور کثیر الحدیث تھے۔ ۲۔

امام ابو حاتم، امام ابن ہبان، امام ابن عدی، امام محمد بن صباح اور امام مزنی وغیرہ نے بھی آپ

کی توثیق کی ہے۔ ۳۔

﴿۲﴾ ابن الاثیر، امام ابو حنیفہ۔ آپ کی جلالت شان، علم، فقہت، تقویٰ، اور ثقاہت بیان کرنے میں

تمام ائمہ محدثین و فقہاء اور مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ: تمام لوگ

فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ ۴۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: سبحان اللہ امام ابو حنیفہ تو علم، ورع، زہد و تقویٰ اور دار

الافتخار کا تمام تر منبع ہے۔ میں اس کا تمام لوا حاصل کر چکا ہوں جس کو کوئی نہیں پاسکتا۔ حضرت امام مالکؒ

فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے اس ستون کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ سونے کا ہے

تو وہ یقیناً ایک مضبوط دلیل سے ثابت کر دکھائیں گے۔ ۵۔ مشہور محدث امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

میرے ائمہ نے ابو حنیفہ کی طرح کوئی نہیں دیکھا ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے

امام ابو حنیفہ اور حضرت سفیان ثوری سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا۔ امام بخاری کے استاذ الاستاذ امام

یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ امام الرجال

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ ثہابت عادل اور ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال

ہے؟ اس کی ابن السبارک اور کعب نے توثیق کی ہے۔ ۹۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ابو حنیفہ، امام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل اور کبیر الشان

تھے۔ ۱۰۔ مشہور غیر مقلد محقق نواب صدیق حسن خان بھی آپ کو امام اعظم کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ۱۱۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۳) ۲۔ تاریخ ابن خلکان (۲/۳۰۳) ۳۔ لسان المیران (۶/۳۹۰) ۴۔ تاریخ بغداد (۱۳/۳۳۶)

۵۔ مناقب الامام ابی حنیفہ للذہبی (ص ۲۷) ۶۔ اکمال فی اسماء الرجال (ص ۲۷) ۷۔ مناقب الامام للذہبی

(ص ۱۸) ۹۔ "مناقب للکردی" (ص ۱۰۱) ۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۵۸) ۱۱۔ دیکھئے تفصیر جیو والا جرار (ص ۹۳)

مولانا مبارک پوری صاحب اپنی کتاب تحقیق الکلام اور مولانا صادق سیالکوٹی صاحب صلوة الرسول میں جا بجا امام صاحب کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۱۔ مشہور مورخ اور محقق علامہ ابن الندیم لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی صحابہؓ سے ملاقات کی ہے ۲۔ علامہ خوارزمیؒ لکھتے ہیں کہ: علماء کا اس پر اتفاق ہے امام صاحبؒ نے صحابہ کرامؓ سے روایات نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے ۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ اور حضرت انسؓ سے ملاقات کی ہے ۴۔

علامہ خطیبؒ اور حافظ مزنیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحب کو حضرت انسؓ سے شرف ملاقات حاصل ہے ۵۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت انسؓ سے کئی بار ملاقات کی تھی ۶۔ حافظ عراقیؒ نے بھی آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے ۷۔

ان محققین کے علاوہ دیگر محققین مثلاً علامہ ابن حجر کئی، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن جوزی اور امام سیوطی وغیرہ نے بھی امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک اپنی نظم میں امام صاحب کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كفى نعمان فخر امارواه من الاخبار عن غرر اصحابه  
یعنی امام ابوحنیفہ العمان کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہؓ سے روایات نقل کی ہیں۔ ۸

﴿۳﴾ امام حماد کوٹیؒ: امام حماد بن ابی سلیمان امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوری اور امام اعمش وغیرہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کے استاذ اور مشہور فقیہ اور ثقہ تابعی ہیں آپؒ نے حضرت انسؓ بن مالکؓ جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے، سے سماعت اور روایت حدیث کی ہے۔ تمام ائمہ رجال اور محدثین آپ کی توثیق اور جلالت شان کے معترف ہیں۔ امام ابواسحاق شیبانیؒ اور امام معمرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے

۱۔ مثلاً دیکھئے تحقیق الکلام (۱/۵، ۱۱۰) (۲/۸۲) و صلوة الرسول (ص ۱۲۰، ۱۹۷، ۳۳۳ وغیرہ) ۲۔ فہرست (۱/۲۹۸)

۳۔ تسمیق النظام (ص ۱۰) ۴۔ ایضاً ۵۔ تاریخ بغداد (۱۳/۳۲۵) تہذیب الکمال (۱) ۶۔ تذکرۃ الحفاظ (ص ۱/۱۲۶)

۷۔ دیکھئے التقدیر والایضاح (ص ۳۳۲) ۸۔ مقدمہ عمدة الرعاہ (ص؟)

نہایت بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ: حماد مجھے مغیرہ سے بھی (جو بہت بڑا فقیہ تھا) سے زیادہ محبوب ہیں۔ ناقل (زیادہ محبوب ہیں، امام الرجال یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کہ مغیرہ اور حماد میں کون اہم ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: حماد؛ نیز فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں۔ امام شعبہ آپ کو صدوق اللسان کہتے ہیں!۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ: حماد بن ابی سلیمان بالاتفاق مقبول ہیں ۲۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابجا ان کے آثار کو ذکر فرمایا ہے ۳۔

بقول بعض علماء امام حماد آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اس کے باوجود بھی امام نفعی کی روایتوں میں خطا نہیں کرتے تھے ۴۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی ان کی ایک روایت جو حماد سے عبدالاعلیٰ بن ابی الثمار نے روایت کی ہے، کو صحیح حسن کہا ہے ۵۔ حالانکہ عبدالاعلیٰ بھی ان کے آخری تلامذہ میں سے ہیں معلوم ہوا کہ ان کی ابراہیم نفعی سے تمام روایات صحیح ہیں۔

﴿۴﴾ امام ابراہیم نفعی: مشہور فقیہ، تابعی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت شان اور فقیہی کمالات پر سب کا اتفاق ہے ۶۔

ماذہب: یہی لکھتے ہیں: امام نفعی فقیہ العراق، صاحب اخلاص اور بلند مرتبت علماء میں سے تھے۔ اور وہ حدیث کو جاننے میں صراف اور نقاد تھے ۷۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ابراہیم ذکی (ذہبی)، حافظ اور صاحب سنی تھے ۸۔ امام محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نفعی پچھن میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اصحاب رسول ﷺ حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک سے ناعت حدیث بھی کی تھی ۹۔ امام عجل فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اگرچہ کسی صحابیؓ سے حدیث بیان نہیں کی لیکن صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات ضرور کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی بھی زیارت کی تھی ۱۰۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ: تمام

۱۔ محصلہ تہذیب الکمال (۵/۱۸۸ تا ۱۹۳) ۲۔ انبار السنن (ص ۱۹۹) ۳۔ مثلاً دیکھئے (۱/۳۷) باب ما یقع من ال جاسات من السمن والماء ۴۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/۱۷) ۵۔ سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی (۲/۱۹۸) ۶۔ تہذیب الاسماء واللغات (۳/۳۰۱) ۷۔ تذکرہ الحفاظ (۱/۶۹) ۸۔ سیر اعلام النبلاء (۵/۳۲۷)

محدثین نے خواہ انھوں نے ابراہیم نخعی کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماعت حدیث کا اقرار کیا ہو یا انکار، سب کے سب نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے ۱۔ نیز قاضی محمد شوکانی غیر مقلد اور مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد نے بھی ان کو تابعین میں شمار کیا ہے ۲۔ امام ذہبی نے آپ کو واسع الروایۃ اور امام ابن سعد نے کثیر الحدیث کہا ہے۔ امام عیاضی، امام ابوزرعہ اور امام نسائی وغیرہ محدثین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے ۳۔ ﴿ف﴾ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حسن بصری، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباحؓ یہ چاروں (تابعین) تمام شہروں کے امام ہیں اور جب یہ چاروں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو پھر میں ان کے علاوہ کسی اور (کے قول) کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی پرواہ کرتا ہوں ۴۔ بحمد اللہ تراویح کی بیس رکعات ہونے پر بھی یہ چاروں ائمہ کبار متفق ہیں۔ ابراہیم نخعی اور حضرت عطاء بن ابی رباح کے آثار بھی گزرے ہیں۔ حضرت حسن بصری کی روایت بھی ما قبل بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں گزر چکی ہے۔ سعید بن المسیب کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال ۱۲ھ میں ہوئی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہیں۔

اثر نمبر ۴:۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: حدثنا وکعب ۵ عن نافع بن عمر ۶ قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرين رکعة ۷۔  
ترجمہ:۔ حضرت نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ ہم کو رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے ۸۔

﴿ف﴾ حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ بڑے تابعین میں سے ہیں، یہ عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن ۱۔ سیر اعلام النبلاء، (۵/۳۲۷) ۲۔ نیل الاوطار (۳/۳۲۰، ۳۲۳) تحقیق الراخ (ص ۱۵۵) ۳۔ سیر الاعلام (۵/۳۲۳) ۴۔ تہذیب الکمال (۱/۵۰) ۵۔ حضرت وکعب کا ترجمہ روایت نمبر میں گزر چکا ہے۔ ۶۔ حضرت نافع بن عمر بن عبداللہ الجمعی صحاح ستہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: نقہ ثبت، تقریب (۲/۲۳۸)۔ ۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) ۸۔ آثار السنن (ص ۲۵۳)

عمرؓ، محمد اللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ حضرت  
الولاء اور حضرت عثمان غنیؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور عبداللہ بن سائبؓ  
ؓ مکرومی و طبرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔

امام ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اسی صحابہ کرامؓ کی زیارت ہے  
اور یہ خود حضرت عطاء بن ابی رباحؓ، عبدالعزیز بن ابی رفیعؓ اور عمرو بن دینارؓ وغیرہ جلیل القدر تابعین کے  
استاد ہیں۔ نیز یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور خلافت میں مکہ کے قاضی اور بیت اللہ کے مؤذن تھے  
اور حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کی وفات کے بعد بیت اللہ کے امام مقرر ہوئے۔ تمام ائمہ رجال نے  
ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۷۱ھ میں ہوئی اور ۷۱ھ تک تمام لوگ ان کی اقتداء میں بیس تراویح  
پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۵:- امام بیہقی فرماتے ہیں: اخبرنا ابو زکریا ۲ بن ابی اسحاق، ثنا ابو عبد اللہ ۳ محمد بن یعقوب، ثنا  
محمد بن عبد الوہاب ۴ ثنا جعفر ۵ بن عون، ثنا ابو الخصیب ۶ قال کان یؤمننا سوید بن  
غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویجات عشرین رکعة کے۔

۱۔ ان کے حالات کے لیے دیکھئے محمد یب التمدیب (۳۰۶/۵) ۲ ابو زکریا بن ابی اسحاق مزی علامہ ذہبیؒ ان کو مستند  
نیشاپور لکھتے ہیں، تذکرۃ الحفاظ (۲۳۵/۳)۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ: وہ ادیب، مؤرخ، کثیر العلوم تھے اور نیشاپور میں علم  
حدیث کا درس دیتے تھے، تاریخ بغداد (۲۳۹/۱۳) بحوالہ حسن الکلام (۱۲۸/۱)۔ علامہ ابن العما د لکھتے ہیں: شیخ  
العدالة ببلدہ کان صالحاً زاهداً ورعاً صاحب حدیث کاتبہ، شذرات الذهب (۲۰۲/۳)۔

۳ ابو عبد اللہ نیشاپوری بالاتفاق ثقہ اور مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الامام  
الحافظ الكبير وکان من أئمة هذا شان، تذکرۃ الحفاظ (۵۵/۳) ۴ محمد بن عبد الوہاب بھی ثقہ اور حافظ  
الحدیث ہیں۔ دیکھئے محمد یب الکمال (۱۵/۱۷) وغیرہ ۵ جعفر بن عون الخزرجی: امام ابن معین، امام احمد، امام ابو حاتم، امام  
ابن حبان، امام ابن شاپین، امام ابن قانع وغیرہ آئمہ رجال نے ان کو ثقہ اور صدوق کہا ہے محمد یب (۱۰۱/۲)۔

۶ ابو الخصیب زیاد بن عبد الرحمن القیس: امام ابن حبان نے ان کو ثقہات میں شمار کیا ہے تہذیب (۳۷۹/۳)۔ اور مولانا  
مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق عند الحمدین معتبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ابن حبان کی توثیق  
سے بھی جہالت ختم ہو سکتی ہے۔ تحقیق الکلام (۸۲/۱) بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۹۶/۲)

ترجمہ: حضرت ابوالخضیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بن سوید غفلهؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

علامہ نیویؒ فرماتے ہیں کہ: اس اثر کی سند حسن ہے۔ ۱۔

حرف: حضرت سوید غفلهؒ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکر شرف ملاقات سے محروم رہے جب یہ آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور صحابہ کرام ﷺ آپ کو گد میں اتار چکے تھے اس طرح یہ شرف صحابیت سے محروم رہ گئے۔ بعض محدثین نے ان کو صحابہ ﷺ میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام ﷺ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم سے استفادہ کیا اور ان سے روایت حدیث کی تمام مشہور ائمہ رجال نے ان کی توثیق و تعریف کی ہے ۲۔ ان کی وفات ۸۱ھ میں کوفہ کے شہر میں ہوئی ۳۔ تمام لوگ ۸۱ھ تک حضرت سویدؒ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۶:- امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: ثنا الفضل بن دکن عن سعید بن عبیدہ أن علی بن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمساً و بیعتاً و ثلاثاً ۴۔ ترجمہ: حضرت سعید بن عبیدہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ تابعی لوگوں کو پانچ تردیسات یعنی بیس تراویح اور تین و تر پڑھاتے تھے۔

علامہ نیویؒ اس اثر کی سند کو صحیح کہتے ہیں ۵۔

حرف: حضرت علی بن ربیعہ الاسد الکوفی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ۱۔ آثار السنن (ص ۲۵۳) ۲۔ محصلہ تہذیب التہذیب (۲/۲۷۸)، تذکرۃ الحفاظ (۱/۵۲) ۳۔ تقریب (۱/۴۰۴) ۴۔ فضل بن دکن کوفی ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں نیز یہ امام بخاری کے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں۔ تقریب (۱۱/۲) ۵۔ سعید بن عبیدہ الطائی الکوفی بھی ثقہ اور بخاری و مسلم وغیرہ کے راوی ہیں، تقریب (۱/۳۶۰) ۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) ۷۔ آثار السنن (ص ۲۵۳)

حضرت امہ بن ہند رضی اللہ عنہا وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے تربیت حاصل لی۔ امام ابن حبان، امام ابن سعور، امام عجل، امام ابن نمیر، امام نسائی اور امام ابن معین وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ کوفہ کے بڑے اور قدیم مشائخ میں سے تھے۔

اثر نمبر ۷: امام ابن ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

حدیثا و کعب عن سفیان ۱ عن ابی اسحاق ۲ عن عبداللہ بن قیس ۳ عن شتیر بن شکل انه کان یضلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر ۴۔  
ترجمہ: عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت شتیر بن شکل رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) اور (تین) وتر پڑھتے تھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ: اس اثر میں قوت ہے۔

﴿ف﴾ حضرت شتیر بن شکل صحابی رسول اللہ حضرت شکل بن حمید العنسی الکوفی کے صاحبزادے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد حضرت شکل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حصہ، حضرت ام حبیبہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور یہ کوفہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا اور یہ ثقہ تابعی ہیں، بعض حضرات (امام ابو موسیٰ وغیرہ) نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم شمار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ان کی وفات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی ہے۔

۱ ان کے حالات کیلئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۳۸۹/۳)، محمد یب احمد یب (۳۲۰/۷) وغیرہ ۲ حضرت امام سفیان ثوری بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: محض حافظ، فقیہ، عابد امام مجتہد۔ تقریب (۳۷۱/۱)  
۳ ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان العیسانی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب (۳۸۶/۱)۔ امام ابو حاتم، امام نسائی، امام ابن معین اور امام عجل وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، محمد یب (۱۹۷/۳)۔ یہ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ دیکھئے محمد یب احمد یب (۲۳۵/۳) معنی ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲) ۴ اسنن الکبریٰ (۳۹۶/۲) ۵ دیکھئے محمد یب احمد یب (۱۱۱/۳)

اثر نمبر ۸: امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: حدثنا ابو معاویۃ ۱ عن حجاج ۲ عن ابی اسحاق ۳ عن الحارث انه كان یوم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع ۴۔

ترجمہ: حضرت ابو اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت حارث اعور رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

۱ حارث بن عبد اللہ الصمد انی الاعور حضرت علی المرتضیٰ کے شاگردوں میں سے اور کبار علمائے تابعین میں سے ہیں۔ گو یہ روایت حدیث میں متکلم فیہ ہے۔ علامہ شوکانی ان کے بارے میں امام ابو بکر بن ابی داؤد سے نقل کرتے ہیں: کان افقه الناس وافررض الناس واحسب الناس تعلم الفرائض من علیؑ یعنی یہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے علم الفرائض کے ماہر اور سب سے بڑے حساب جاننے والے تھے، انہوں نے علم الفرائض حضرت علیؑ سے حاصل کیا تھا۔ نیز شوکانی صاحب حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وکان من اوعیة العلم ۵۔ یعنی حارث اعور علم کے جامع تھے۔ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں: حدیث فقہ، تفسیر وغیرہ بہت سے علوم کے اعتبار سے ان کا شمار بڑے علماء میں ہے ۶۔

۱ ابو معاویہ محمد بن حازم ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب (۷۰/۲)۔

۲ حجاج بن ارطاة مختلف فیہ راوی ہیں، نیل الاوطار (۳/۳۲۵)۔ مولانا محمد گوند لوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے، خیر الکلام (ص ۲۳۸)۔ البتہ حجاج مدلس ہیں لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ تدلیس متابعت سے مرتفع ہو جاتی ہے اور چونکہ حارث کی مذکورہ روایت حضرت علیؑ کے دیگر شاگردوں کی روایت سے معتضد ہے۔ لہذا یہاں حجاج کی تدلیس قادح نہیں ہے۔ ۳ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السعفی بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے محمد یب التحدیب (۶۳/۸، ۶۴)، میزان الاعتدال ( ) ۴ صنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵)

۵ نیل الاوطار (۳/۳۲۵) ۶ انوار المصابیح (ص ۲۰۶)



اثر نمبر ۹: امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: حدثنا غندرا عن شعبة عن خلف عن الربيع عن وائس عن علي بن خنيس عن ابي البختري انه كان يصلي خمس ترويعات في رمضان ويوتر بثلاث ۵۔

ترجمہ: حضرت ربیع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالبختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویجے یعنی بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

۶) حضرت سعید بن فیروز ابوالبختریؒ حضرت بن عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت ابو عبد الرحمن سلمیؓ اور حارث عمور وغیرہ (اصحاب حضرت علیؓ) تابعین کے بھی شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ امام ابن معین، امام ابو زرہ، امام ابو حاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔ امام حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں کہ ابوالبختریؒ ہم سب سے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ حلال بن خباب فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے فضلاء میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی ۶۔

۱۔ محمد بن جعفر العزلی المعروف بغندر: یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابو حاتم، امام ابن حبان، امام مستملی اور امام عجل وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ غندر امام شعبہ کی احادیث میں ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور محبوب ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۹/۹۶)۔ اور یہ روایت بھی ان کی امام شعبہ سے ہے۔ امام شعبہ بن حجاج بالا اتفاق ثقہ امام ہیں۔ امام سفیان ثوری ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ حدیث کے فن میں امیر المؤمنین ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے راویوں کی تحقیق کی اور سنت کی حفاظت کی، تقریب (۱/۲۱۸)۔ خلف بن حوشب الکوفی العابد: امام شعبہ کے استاذ اور نہایت ثقہ راوی ہیں، امام سفیان بن عیینہ، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام عجل وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، تھذیب (۳/۱۳۹)۔ اور یہ روایت ان سے امام شعبہ نے روایت کی ہے اور حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں اور وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔ ربیع بن لوط انصاری کوئی حضرت براء بن عازبؓ کی اولاد میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں، تقریب (۱/۲۹۵)۔ ۵ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) ۶ دیکھئے تھذیب التھذیب (۲/۴۲)

اثر نمبر ۱۰: امام ترمذی فرماتے ہیں:

واكثر اهل العلم علي ما روي عن علي عليه السلام وعمر عليه السلام وغيرهما من اصحاب  
النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفیان الثوري وابن المبارك والشافعي  
وقال الشافعي وهكذا ادرکت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة۔

ترجمہ: اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علی عليه السلام، حضرت عمر عليه السلام اور دیگر صحابہ  
کرام عليهم السلام سے مروی ہے اور یہی امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور  
امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

﴿ف﴾ امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام عليهم السلام کی طرح حضرت سفیان ثوری،  
حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی تینوں جلیل القدر ائمہ کرام بھی بیس تراویح کے ہی قائل تھے اور یہ  
تینوں حضرات اتباع تابعین کے سرداروں میں سے ہیں۔ اول الذکر امام سفیان ثوری اپنے زمانہ کے  
بہت بڑے محدث، فقیہ اور زاہد تھے یہ وہ ابواسحاق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ اور حماد بن ابی سلیمان کوفی  
وغیرہ جلیل القدر تابعین کے شاگرد اور امام شعبہ، امام مالک، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمن  
بن مہدی وغیرہ کبار محدثین کے استاذ ہیں۔ ان کی ثقاہت و عدالت اور جلالت شان پر تمام ائمہ محدثین  
کا اتفاق ہے ۲۔ ثانی الذکر امام عبداللہ بن مبارک حدیث، فقہ، شجاعت، زہد و عبادت، ورع اور

نصاحت وغیرہ ہر خصلت میں کامل اور اکمل تھے۔ امام اسماعیل بن عیاش فرماتے ہیں کہ اس روئے زمین  
پر ابن المبارک کے مثل کوئی شخص نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی ایسی اچھی خصلت  
پیدا کی ہو جو اللہ نے ان میں نہ رکھی ہو یہ جلیل القدر امام متعدد تابعین مثلاً امام ابوحنیفہ، حضرت اعمش اور  
یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ کے شاگرد اور امام شعبہ، ابن مہدی اور فضیل بن عیاض وغیرہ محدثین کے استاذ  
ہیں ۳۔ ثالث الذکر امام محمد ادریس شافعی ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام اور دوسری صدی ہجری

۱۔ جامع الترمذی (۱/۱۹۱) ج ۱ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/۱۱۳)

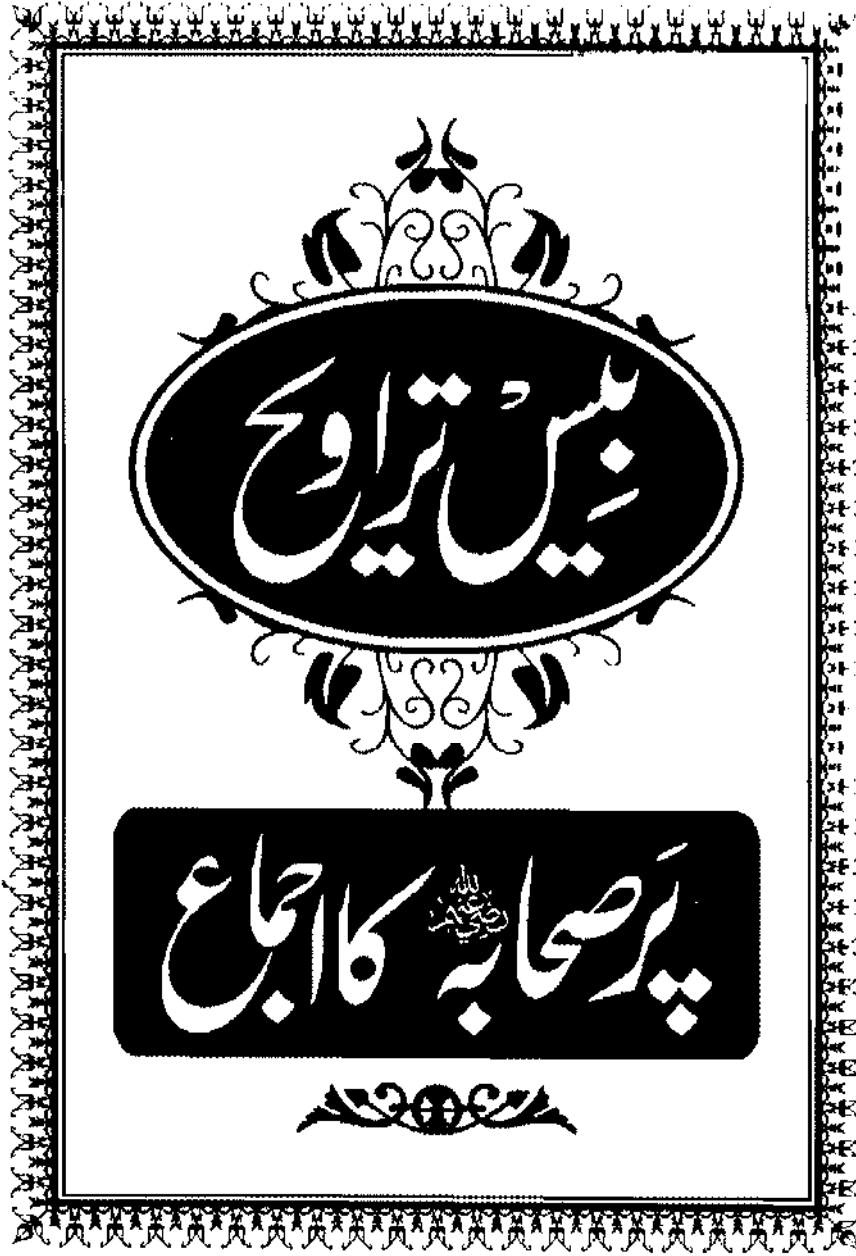
۲۔ ان کے حالات کیلئے دیکھئے تہذیب التہذیب (۵/۳۸۲) وغیرہ

کے مجدد تھے۔ وہ امام مالک، امام محمد (صاحب امام ابی حنیفہ)، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل، امام عبداللہ بن الزبیر المہدی اور ابراہیم بن منذر الحزامی کے استاذ تھے۔ یہ جلیل القدر امام نو بھی ہیں تراویح ہی کو پندرہ آیت اور اس وقت کے ملکہ مرہ کے تمام تابعین اور اتباع تابعین سے بھی ہیں تراویح ہی نقل کرتے ہیں۔

قاری ابن ہارون طقموں نے لکھے گئے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون اور خیر الناس کے القاب سے نوازا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان میں سے کوئی بھی ہستی میں تراویح سے لم کی قائل نہیں تھی اور خیر القرون کا زمانہ ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ گویا ۲۲۰ھ تک تمام لوگ کم از کم ہیں تراویح کے قائل و فاعل تھے۔









## اجماع صحابہ ﷺ حجت ہے:

قرآن و سنت کے بعد اجماع بالخصوص اجماع صحابہ ﷺ ایک مستقل اور ٹھوس دلیل ہے۔ اس کی نیت پر تمام اہل سنت و الجماعت کا اتفاق ہے اور ان میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اجماع صحابہ ﷺ کا نظریہ - پناہ مانے اور انہیں 'قدائی' قرار دے رہتا ہے، ان اہل السنۃ والجماعۃ متفقون

ہے۔ امام اہل سنت و الجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع صحابہ ﷺ حجت ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں: لہذا کان فعل اصحاب رسول اللہ ﷺ جميعاً فعلاً بحجبتہ بالحجۃ کان كذلك اجماعهم علی القول اجماعاً بحجبتہ بالحجۃ ۲۔ جب رسول ﷺ کے تمام صحابہ کرام ﷺ کسی ایک امر پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اسی طرح ان کا کسی قول پر اجماع بھی لازماً حجت ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ خلفائے راشدین ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ﷺ کے ذکر شدہ آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب صحابہ کرام ﷺ میں تراویح پر عمل پیرا رہے اور کسی صحابی ﷺ سے میں رکعات کے علاوہ اور کوئی عدد تراویح منقول نہیں جو کہ میں تراویح پر صحابہ ﷺ کے اجماع ہونے کی دلیل ہے۔ اب علمائے امت میں سے چند کبار اور مسلمہ شخصیات کے حوالے ذکر کئے جاتے ہیں جنہوں نے اس بات کی صاف تصریح کی ہے کہ میں تراویح پر جمیع اصحاب ﷺ رسول ﷺ کا اجماع و اتفاق رہا ہے اور کوئی صحابی بھی اس کے خلاف نہیں گیا۔ چنانچہ

(۱) علامہ ابن حجر مکی شافعی شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں: ولكن اجمعت الصحابة ﷺ علی ان ا لتراویح عشرون رکعة صحابہ کرام ﷺ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تراویح میں رکعات ہیں۔  
(۲) محدث ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: لکان ما فعلتہ عمر ﷺ و اجمع الصحابة ﷺ فی عصرہ اولی بالاتباع ۳۔ جو طریقہ میں تراویح کا حضرت عمر ﷺ نے رائج کیا اور صحابہ کرام ﷺ نے ان کے

فتح الباری (۲/۶۶۶/۱۳) ج شرح سنن ابی داؤد، (۲/۶۶۶/۲) ج (مرآة الباقی (۱۰۲/۳) ج ۱، ص ۱۸) ج (معنی (۸۰۳))

زمانہ میں اس پر اجماع کیا ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۳) شارح بخاری علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: وقد عذوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالأجماع لـ

حضرت عمر رضي الله عنه کے زمانہ میں جو معمول (بیس تراویح کا) جاری ہوا اسے علماء نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔

(۴) مشہور محقق علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی رحمتهما اللہ لکھتے ہیں: وهذا في مظنة الشهرة بحضرة

الصحابة رضي الله عنهم فكان اجماعاً ۲۔ حضرت عمر رضي الله عنه کا صحابہ کرام رضي الله عنهم کی موجودگی میں بیس تراویح کا حکم

دینا عام شہرت کے موقع پر تھا اسلئے یہ بیس تراویح پر اجماع ہوا۔

(۵) علامہ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں: وهو الصحيح عن ابي بن كعب رضي الله عنه من غير

خلاف من الصحابة ۳۔ بیس تراویح ہی حضرت ابی بن کعب رضي الله عنه سے صحیح طور پر ثابت ہے اور کوئی

صحابی اس کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) امام تقی الدین ابوبکر الجہمی فرماتے ہیں: فجمعهم على ابي بن كعب رضي الله عنه وواظب لهم

عشرين ركعة واجمع الصحابة معه على ذلك ۴۔ حضرت عمر رضي الله عنه نے صحابہ کرام رضي الله عنهم کو

حضرت ابی بن کعب رضي الله عنه پر جمع فرمایا اور بیس تراویح ان کیلئے ہمیشہ کیلئے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ

رضي الله عنهم نے حضرت عمر رضي الله عنه کے ساتھ بیس تراویح پر اجماع اور اتفاق کر لیا۔

(۷) فقیہ کبیر علامہ علاء الدین کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ان عمر رضي الله عنه جمع اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

في شهر رمضان على ابي بن كعب رضي الله عنه فصلى بهم كل ليلة عشرين ركعة ولم

ينكر عليه احد فيكون اجماعاً منهم على ذلك ۵۔ حضرت عمر رضي الله عنه نے رسول اللہ صلى الله عليه وسلم

کے صحابہ کرام رضي الله عنهم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعب رضي الله عنه پر جمع کیا تو انہوں نے صحابہ کرام رضي الله عنهم

کو ہر رات بیس تراویح پڑھائیں اور اس پر کسی صحابی رضي الله عنه نے انکار نہیں کیا تو یہ صحابہ کرام رضي الله عنهم کا بیس تراویح

پر اجماع ہو گیا۔

۱۔ ارشاد الساری (۳/۳۲۶) ۲۔ كشف القناع من متن الاقناع (۱/۳۹۲) ۳۔ عمدة القاری (۸/۲۳۶) ۴۔ کتاب

الاخبار (۱/۱۷۲) ۵۔ بدائع الصنائع (۱/۲۸۸)











## تواتر و توارث کی اہمیت:

جس کام کو پوری امت یا امت کی اکثریت مسلسل اور لگاتار انجام دیتی رہے، اس کو تواتر اور توارث کہتے ہیں۔ امت مرحومہ کا کسی عمل پر تواتر اور توارث بھی اجماع کی طرح ایک ٹھوس دلیل اور حجت قاطعہ ہے۔ اس کی وجہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: قرآن کریم میں یہ ارشاد باری ہے: **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ**۔ یعنی جو میری طرف رجوع کرتا ہے میں اس کے راستے کی تابعداری کرو۔

چونکہ امت مسلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتی ہے اس لیے اس کی اتباع بھی واجب ہے ۲۔ اس طرح غیر مقلدین کے عظیم محقق اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاحبزادے نواب میر علی اصغر صاحب لکھتے ہیں کہ: امت مرحومہ خطا سے معصوم ہے۔ جس چیز کو امت صحیح کہے گی اور اس پر عمل پیرا ہوگی تو ضروری ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ چیز صحیح اور حق ہی ہو ۳۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ گذشتہ تین ابواب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خیر القرون یعنی عہد فاروقی (۱۳ھ) سے لیکر تاج تابعین کے دور یعنی تیسری صدی ہجری کے وسط تک تمام امت مسلمہ لم ازلم ہیں تراویح پر ہی عمل پیرا رہی۔ اب ہم نے اس باب میں یہ جائزہ لینا ہے کہ خیر القرون کے بعد کے زمانہ (چوتھی صدی ہجری) سے لے کر تیرھویں صدی کے اخیر (۱۲۸۴ھ) تک یعنی رکعات تراویح میں اختلاف پیدا ہونے سے پہلے پہلے امت مسلمہ کا عمل کیا رہا ہے اور تمام عالم کے مسلمان کتنی رکعات تراویح پڑھتے رہے ہیں؟ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے چوتھی صدی ہجری سے تیرھویں صدی تک کے چیدہ چیدہ اور جید علمائے محدثین و فقہاء کے آراء اس بارہ میں ذکر کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ اس اختلاف سے پہلے تمام عالم اسلام کا مجموعی عمل میں تراویح پر ہی رہا ہے چنانچہ۔

(۱) چوتھی اور پانچویں صدی کے عظیم محقق، محدث اور فقیہ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (۳۶۸ھ/۳۶۳ھ)

۱ (سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۵) ۲ معارج الوصول (ص ۱۳) ۳ حاشیہ دلیل الطالب (۸۸۲) بحوالہ عمدۃ الاثبات

(۴۳) از مولانا سرفراز صغندر صاحب دامت برکاتہم

فرماتے ہیں: وقد استقر العمل على هذا۔

بے شک امت مسلمہ کا عمل بیس تراویح پر ہی مستقر اور ہمیشہ ہمیشہ ہو گیا۔

(۲) ساتویں صدی کے مشہور محدث اور فقیہ، شارح مسلم امام یحییٰ بن شرف نووی (وا ۶۳۱ھ - ف ۶۷۶ھ)

اپنی کتاب خلاصہ میں فرماتے ہیں: ثم استقر الامر على العشرين فانه هو المتوارث۔ ۲

پھر بیس تراویح پر ہی معاملہ مستقر اور پختہ ہو گیا پس یہی امت کا متوارث اور مسلسل عمل ہے۔

(۳) آٹھویں اور نویں صدی کے شیخ الاسلام، حافظ الدین شیخ ابن حجر عسقلانی (۳۷۷ھ - ف ۸۵۲ھ)

فرماتے ہیں: ولعلهم في وقت اجازوا تطويل القيام على عدد الركعات فجعلوها

عشرين ركعة وقد استقر العمل على هذا ۳۔ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام کی طوالت کو

مختصر کر کے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کر دیں اور پھر بیس پر ہی معاملہ ہمیشہ کیلئے محکم و استوار ہو گیا۔

(۴) دسویں صدی کے مشہور صوفی بزرگ، قطب العارفین، کثیر التصانیف علامہ عبد الوہاب شعرائی

(و ۸۸۹ھ - ف ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں: وقد استقر العمل على ذلك في الامصار ۴۔

اور اہل اسلام کا تمام شہروں میں بیس رکعات پر ہی ہمیشہ کیلئے عمل قرار پایا۔

(۵) دسویں صدی کے ہی عظیم فقیہ علامہ زین العابدین بن نجیم مصری (ف ۹۷۰ھ)

رقطراز ہیں: وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً ۵۔ اور بیس رکعات تراویح پر ہی مشرق و مغرب

کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔

(۶) برصغیر کے بہت بڑے عالم اور گیارہویں صدی کے مشہور محدث شیخ عبد الحق محدث دہلوی

(ف ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں: والذي استقر عليه الامر واشتهر من الصحابة والتابعين

ومن بعدهم هو العشرون ۶۔ جس قول پر عمل ہمیشہ کیلئے رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام

اور ان کے بعد آنے والے لوگوں میں جو بات مشہور ہو چکی ہے وہ بیس رکعات تراویح ہی ہے۔

(۷) بارہویں صدی کے مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ الشیخ الدرریر المالکی (ف ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں: لكن

۱۔ هدایة السائل للنواب صدیق حسن (ص ۱۳۸) ۲۔ فتح القدير (۱/۳۳۴) ۳۔ المصاحح (ص ۱۶) ۴۔ کشفة

الغمة (۱/۱۳۷) ۵۔ البحر الرائق (۲/۶۶) ۶۔ ما ثبت بالمتن مترجم (ص ۳۶۴)

الذی جزی علیہ العمل سلفاً وخلفاً هو الاول۔ -

لیکن جس عدد تراویح پر سلف اور خلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا وہ پہلا (یعنی بیس رکعات کا) قول ہے۔  
(۸) خاتم المحققین، تیرھویں صدی کے عظیم فقیہ اور مصنف علامہ ابن عابدین شامی (ف ۱۲۵۲ھ)  
تحریر فرماتے ہیں: وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً ۲۔ بیس رکعات تراویح پر تمام مشرق اور  
مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

(۹) غیر مقلدین کے عظیم عالم اور ان کے شیخ الکل کے شاگرد مولانا میاں غلام رسول صاحب بھی اس  
حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کر ہوئے رقمطراز ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم  
جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب  
میں تیس (۲۰ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے ہیں ۳۔

(۱۰) ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جب انگریزی دور حکومت میں سب سے پہلے کسی غیر مقلد مولوی  
سادب نے ہندوستان کے شہر اکبر آباد میں یہ فتویٰ دیا کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں تو اسی سال مطبع لطافت  
آکرہ سے ایک رسالہ بنام استفتاء التراویح طبع ہوا جس میں اس علاقے کے تقریباً اٹھارہ علمائے کرام کے  
پر زور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتوے سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فیض احمد صاحب  
”اسی رسالہ میں تحریر کرتے ہیں: اور اسی طرح بہت سی کتابوں فقہ میں بیس رکعات تراویح سنت ہونے کا حکم  
صریحاً مذکور ہے اور اجماع اہل الاسلام شرقاً وغرباً اور حرمین شریفین زادھما اللہ شرقاً جاری و رائج ہیں۔ کسی  
شخص نے اہل اسلام سے اس امر میں آج تک خلاف نہیں کیا اور مخالف اس کا مبتدع ہے ۴۔

تلك عشرة كاملة



۱ شرح کبیر مع رافیۃ الدسوقی (۳۱۵/۱) ۲ رد المحتار (۲۵/۲) ۳ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینایح (ص ۲۸) ۴ رسالہ

استفتاء التراویح (ص ۲۲، ۲۳) بحوالہ ترجمہ ینایح (ص ۹)

قارئین کرام: درج بالا بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ خیر القرون سے لے کر غیر مقلدین کے آٹھ تراویح کے فتوے ۱۲۸۴ھ تک تمام امت مسلمہ کا بیس تراویح پر ہی تعامل اور توارث رہا اور تیرہ سو سال میں کوئی بھی مسلمان بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں تھا۔ البتہ شروع میں کچھ حضرات بیس تراویح سے زائد رکعات بھی بطور نوافل کے پڑھتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں تھا اور بیس سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہی اس پر بھی عمل کچھ عرصہ ہی رہا اور پھر پوری امت مسلمہ کا بیس رکعات پر ہی نسل بعد نسل عمل رہا، جیسا کہ درج بالا علمائے محدثین و فقہاء کے بیانات سے واضح ہے اور آج بھی بجز اللہ پورے عالم اسلام (سوائے شرمذہ قلیلہ کے) اور اسلام کے دونوں مرکزوں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں۔

اعتراض: غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اجماع ہو گیا اور اس کے بعد سے پوری امت کا بیس تراویح پر ہی عمل قرار پایا، یہ دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ تراویح کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بیس کے علاوہ تقریباً اس اختلافی اقوال رکعات تراویح کی بابت ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں: علماء کا قیام رمضان کے مستحب عدد میں بہت سے اقوال پر اختلاف ہے بعض اکتالیس رکعات کے قائل ہیں، بعض نچاس، بعض اڑتیس، بعض چھتیس، بعض چونتیس، بعض اٹھائیس، بعض چوبیس، بعض تیس، بعض سولہ، بعض تیرہ اور بعض گیارہ رکعات کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا اور ابو بکر بن العربی کا بھی یہی موقف ہے۔ اسی طرح امام سیوطی نے بھی اپنے اصحاب میں سے جوڑی کے حوالہ سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کیا ہے۔ بعض علماء مثلاً امام احمد اور امام تیمیہ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں۔ لہذا بیس رکعات پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ ۲

۱۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۳۶)، صلوٰۃ التراویح (ص ۱۳) شائع کردہ اصحاب اہل حدیث انک شہر، تعداد تراویح (ص ۳۵)،

۲۔ بحوالہ عمدۃ القاری ۲۔ تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۳۶) شائع کردہ جماعت اہل حدیث حضور ضلع

انک، انارۃ المصاحح (ص ۱۸) وغیرہ۔



جواب :- غیر مقلدین کا یہ اعتراض بالکل مردود اور باطل ہے۔

اولاً۔ ہم نے ما قبل سطور میں تیرہ سو سال کے بڑے بڑے علمائے محدثین اور فقہاء (جن کی عدالت، ثقاہت اور مجالت شان خود غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے) کے حوالے پیش کیے ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع رہا ہے اور پوری امت مسلمہ بھی بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی اور غیر مقلدین کے خود اپنے اکابر میں سے نواب صدیق حسن خان اور مولانا میاں غلام رسول صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے (جیسا کہ ان کے حوالے گزر چکے ہیں) اور علامہ عینیؒ جن کے ذکر کردہ اختلافی اقوال کی بناء پر غیر مقلدین نے یہ اعتراض کیا ہے، وہ خود بھی اس اجماع کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیا ان سب ثقہ شخصیات کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے: اس کے بالمقابل ہمارا غیر مقلدین کو چیلنج ہے کہ وہ ہندوستان میں انگریز محسوس کے آنے سے پہلے تیرہ سو سال کے محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک ثقہ شخصیت کا حوالہ پیش کر دیں جس نے یہ کہا ہو کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت کا عمل بیس رکعات پر قرار پایا۔ اگر یہ حوالہ غیر مقلدین پیش کر دیں تو ہم بھی اپنا دعویٰ اجماع واپس لے لیں گے دیدہ باید۔ لیکن

نہ تلوار اٹھے گی نہ خنجر ان کے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں  
 ثانیاً :- غیر مقلدین کا یہ اعتراض دو مشقوں پر مشتمل ہے۔ (۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد عمر رضی اللہ عنہم میں بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔ (۲) صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت کا مجموعی عمل بیس تراویح پر قرار نہیں پایا۔ لیکن اس اعتراض کے لئے دلیل یہ پیش کی کہ علامہ عینیؒ نے بیس تراویح کے علاوہ بہت سے اختلافی اقوال ذکر کئے ہیں حالانکہ علامہ عینیؒ نے جتنے بھی اقوال ذکر کئے ہیں، وہ ان لوگوں کے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے ہیں اور خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے چنانچہ مولانا ندیر احمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں: عینیؒ نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں اکثر تو بے شک وہی ہیں جو عہد فاروقی کے بعد کے ہیں۔ (۲)

۱۔ دیکھئے البتانیہ شرح ہدایہ (۱/۱۶۷) ۲۔ انوار المصاحح (ص ۳۵۶) (۲)۔ البتہ رحمانی صاحب نے اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ بعض آثار ایسے بھی ہیں جن کو علامہ عینیؒ نے ذکر نہیں کیا بلکہ وہ آثار مولانا مبارک پوریؒ صاحب نے ذکر کئے ہیں۔

= ان آثار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس تراویح پر اجماع ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ وہ آثار یہ ہیں۔  
 (۱) حضرت معاذ بن الحارث ابو حلیمہ رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں، یہ اکتالیس رکعتیں لوگوں کو پڑھاتے تھے، قیام الیل (ص ۹۱)۔  
 حضرت ابو حلیمہ رضی اللہ عنہ تراویح کے امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تراویح کا امام مقرر کیا تھا، اصابہ (۲/۲۲۸)۔

(۲) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا۔ وہ لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ قیام الیل (ص ۹۲) یہ روایات منقطع ہیں لیکن منقطع روایت عند الاحناف حجت ہے۔  
 (۳) اسود بن یزید نخعی تابعی چالیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ اور اسود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بے شک پایا ہے اور ان کے عمل کے بارے میں روایت میں کسی زمانہ کی کوئی خصوصیت اور قید مذکور نہیں ہے تو حنفیہ کے اصول (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے) کے مطابق جب کسی معتبر دلیل سے کسی زمانہ کی تخصیص ثابت نہ ہو جائے، یہ اطلاق اپنے عموم پر باقی رہتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو بھی شامل ہوگا۔

(۴) حضرت نافع جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ اور حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے۔ نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا لیکن جن صحابہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضرت نافع نے چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے ان میں یہ صحابہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں تو ان میں کسی نے ان کو نہیں بتایا کہ ہم عہد فاروقی میں بیس پڑھتے تھے اور اس کے گزر جانے کے بعد چھتیس پڑنے لگے۔

(۵) وہب بن کیسان جو بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ آج تک اسی پر عمل جاری ہے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ وہب کے کلام سے ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ صرف اپنے زمانے کا حال نہیں بتلایا بلکہ بہت پہلے کا سلسلہ بتا رہا ہے جس سے عہد فاروقی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ یہ عہد اگرچہ انہوں نے نہیں پایا لیکن حنفیہ کے نزدیک تابعی کی منقطع روایت حجت ہے۔ لہذا بیس پر اجماع اور اسی پر عمل کے ٹھہراؤ کے دعوے باطل ہیں۔ مصلح انوار المصالح (ص ۳۵۷-۳۶۸)۔

جواب: رحمانی صاحب اور دیگر غیر مقلدین جنہوں نے اپنی کتابوں کے بیسیوں صفحات صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے سیاہ کر دیئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ رکعات سے زیادہ (بیس، چھتیس وغیرہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے اور اب صرف احناف دشمنی اور پوری امت کے بالمقابل اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد چکانے کے شوق میں اپنے سابقہ موقف کو یکشت یہ کہہ کر رد کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات سے زیادہ چھتیس رکعات وغیرہ پڑھنا بھی =

= ثابت ہے۔ اب اگر حضرت عمرؓ کے دور میں بیس سے زائد کا پڑھا جانا غیر مقلدین نے تسلیم کر لیا تو عہد فاروقی میں بیس رکعات کا پڑھے جانا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا حالانکہ اسی بات کو وہ پہلے بڑے شد و مد کے ساتھ رد کر چکے ہیں۔

پنچاچھ مولانا نذیر رحمانی ایک مقام پر لکھتے ہیں: پس اس فرمان فاروقی (گیارہ رکعات) کے ہوتے ہوئے اولاً تو ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس پڑھے ہو کیونکہ اس (گیارہ رکعات) کے مقابلہ میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں۔ انوار المسابیح (ص ۲۲۸) تقریباً یہی بات مولانا مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) میں، اور دیگر غیر مقلدین نے اپنی اپنی کتب میں درج کی ہے۔ اب ہم غیر مقلدین کو انصاف اور دیانت کا واسطہ دے کر (بشرطیکہ ان میں انصاف اور دیانت کی کوئی شکی ہے) پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کے عہد میں گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا پڑھنا ثابت نہیں تو اب آپ نے یہ کیسے تسلیم کر لیا ہے کہ عہد عمرؓ میں بیس سے زائد رکعات بھی پڑھی جاتی رہیں!

ع دانتے حسن لوانہ الہیے السحنے بہہجے وہان

جواب ثانی: مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے ہی آثار زمرے ہیں ان سے حضرت عمرؓ کے عہد میں چھتیس رکعات کا پڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔ پنچاچھ انھوں نے پانچ اثر حضرت معاذ بن الحارث ابو حلیمہؓ کا ذکر کیا ہے کہ یہ صحابی اکتالیس رکعات لوگوں پڑھاتے تھے۔ لیکن:

(۱) اولاً تو حضرت ابو حلیمہ کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، اگر ابن عبد البر وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے تو امام ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تہذیب السنن (۱۰/۱۸۸)

اور خود غیر مقلدین کے مشہور محقق علامہ شمس الحق عظیم آبادی بھی ان کی صحابیت کو مختلف فیہ قرار دیتے ہیں پنچاچھ لکھتے ہیں معاذ بن الحارث القاری، وهو مختلف فی صحبہ، التعلیق المغنی (ج ۲ ص ۴۰)

(۲) ثانیاً۔ اس اثر سے (بشرط صحت) ان کا عہد عمرؓ میں اکتالیس رکعات کا پڑھنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ روایت میں عہد عمرؓ کی کوئی تصریح نہیں اور حضرت ابو حلیمہ کا عہد فاروقی کے بعد بھی تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ دیکھئے قیام لیل (ص ۹۰) بحوالہ معارف السنن (۵/۵۵۵)۔

جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ وہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہی اکتالیس رکعات پڑھاتے تھے اس وقت تک اس اثر کو عہد عمرؓ سے متعلق قرار دینا نری زبردستی ہے۔ نیز اس اثر کو روایت کرنے والے ابن سیرینؒ ہیں اور انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اب اگر انھوں نے یہ واقعہ عہد عمرؓ کا بیان کیا ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور اگر انہوں نے =

= حضرت عمرؓ کے عہد کے بعد اپنی زندگی کا واقع بیان کیا ہے تو یہ روایت مسند اور متصل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ روایت مسند ہے اور ابن سیرین نے یہ واقعہ اپنی زندگی کا بیان کیا ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کے دو بڑے اکابر مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب اور مولانا محمد گوندلوی (خیر سے یہ دونوں مولاناذیر رحمانی صاحب کے استاذ ہیں) نے تصریح کی ہے: جب حدیث کے مسند (متصل) اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو روایت مسند ہی ہوگی۔ ابکار المؤمن (ص ۱۲۶)، خیر الکلام (ص ۲۲۹) بحوالہ احسن الکلام ( )۔ پس جب یہ روایت بقاعدہ غیر مقلدین مسند اور متصل ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت کو مرسل اور منقطع قرار دے کر (حالانکہ مرسل اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے) اس کو عہد فاروقی سے متعلق قرار دینا محض جی بہلانے والی بات ہے۔

(۲) دوسرا اثر رحمانی صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا تو وہ لوگوں کو چھتیس رکعاتیں پڑھاتے تھے۔ یہ اثر اول تو منقطع ہے جو غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔ ثانیاً جواب اول میں گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک عہد عمرؓ سے متعلق گیارہ رکعات کے علاوہ جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ان روایات کا صحیح ہونا ثابت کریں۔ پھر انہیں معرض استدلال میں پیش کریں۔ دیدہ باید۔

(۳) تیسرا اثر اسود بن یزید نخعی کا ہے کہ وہ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے حضرت اسود نے حضرت عمرؓ کا زمانہ بے شک پایا ہے لیکن روایت میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ یہ چالیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس وقت یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چالیس رکعتیں پڑھتے تھے، بلا دلیل ہے جو قابل مسموع نہیں۔ بلکہ سب صحابہؓ کا حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات پر مجتمع ہونا اور کسی صحابیؓ کا اس کے مخالف نہ ہونا اور پھر تمام بڑے بڑے محدثین کا یہ بات تسلیم کرنا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سب صحابہؓ کا بیس تراویح پر اجماع رہا ہے یہ زبردست اور معتبر دلیل ہے کہ اسود بن یزید نخعی عہد عمرؓ میں چالیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عہد عمرؓ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی ان کے اس عمل سے صحابہ کرامؓ کے اس اجماعی عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ایک تابعی کا عمل کسی بھی صحابیؓ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ یہ عمل تمام صحابہؓ کے عمل کے خلاف ہو۔

(۴) چوتھا اثر حضرت نافع کا ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ حضرت نافع کی پیدائش حضرت عمرؓ کی شہادت کے کئی برس بعد ہوئی۔ اب حضرت نافع نے نہ اپنا عمل ذکر کیا اور نہ صحابہ کرامؓ کا عمل نقل کیا ہے بلکہ =

ایں ہواگ مہد فاروقی کے بعد کے ہیں ان کا عمل اور اختلاف عہد فاروقی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اثرات پر لینا اثر انداز ہو سکتا ہے؟

حالنا۔ امام بیہقی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں کے جو آثار ذکر کئے ہیں ان میں بھی سوائے تین انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے مدینہ والوں کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ اتنی ہی بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیس تراویح کے اجماع کو صرف اس لئے رد کر دینا کہ حضرت نافع جو فلاں فلاں صحابی کے شاگرد ہیں، نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے، یہ محض غیر مقلدانہ ضد اور عناد ہے۔ مشہور محدث امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكن ما فعله عمر رضی اللہ عنہ و اجمع عليه الصحابة رضی اللہ عنہم اولی بالاتباع۔ المغنی (۱/۸۰۳) اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ تمام اہل مدینہ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی جو طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا رائج کیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے عہد میں اس پر اجماع کر لیا وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۵) پانچواں اثر مولانا رحمائی نے وہب بن کیسان کا نقل کیا ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس رکعات اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آ رہے ہیں لیکن مولانا رحمائی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ اب اگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو ان کا یہ اثر مرسل اور منقطع ہے اور اگر انہوں نے اپنے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو اس صورت میں یہ اثر مسند اور متصل ہے اور اثر کا مسند اور متصل ہونا ہی راجح ہے لیونکہ حضرت ابو حلیمہ رضی اللہ عنہ کے اثر میں غیر مقلدین کے حوالے سے نزر چکا ہے کہ جب روایت کے مرسل اور مسند ہونے کا اختلاف ہو تو وہ روایت مسند ہی ہوگی۔ لہذا یہ روایت مسند ہی ہے اور حضرت وہب نے اپنے زمانے کے لوگوں کا حال بیان کیا ہے اور ان کے زمانے کے لوگوں کا عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی عمل پر ذرہ بھر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ نیز وہب بن کیسان کو حافظ ابن حجر نے طبقہ راجعہ کا راوی بتلایا ہے، تقریب (۲/۲۹۳)۔ اور طبقہ راجعہ کے متعلق خود رحمائی صاحب لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ واطلی کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں۔ انوار المصانح (ص ۲۸۰)۔ پس رحمائی صاحب کی تصریح کے مطابق وہب کی اکثر روایات کبار تابعین سے مروی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہیں۔ پھر رحمائی صاحب کا خود اپنے ہی طے شدہ اصول کی روشنی میں یہ کہنا باطل ہو گیا کہ وہب نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ اور وہ ان کے محبت یافتہ اور شاگرد ہیں۔ لہذا جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہ

شاگرد یافتہ ہیں ان کو انہوں نے چھتیس رکعات پڑھنے پایا ہے۔ انوار المصانح (ص ۳۶۸)۔ کیونکہ جب بقول رحمائی صاحب وہب کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہی نہیں تو پھر وہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد کیسے ہوئے اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھتیس رکعات کیسے پڑھتے پایا ہے؟ الغرض مولانا ذریعہ رحمائی صاحب نے جتنے بھی آثار اس دعویٰ کو ثابت =

اقوال کے سب بیس رکعت سے زائد کے اقوال ہیں: ان اقوال سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیس تراویح پر اجماع ہو جانے کے دعویٰ پر تو قدح ممکن ہی نہیں، اسی طرح ان سے ہمارے دوسرے دعویٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام بلاد اسلامیہ میں بھی بیس رکعات پر عمل قرار پایا، پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیس رکعات سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہیں وہ ہمارے دعویٰ اور موقف کے خلاف نہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو اسلاف بیس تراویح سے زائد رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے نزدیک بھی اصل اور مسنون تراویح بیس رکعات ہی تھیں اور باقی رکعتیں بطور نوافل کے تھیں۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد علامہ عینی کے ذکر کردہ ان اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف (علامہ عینی) کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً اس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں!۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بیس تراویح سے زائد تراویح کے قائل ہیں وہ بھی بیس تراویح کے مسنون ہونے کو رد نہیں کرتے بلکہ وہ اس اجماعی عمل (بیس تراویح) کو تسلیم کرتے ہوئے مع الزائد رکعات کے قائل ہیں کیونکہ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ تراویح کی کم از کم مقدار تو بیس رکعات مقرر ہے لیکن زائد کی کوئی حد مقرر نہیں، اس میں جتنی بھی رکعات کا اضافہ کیا جائے، کار ثواب ہے۔ مثلاً امام مالک اور ان کے تبعین چھتیس رکعات کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں اور سولہ رکعات زائد بطور نوافل بڑھادی گئی ہیں۔ چنانچہ امام علامہ قسطلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں: وقد قال

---

= کرنے کیلئے ذکر کیے ہیں کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع نہیں ہوا، ان میں سے ایک اثر سے بھی یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اور رحمانی صاحب کی اس سلسلہ میں سب کوششیں اور منطقی مویشگافیاں بے کار اور لا حاصل ہیں۔ انہوں نے فتاویٰ قاضی خان وغیرہ سے جو چند آثار نقل کئے ہیں کہ عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں چھتیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ سب آثار بھی بلا سند ہیں اور مشہور غیر مقلد اور رحمانی صاحب کے ہم استاد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ:

بلا سندات مقبول نہیں۔ توضیح الکلام (۱/۱۱۷)۔ تعداد تراویح (ص ۱۳۷)

المالکۃ کانت ثلثا وعشرین رکعة نم جعلت تسعاً وثلاثین ۱۔  
 مالکؒ کہتے ہیں کہ تراویح وتر سمیت تیس رکعات ہی تھیں پھر سولہ رکعات (بطور نوافل بڑھا کر) انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور ۳ وتر) قرار دی گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر ترویجہ (چار رکعت) کے بعد بجائے آرام کرنے کے کعبہ اللہ کا طواف کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کیا جاسکے اور چونکہ مکہ کے علاوہ دیگر جگہوں میں طواف کی سہولت میسر نہیں، اس لیے بیت اللہ سے دور رہنے والے لوگ اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے ہر ترویجہ کے بعد طواف کی جگہ نوافل پڑھنے لگے ان حضرات کے نوافل کی تعداد مختلف تھی چنانچہ جو لوگ ہر ترویجہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے تھے، ان کی تراویح کی مجموعی تعداد ان زوائد نوافل سمیت بغیر وتر کے چھتیس اور وتر سمیت انتالیس ہو جاتی تھی۔  
 جیسا کہ امام مالک اور اہل مدینہ کا معمول تھا اور کچھ لوگ انتالیس رکعتوں کے علاوہ دو رکعتیں وتر کے بعد پڑھتے تھے تو ان کی رکعات کی مجموعی تعداد انتالیس ہو جاتی تھی جیسا کہ حضرت معاذ بن حارث ابو حلیمہ وغیرہ کا معمول تھا۔ اور جو حضرات صرف ایک ترویجہ (چار رکعت) کا اضافہ کرتے تھے ان کی تعداد چوبیس رکعات اور جو دو وتر ویکوں کا اضافہ کرتے تھے ان کی رکعات کی تعداد اٹھائیس ہوتی جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر وغیرہ کے بارے میں منقول ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بالمقابل جو حضرات (ائمہ ثلاثہ وغیرہم) صرف بیس رکعات کے قائل تھے وہ بھی بیس سے زائد رکعات پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیس رکعات سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعات جماعت سے پڑھے اور باقی سولہ (یا کم و بیش) رکعات تنہا تہا پڑھی جائیں ۲۔

اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں:- رأیت الناس یقومون بالمدينة تسعاً وثلاثین رکعة واحب الی عشرون قال وکذالك یقومون بمکة۔ قال ولیس فی شیء من ہذہ

۱۔ ارشاد الساری شرح البخاری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۰) از مولانا عظیمی

۲۔ مبسوط للسرخسیؒ (۱۳۳/۲) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۳۶)

ضيق ولاحد ينتهي اليه لانه نافله، فان اطالوا القيام واقفلوا السجود فحسن وهو  
 احب الي، وان اكثروا الركوع والسجود فحسن لـ -  
 میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں اتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور  
 میرے نزدیک پسندیدہ بیس رکعات پڑھنا ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات ہی پڑھتے ہیں لیکن  
 ان (بیس اور چھتیس رکعات میں سے کسی میں کوئی تنگی نہیں اور نہ اس میں کوئی آخری حد ہے کہ وہاں پہنچ کر  
 رک جانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ نقلی نماز ہے۔ لہذا لوگ اگر قیام لمبا کریں اور سجدوں کی تعداد کم کریں  
 یعنی بیس رکعات ہی پڑھیں تو وہ اچھا ہے اور یہی مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر رکوع و سجود زیادہ کریں (اور  
 چھتیس رکعات پڑھیں) تو وہ بھی اچھا ہے۔

اسی طرح تیسرے امام، امام احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے کہ تراویح کم از کم بیس رکعات ہی ہیں اور  
 زیادہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی حنبلی علماء سے نقل کرتے ہوئے فرماتے  
 ہیں: التراویح عشرون رکعة ولا بأس بالزيادة نصاعن الامام احمد ۲۔  
 تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور بیس سے زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔  
 امام احمد سے اس کی تصریح منقول ہے۔







سے زائد رکعتیں کسی دوسرے حافظ کے پیچھے پڑھ لیتے ہوں یا اپنے گھر میں اکیلے ہی پڑھ لیتے ہوں کیوں کہ آج بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک حافظ بعض رکعتوں میں اپنی مقررہ مقدار تلاوت سنا کر باقی کسی دوسرے حافظ کے پیچھے مکمل کر لیتا ہے۔ لہذا اس اثر سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت ابو مجلزؓ صرف سولہ رکعتیں ہی پڑھتے تھے بالکل غلط ہے۔

دوسرے دو قول (گیارہ اور تیرہ رکعات کے) علامہ عینیؒ اور امام سیوطیؒ نے نقل کیے ہیں۔ ان دونوں قولوں کی نسبت امام مالک کی طرف کی جاتی ہے لیکن یہ نسبت ان کی طرف غلط ہے کیونکہ ان کا مسلک اور مستند قول بیس یا چھتیس رکعات کا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے باب میں آئے گی۔ دوسری وہ شخصیت جن کی طرف گیارہ رکعات کا قول منسوب کیا جاتا ہے، وہ علامہ ابو بکر بن العربیؒ ہیں لیکن ان کی طرف بھی اس قول کی نسبت غلط ہے۔

علامہ ابن العربیؒ کا مسلک: غیر مقلدین کی طرف سے علامہ ابن العربیؒ کا مسلک گیارہ رکعات ثابت کرنے کیلئے ان کی کتاب عارضۃ الاحوذی سے ایک ادھوری اور نامکمل عبارت پیش کی جاتی۔ اس لیے ہم ان کی پوری عبارت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ان کا صحیح مسلک سب پر واضح ہو جائے۔

۱۔ بعض غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابو مجلزؓ ہی رکعتوں کے قائل تھے تو پھر ان روایتوں سے بھی جن میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فلاں صحابی یا فلاں تابعی بیس ہی کے قائل تھے۔

جواب: یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ سب حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ہی رکعتیں پڑھتے تھے (محدثین کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں) اور کسی محدث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے کہا ہو کہ کسی صحابی نے حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعتوں کے علاوہ کسی عدد تراویح پر عمل کیا ہو۔ لہذا صحابہ کرامؓ کی روایات پر ابو مجلزؓ کے اس اثر کو قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر عہد فاروقی کے بعد کسی تابعی وغیرہ سے بیس رکعات سے زائد تراویح بطور نوافل پڑھنا ثابت ہو جائے تو یہ ہمارے دعویٰ اور موقف کے خلاف نہیں ہے۔ لہذا محدثین کی تصریحات (عہد فاروقی میں سب صحابہؓ کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا اور اس کے بعد تمام امت کا یہی اجماعی عمل قرار پایا) کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حضرت ابو مجلزؓ بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں تھے۔

علامہ ابن العربی تراویح سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: واما صلوة النبی ﷺ فلم يكن لها حد واما التي بعد ذلك فروى مالك عن ابي بن كعب ؓ كان يقوم باحدى ركعتين او ركعة وحالفة الناس فقالوا احدي وعشرين ركعة وروى مالك اربعة اركانهم اثار القاسم بن ميمون في زمان عمر ؓ من الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وروى ابن القاسم عن مالك سبع وثلاثين والصحيح ان يصلى احدي عشر ركعة واما صلوة النبی ﷺ فلها حد فاما غير ذلك من الاعداد فلا اصل له ولا حذفيه فادالم يكن بد من الحد فما كان النبي ﷺ زاد في رمضان ولا في غيره على احدي عشرة ركعة وهذه الصلاة هي قيام الليل فوجب ان يقتدي فيها بالنبي ﷺ -

یعنی نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں ہے اور ان کے بعد (خلفائے راشدین کے دور میں) تو امام مالکؒ نے حضرت ابن ابی کعب ؓ سے روایت کی ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور دوسرے محدثین نے (اس میں) ان کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے ابی بن کعب ؓ کی نماز اکیس رکعات ہونا نقل کیا ہے اور خود امام مالکؒ نے بھی روایت کی ہے کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے زمانہ میں تیس رکعات پڑھتے تھے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالکؒ کا مسلک انا تیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) نقل کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور قیام تھا۔ اس کے علاوہ اعداد کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حد ہے۔ پس جب کوئی حد مقرر کرنا ضروری ہی ہو تو نبی رسول اللہ ﷺ پر رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ نماز آپ ﷺ کی قیام اللیل (تہجد) تھی لہذا ضروری ہے کہ قیام اللیل (تہجد) میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

اب اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ابن العربی ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تو صاف اقرار کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح گیارہ وغیرہ رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس کا تعلق ان کے نزدیک نماز تراویح سے نہیں بلکہ نماز تہجد سے ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس نماز کو قیام اللیل فرمایا ہے اور قیام اللیل (نماز تہجد) اور قیام رمضان (نماز تراویح) میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: واما اللیل فهو غیر قیام رمضان ل۔ اس کی مزید تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربی کی عبارت ”والصحيح ان یصلی احدی عشرة رکعة“ کا تعلق بھی تراویح کی بجائے نماز تہجد سے ہے کیوں کہ اگر اس کو تراویح سے متعلق قرار دیا جائے تو پھر ابن العربی کے کلام میں دو طرح کا صریح تناقض لازم آئے گا۔ اول یہ کہ اس عبارت میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں یہی نبی ﷺ کی نماز تراویح۔ (علیٰ زعم غیر المقلدین) اور قیام ہے حالانکہ پہلے انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ: واما صلوة النبی ﷺ فلم یکن لها حد کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں۔ ثانیاً یہاں علامہ ابن العربی نے فرمایا ہے کہ گیارہ کے علاوہ جتنے اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں حالانکہ پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ امام مالک وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے گیارہ، اکیس اور تیس رکعات نقل کی ہیں اور ان میں سے بعض کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے۔ لہذا علامہ موصوف کی عبارت کو اس صریح تناقض سے بچانے کیلئے لازماً ماننا پڑے گا کہ عبارت کے پہلے حصے کا تعلق تو نماز تراویح سے ہے جبکہ دوسرے حصے (والصحيح ان یصلی احدی عشرة رکعة سے آخر عبارت تک) کا تعلق نماز تہجد سے ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح میں تو (گیارہ وغیرہ رکعات کی) کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن ان کی نماز تہجد کی تعداد گیارہ رکعات ہیں اور یہی بہتر ہے۔ گویا علامہ موصوف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد مقرر نہیں لیکن نماز تہجد میں آپ سے گیارہ رکعات مروی ہیں۔ فلا تناقض فیہما۔

بالفرض اگر غیر مقلدین کی یہ بات مان لی جائے کہ والصحيح ان یصلی احدی عشرة رکعة کا تعلق بھی نماز تراویح سے ہے تو پھر بھی اس سے غیر مقلدین کامدعی ثابت نہیں ہو سکتا کیوں کہ

اس عبارت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں ولاحد فیہ کہ اس میں رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں حالانکہ غیر مقلدین اس میں حد لے قائل ہیں اور وہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کو وہ ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔

مناہرین غیر مقلدین حضرات کا علامہ ابن العربی کو صرف گیارہ رکعات کے قائلین میں کھڑا کرنا باطل ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ وہ ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ امام مالکؒ نے قائل ہونے کی وجہ سے ان یا پھتیس رکعات لے قائل تھے۔

الحاصل اس ساری تفصیل سے غیر مقلدین کے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو گئی کہ تراویح کے مسئلہ میں ائمہ کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ لہذا میں تراویح پر اجماع یا تعامل کا دعویٰ باطل ہے۔ نیز یہ بات اجمعی طرح سے ثابت ہو گئی کہ امت مسلمہ میں کوئی مقتدر ہستی ایسی نہیں گزری جو بیس تراویح سے کم کی قائل ہو۔ علامہ بیہقی نے جو تین اقوال بیس رکعات سے کم کے نقل کئے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور دیگر جو اختلافی اقوال انھوں نے بیس رکعات سے زائد کے ذکر کئے ہیں ان سے بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ اور تعامل امت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ صحابہؓ کے بعد جو لوگ کچھ عرصہ کیلئے بیس رکعات سے زائد رکعتیں پڑھتے رہے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات تھیں اور زائد رکعتیں بطور نوافل کے تھیں اور وہ بھی کچھ عرصہ کیلئے آخر کار پھر پوری امت کا عمل نسلًا بعد النسل بیس رکعات تراویح ہی قرار پایا جیسا کہ کبار علمائے محدثین اور فقہاء کے اقوال کثیر تعداد میں ذکر ہو چکے ہیں لہذا یہ دعویٰ کرنا حق بجانب ہے کہ بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ اور اسی پر تعامل امت رہا ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے اس دعویٰ کا جائزہ لیں کہ امام احمد بن حنبل اور حافظ ابن تیمیہؒ تو رکعات تراویح میں سرے سے کسی حد کے ہی قائل نہیں ہیں تو پھر یہ کیسا اجماع اور تعامل ٹھہرا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کا مسلک تو دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس رکعات مسنون

ہونے کا ہے جیسا کہ مختصر اگزر چکا ہے اور مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔ ہم یہاں قارئین کے سامنے صرف شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی اس مسئلہ میں تحقیق پیش کرتے ہیں تاکہ ان کا صحیح موقف اور نظریہ قارئین کو معلوم ہو جائے اور اس کے لئے ان کے فتاویٰ وغیرہ سے بطور اختصار صرف چند اقتباسات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

## حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق:

(۱) حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کے متعلق کوئی عدد منقول نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ان نفس قیام رمضان لم یوقت رسول اللہ ﷺ فیہ عددًا معینا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا۔

(۲) جو حضرات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ تراویح سے متعلق نبی ﷺ سے کوئی خاص عدد (گیارہ وغیرہ) منقول ہے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کا نظریہ ہے، ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ ۲۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے جسے نہ زیادہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کم کیا تو وہ شخص غلطی پر ہے۔

(۳) بعض حضرات گیارہ یا تیرہ رکعات کو سنت ثابت کرنے کیلئے راجعاً حضرت عائشہ کا سہارا لیتے ہیں لیکن حافظ ابن تیمیہ کو ان کا یہ استدلال پسند نہیں۔ اس لئے ان پر رد کرتے ہوئے تشریح فرماتے ہیں: وقال طائفة قد ثبت فی الصیح عن عائشة ان النبی ﷺ لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاثة عشر رکعات واضطرب فی هذا الاصل لما ظنوه من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدين وعمل المسلمین ۳۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیح روایات میں حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ اس اصل میں اضطراب ہے کیونکہ علمائے محدثین نے یہ خیال فرمایا ہے کہ یہ روایت اس صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور دیگر مسلمانوں کا عمل (بیس رکعات) ثابت ہے۔

۱۔ مجموعۃ الفتاویٰ (۸۲۰/۱۱) طبع ریاض ثانی ایڈیشن ۲ (ایضاً) ۳ الفتاویٰ الکبریٰ (۲۷۱/۱) طبع بیروت

(۴) امام ابن تیمیہ کا نظریہ بھی دیگر ائمہ کی طرح یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس تراویح پر جمع فرمایا تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے اور یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: فلما جمعهم عمر رضی اللہ عنہ علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی بہم عشرين رکعة ثم یوتر بثلاث ۱۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ انھیں بیس تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

نیز حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یقوم بالناس عشرين رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالک ہو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر ۲۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ یہ فعل (بیس تراویح کا) انھوں نے مهاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۵) حافظ ابن تیمیہ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے خلاف کی طرح بیس تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ چنانچہ جب رافضیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے بیس تراویح کی جماعت قائم کر کے بدعت کا ارتکاب کیا ہے تو حافظ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے رافضیوں کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

لو کان ای عمل عمر رضی اللہ عنہ فی التراویح قبیحا منہیا عنہ لکان علی رضی اللہ عنہ ابطله لما صار امیر المؤمنین وهو بالکوفة فلما کان جاریا ذالک مجزی عمر رضی اللہ عنہ دل علی استحباب ذلک بل روی عن علی رضی اللہ عنہ انه قال نور الله علی عمر رضی اللہ عنہ قبره کما نور علینا مساجدنا ۳۔

۱۔ مجموعۃ الفتاویٰ (۵۲۰/۱۱) ۲۔ الفتاویٰ الکبریٰ (۲۲۷/۱) ۳۔ نہج البلاغہ (۲۲۲/۲)

اگر حضرت عمرؓ فاروق کا بیس تراویح کی جماعت قائم کرنا قبیح اور منہی عنہ ہوتا تو حضرت علیؓ اس کو ختم کر دیتے جب وہ کوفہ میں امیر المومنین تھے۔ پس جب ان کے دور میں بھی حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ جاری رہا تو یہ اس عمل کے اچھا ہونے پر دلالت کرتا ہے بلکہ حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو روشن کرے جس طرح حضرت عمرؓ نے ہمارے لئے ہماری مساجد کو روشن کر دیا۔ پھر حافظ صاحبؒ نے ابو عبد الرحمن السلمیؒ کے طریق سے حضرت علیؓ کی پوری روایت نقل فرمائی ہے جس میں حضرت علیؓ کا ایک شخص کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم مذکور ہے۔ یہ پوری روایت مع السند پہلے گزر چکی ہے۔

(۶) شیخ الاسلام حافظ ابن جمیہؒ تراویح کی مختلف صورتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں: والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان كان فيهم احتمال لطول القيام فالقيام بعشرة ركعات وثلاث بعدها كما كان النبي ﷺ يصلي لنفسه في رمضان وغيره هو الافضل، وان كانوا لا يحتملونه فالقيام بعشرين هو الافضل وهو الذي يعمل به اكثر المسلمين فانه وسط بين العشرين وبين الاربعين، وان اقام باربعين وغيرها جاز ذلك ولا يكره شيء من ذلك۔

افضل صورت تراویح پڑھنے کی ان سب طریقوں میں نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت ہو جس طرح کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز پڑھتے تھے تب تو افضل یہ ہے کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی پڑھی جائیں۔ اور اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر بیس پڑھنا ہی افضل ہے اور اسی پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہے اور یہ دس اور چالیس کا درمیانی عدد ہے اور اگر چالیس وغیرہ رکعتیں پڑھی جائیں تب بھی جائز ہے اور ان میں سے کوئی صورت بھی مکروہ نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی

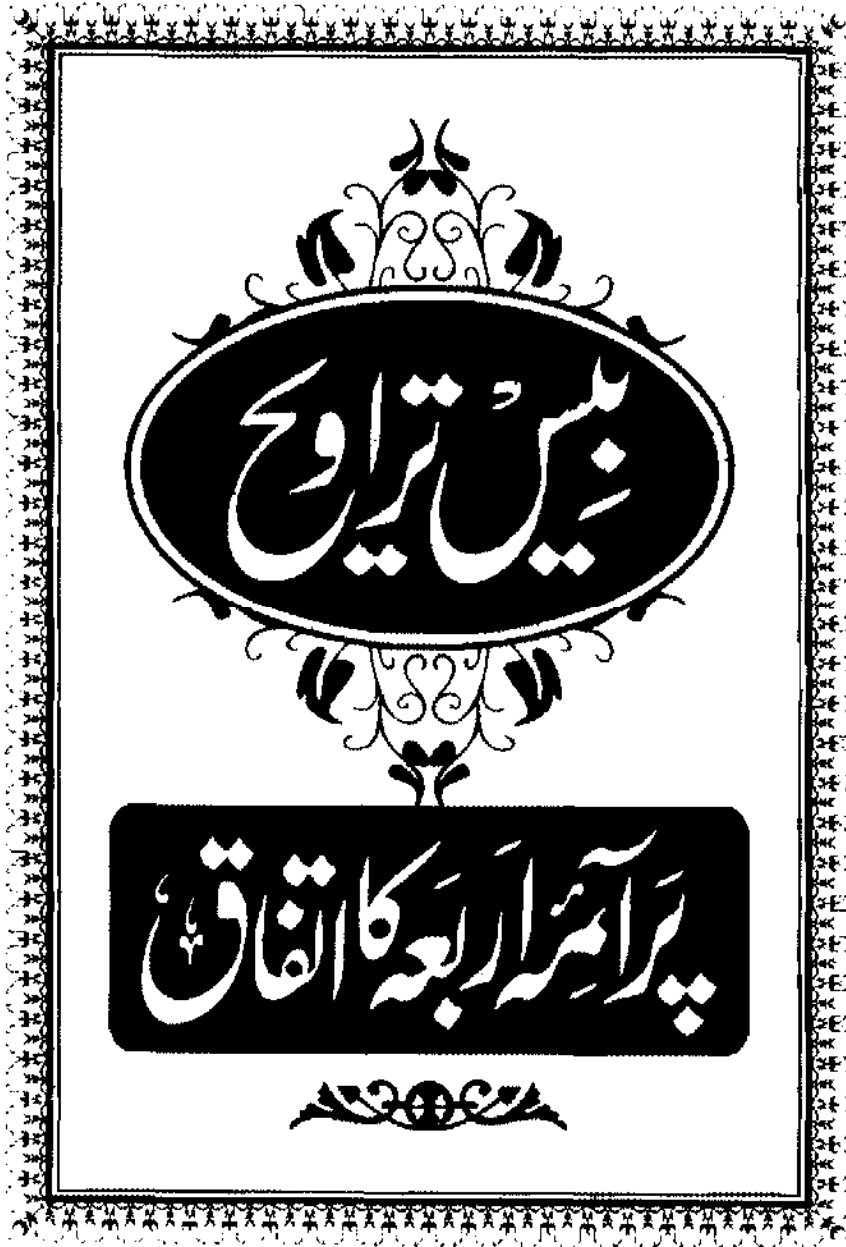


تحقیق میں آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے اور دس یا آٹھ تراویح پڑھنا تب افضل ہے جب نمازیوں میں اتنے لمبے قیام کی طاقت ہو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ لمبا قیام کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کرات کی نماز میں کتنا لمبا قیام ہوتا تھا؟ اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ خود ہی لکھتے ہیں کہ: فان النبی ﷺ کان یطیل القیام باللیل حتی قد ثبت عنہ فی الصحیح من حدیث حذیفہؓ انہ کان یقرأ فی الرکعة بالبقرۃ والنساء و آل عمران فکان طول القیام یغنی عن نکتیر الرکعات ۱۔

نبی کریم ﷺ رات کی (نفلی) نماز میں طویل قیام کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت حذیفہؓ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ صرف ایک رکعت میں سورۃ بقرہ، سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران (تقریباً سو پانچ پارے) تلاوت فرمادیتے تھے۔ پس آپ ﷺ کا طول قیام ہی رکعات کے زیادہ کرنے کا بدل ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اب اتنے طویل قیام کی کس میں ہمت اور طاقت ہے کہ صرف ایک رکعت میں سو پانچ پاروں کی مقدار تلاوت کر سکے؟ کیا غیر مقلدین جو صرف آٹھ تراویح پر ہی اکتفا کر بیٹھتے ہیں وہ اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ جتنا حافظ ابن تیمیہؒ نبی ﷺ کا قیام بتلا رہے ہیں؟ حالانکہ ان کے قیام کی حالت تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کے ہی ایک بزرگ عالم حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب اپنے لوگوں کی نماز تراویح کے قیام کی کیفیت بتلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ: ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قرأتیں رکعت پڑھنے والوں کی قرأت کے برابر ہوتی ہے۔ ۲۔

پس حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کی رو سے آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے اور آٹھ یا دس رکعات پڑھنا تب افضل ہوگا جب نمازیوں میں طویل قیام کرنے کی ہمت ہو اور وہ غیر مقلدین کے ہاں ندرت ہے۔







پچھلے صفحات میں دیگر مباحث کے ضمن میں ائمہ اربعہ کی رکعات تراویح سے متعلق آراء پر کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں چاروں ائمہ میں سے ہر ایک امام کے مسلک پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ واللہ الموفق للصواب۔

﴿۱﴾ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:-

امام حسن بن زیاد اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: القیام فی شہر رمضان سنۃ لاینبغی ترکھا یصلی لاہل کل مسجد فی مسجدہم کل لیلة سوی الوتر عشرين رکعة خمس ترویحات بعشر تسلیمات یسلم فی کل رکعتین ۱۔ رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا سنت (مؤكدہ) ہے اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ ہر مسجد والوں کیلئے ان کی مسجد میں ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ یہ بیس رکعتیں پانچ ترویحوں اور دس سلاموں کے ساتھ ہوں کہ ہر دو رکعت کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: قال ابوحنیفہ یصلی عشرين رکعة كما هو السنۃ ۲ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جائیں جیسا کہ سنت ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمرؓ کے (بیس تراویح کے مقرر کرنے کے) عمل کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: الترویح سنۃ مؤکدة ولم یتخرصہ عمرؓ من تلقاء نفسه ولم یکن فیہ مبتدعاً ولم یأمر بہا الا بن اصل لدیہ وعہد من رسول اللہ ﷺ ۳۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے (بیس تراویح مقرر کر کے) اپنی طرف سے کچھ اختراع نہیں کیا اور نہ وہ اس معاملہ میں کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے۔ انھوں نے جو بھی حکم دیا وہ کسی دلیل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور ان کا یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

۱ فتاویٰ قاضی خان (۱/۱۲۱) ج ۱ ص ۱۲۲ (۱۳۲/۲) للنسر خسی  
 ۲ مع مرآتی الفلاح شرح نور الایضاح (ص ۲۲۳) مع حاویۃ الطحاوی

امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک فقہ حنفی کی تمام کتب فقہ (قدوری، ہدایہ، کنز الدقائق وغیرہ) اور کتب فتاویٰ (شامی، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فلیراجع الیہامن شاء ﴿۲﴾ امام شافعی کا مسلک:-

حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں: فاما قیام شہر رمضان احب الیّ عشرون لانه روى عن عمرؓ هو كذلك يقومون بمكة ويوترون بثلاث لـ رمضان المبارک کے قیام (تراویح) میں مجھے بیس رکعت پسند ہیں کیوں کہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھتے ہیں۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: واكثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيره من اصحاب النبي ﷺ عشرون ركعة وهو قول الثوري وابن المبارک والشافعي وقال الشافعي وهكذا ادرکت ببلدنا بمكة يصلون عشريين ركعة ۲۔  
اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور یہی امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام شافعیؒ کا یہ بیس رکعات والا مسلک ان کی فقہ کی تمام کتب (شرح مہذب، توشیح وغیرہ) میں مذکور ہے اور بیس تراویح کے علاوہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

﴿۳﴾ امام احمدؒ کا مسلک:-

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے اور یہی مسلک ان کا فقہ حنبلی کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ ہم حنبلی کی کتب سے ان کا صحیح مسلک نقل کرتے ہیں۔ ۱۰۰۱ کے بعد دیگر فقہ کے علمائے کرام کے حوالوں سے اس پر بحث کریں گے۔ فقہ حنبلی کی سب سے معتبر کتاب المغنی (جس

کے بارے میں امام سیوطی فرماتے ہیں: وهو اجل كتب الحنابلة ۱۔

میں امام احمد کا مسلک یوں نقل کیا گیا ہے: والمختار عند ابی عبد اللہ رحمہ اللہ فیہا عشرون رکعة ۲۔ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کے نزدیک تراویح میں مختار بیس رکعات پڑھنا ہے۔

(۲) فقہ حنبلی کی دوسری مستند کتاب الاقناع میں انکا مسلک یوں مذکور ہے: التراویح عشرون رکعة فی رمضان یجہر فیہا بالقراءة وفعلاہا جماعة افضل ولا ینقص منها ولا یأس بالزیادة ۳۔ رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن میں جہر سے قراءت کی جائے اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔ بیس سے کم رکعات نہ کی جائیں اور بیس سے زیادہ رکعات پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) فقہ حنبلی کی کتاب مقنع میں ہے: ثم تراویح وہی عشرون رکعة یقوم بہا فی رمضان فی جماعة ۴۔ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ ان کو رمضان المبارک میں باجماعت ادا کیا جائے۔ اس کتاب کے مصنف خود اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: هذا کتاب فی الفقه علی مذہب ابی عبد اللہ احمد بن حنبل۔ کہ یہ کتاب امام احمد بن حنبل کی فقہ پر مشتمل ہے۔

(۴) کشف القناع میں حنبلی مذہب یوں لکھا گیا ہے: وہی عشرون رکعة فی رمضان ۵۔

(۵) فقہ حنبلی کی کتاب شرح منہجی الارادات میں ہے: وہی عشرون رکعة فی رمضان ۱۔

(۶) حافظ ابن تیمیہ حنبلی بھی امام احمد کا مسلک بیس رکعات تراویح ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے

فتاویٰ میں رقم طراز ہیں: والتراویح ان صلاہا کمدہب ابی حنیفہ والشافعی واحمد عشربین رکعة ۶۔

۱ الجاوی للفتاویٰ (۱/۱۶۸) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان) ۲ کتاب المغنی لابن قدامة (۱/۲۹۸)

۳ کتاب الاقناع (۱/۱۱۷) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱) ۴ کتاب المقنع (۱/۱۸۳)

۵ کشف القناع عن متن الاقناع (ص ۲۲۷) ۶ شرح منہجی الارادات (۱/۲۵۶)۔ بحوالہ غیر المصاح (ص ۳۵)

۷ الفتاویٰ الکبریٰ (۳/۳۲۷) مطبوعہ مصر۔

(۷) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی امام احمد کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:  
 والمختار عند احمد عشرون ركعة ۱۔ امام احمد کے نزدیک مختار بیس رکعات تراویح ہیں۔  
 (۸) شارح بخاری علامہ قسطلانی، حنبلی علماء سے امام احمد کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں: التراویح  
 عشرون ركعة ولا بأس بالزيادة نصاعن الامام احمد ۲۔ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور  
 بیس سے زائد رکعات پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہی امام احمد بن حنبل کی تصریح ہے۔  
 حنبلی علماء کے علاوہ دیگر علمائے محققین کے ہاں بھی امام احمد کا مسلک بیس تراویح ہی ہے۔  
 چنانچہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: فاختر مالك في احد قوليه وابو حنيفة والشافعي  
 واحمد وداود والقيام بعشرين ركعة سوى الوتر۔ ۳ امام مالک نے اپنے ایک قول  
 میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور علامہ داؤد ظاہری نے وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح  
 کو اختیار کیا ہے۔ امام نووی شافعی فرماتے ہیں: هذا مذهبنا وبه قال ابو حنيفة واصحابه  
 واحمد وداود وغيرهم ۴۔  
 بیس تراویح ہی ہمارا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد اور علامہ داؤد ظاہری اور دیگر  
 علماء بھی اسی کے قابل ہیں۔  
 امام عبدالوہاب شعرانی رقم طراز ہیں: ومن ذلك قول ابی حنيفة والشافعي واحمد  
 رحمهم الله تعالى ان صلوة التراویح في شهر رمضان عشرون ركعة وان في  
 الجماعة افضل ۵۔ اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے کہ نماز تراویح ماہ  
 رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور تراویح کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔ علامہ محمد بن عبدالرحمن  
 شافعی فرماتے ہیں: فالامسنون عند ابی حنيفة والشافعي واحمد عشرون ركعة ۶۔  
 امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مسنون تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

۱۔ مجموعۃ مؤلفات شیخ ابن عبدالوہاب (۳/۱۱۷) ۲۔ ارشاد الساری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱)

۳۔ بدایۃ المجتہد (۱/۱۵۶) ۴۔ مجموع شرح مہذب (۳/۳۲) ۵۔ المیزان الکبریٰ (ص ۱۵۲) ۶۔ رحمۃ اللہ (ص ۲۳)



قارئین! حنبلی وغیر حنبلی علمائے محققین کے مذکورہ بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام احمدؒ کا اہلکرام کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کا ہے اور ان کے نزدیک بیس سے کم تراویح پڑھنا جائز نہیں ان کا یہی قول ان کی تمام کتب فقہ میں مذکور ہے اور تمام حنبلی المسلک علماء بھی اپنے امام کی اتباع میں بیس تراویح ہی قائل ہیں اور آج بھی حرمین شریفین کے ائمہ جو حنبلی المسلک ہیں، رمضان المبارک میں بیس تراویح ہی پڑھاتے ہیں۔ والحمد لله علیٰ ذلک۔

اب غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ان ٹھوس اور کثیر حوالہ جات کے باوجود امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمدؒ تو سرت سے کسی حد کے قائل ہی نہیں تھے اور استدلال میں امام احمدؒ کا ایک مجمل قول پیش کرتے ہیں جس کو امام ترمذیؒ نے پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیہ شئی ل۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ رکعات تراویح میں مختلف روایات ہیں۔ انہوں نے کسی خاص چیز کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن غیر مقلدین کا اپنے موقف پر اس قول سے استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ:

(۱) امام ترمذیؒ کا یہ نقل کردہ قول تحدید رکعات کے بیان سے ساکت ہے جبکہ اس کے بالمقابل دیگر بہت سے ائمہ ناقلین کے نقل کردہ اقوال تحدید رکعات (بیس رکعات) میں ناطق ہیں اور یہ مشہور اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ ناطق کو ساکت قول پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) ہم نے پیچھے تفصیل سے فقہ حنبلی کی معتبر کتابوں سے ثابت کر دیا ہے کہ امام احمدؒ کا مختار قول بیس رکعات کا ہی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں امام ترمذیؒ جو غیر حنبلی المسلک ہیں، کے ایک مجمل قول کی کوئی حیثیت نہیں رہتی کیوں کہ کسی صاحب مذہب کے متعلق وہی قول معتبر سمجھا جاسکتا ہے جو اس کے اہل مذہب کی اپنی کتابوں میں منقول ہو۔ اس کے مقابلے میں کسی غیر اہل مذہب کا نقل کردہ قول خواہ وہ ناقل کتنا ہی ثقہ ہو، غیر معتبر اور شاید سمجھا جاتا ہے کیوں کہ صاحب البیت ادریٰ بمافیہ۔

(۳) بالفرض اگر امام ترمذی کے اس نقل شدہ قول کو معتبر بھی مان لیا جائے تو پھر اس قول کا تعلق بیس تراویح سے زائد رکعات سے ہوگا کیوں کہ پہلے جنابلی علماء کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ امام احمد بیس تراویح سے کم پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے البتہ بیس سے زائد جتنی بھی رکعات پڑھی جائیں وہ ان میں اختیار دیتے ہیں۔

اب امام ترمذی کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ: امام احمد نے فرمایا (بیس رکعات سے زائد) تراویح میں مختلف روایات (۲۰ سے لے کر ۴۱ رکعات تک) مروی ہیں اور انھوں نے (بیس سے زائد) رکعات مقرر کرنے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے بیس سے لے کر اکتالیس تک مختلف اقوال ذکر کئے ہیں لیکن بیس سے کم کا ایک قول بھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے نزدیک بھی امام احمد کے قول کا تعلق بیس سے زائد رکعات کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) امام مالک کا مسلک: امام مالک سے رکعات تراویح کی بابت دو روایتیں منقول ہیں: نمبر ۱: بیس رکعات جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مذہب ہے اور مالکیہ میں سے علامہ ابن عبدالبر وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور فقہ مالکی کی کتب انوار ساطعہ اور دسوقی وغیرہ میں امام مالک کا یہی مسلک مذکور ہے۔ نمبر ۲: چھتیس رکعات، اور اسی قول کو اکثر مالکیوں نے اختیار کیا ہے اور یہی امام مالک کا مشہور اور معتبر قول ہے۔ اس قول کو امام مالک سے ان کے دو شاگردوں (علامہ ابن القاسم اور علامہ ابن ایمن) نے براہ راست نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی اور علامہ ابو بکر بن العربی مالکی لکھتے ہیں: و ذکر ابن القاسم عن مالک انه كان يستحسن ستا وثلاثين ركعة والوتر ثلاثا۔ علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

﴿ف﴾ امام عبدالرحمن بن قاسم امام مالک کے براہ راست اور حلیل القدر شاگرد ہیں جو فقہ مالکی کے مدد و ن بھی ہیں۔ تمام ائمہ رجال (امام نسائی، امام حاکم، امام خطیب، امام ابن حبان، امام بخاری بن معین، امام ابوزرعہ) وغیرہ نے ان کی توثیق و تعریف کی ہے ۲۔

۱۔ بدلیۃ المحدث (۱/۱۵۲)، عارضۃ الاحوذی (۳/۱۹) ۲۔ دیکھئے ”تہذیب التہذیب“ (۶/۲۵۲)

مالکیوں کے نزدیک امام مالکؒ کی سب سے معتبر روایت وہی سمجھی جاتی ہیں جو ان سے ابن القاسم نے نقل کی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اعتمادہم فی الاحکام والفتاویٰ علی  
 . ارداء ابن القاسم من مالک سواہ وافق ما فی المؤطا م لال

مالیوں نے نزدیک اعتماد اور دارودہ اراکام اور فتاویٰ میں اس روایت پر ہوتا ہے جو ابن القاسم امام مالک سے روایت لیں چاہے وہ روایت مؤطا امام مالک کے موافق ہو یا نہ ہو۔

امام مالک کے دوسرے ثقہ شاگرد علامہ ابن الایمنؒ نے بھی ان سے انتالیس رکعات وتر سمیت نقل کی ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: روی ابن الایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلاثین رکعة یسلم الامام والناس ثم یوتر بہم واحد قلہ۔ علامہ ابن الایمنؒ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ لوگ رمضان المبارک میں اڑتیس رکعات پڑھیں پھر امام اور مقتدی سلام پھیر دیں اور پھر امام انھیں ایک رکعت وتر پڑھائے۔ علامہ عینیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابن الایمن نے وتر کی دو رکعت تراویح کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان سب اڑتیس رکعات کو قیام رمضان (تراویح) کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالکؒ سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں (جیسا کہ ابن القاسمؒ نے ان سے نقل کیا ہے)۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے یعنی انتالیس رکعات مع الوتر۔ ۳

پس جب امام مالکؒ سے ان کے دونوں شاگرد وتر سمیت انتالیس رکعات نقل کر رہے ہیں اور فقہ مالکی کی اکثر کتابوں میں امام مالک کا یہی قول درج ہے تو اسی قول کو ترجیح دی جائے گی اور مالکیوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے علمائے محققین نے بھی امام مالک سے یہی چھتیس رکعات کا قول نقل کیا ہے۔ (۱) چنانچہ علامہ ابن قدامہ جنبلؒ لکھتے ہیں: وقال مالک ستة وثلاثون ۳۔ امام مالک چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

(۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں: وقال مالک التراویح تسع ترویحات وہی ستة وثلاثون

۱۔ تعحیل المنفعة (ص ۳) ۲۔ عمدة القاری (۲۳۵/۸) طبع دار الفکر بیروت ۳۔ ایضاً ۳ المغنی (۱/۸۰۲)

رکعت غیر الوتر۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ تراویح نو تر و تکیے ہیں اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں بنتی ہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: عن مالک ست وثلاثون وثلاث الوتر وهذا هو المشهور۔

امام مالک سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر منقول ہیں اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔  
(۴) علامہ ابن عبدالرحمن شافعی لکھتے ہیں: وحکی عن مالک ان التراویح ست وثلاثون امام مالک سے چھتیس رکعات تراویح منقول ہیں۔

(۵) امام سیوطی لکھتے ہیں: وعن مالک التراویح ست وثلاثون رکعة غیر الوتر۔ امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں۔

(۶) علامہ بدرالدین عینی تحریر کرتے ہیں: وعند مالک تسع ترویحات بستة وثلاثين رکعة غیر الوتر۔ امام مالک کے نزدیک نو تر و تکیے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہیں۔ نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: فالمنشور عن مالک ست وثلاثون والوتر بثلاث۔ امام مالک کا مشہور قول چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کا ہے۔

(۷) برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: وقال مالک ست وثلاثون او تسع وثلاثون مع الوتر۔ امام مالک (بغیر وتر کے) چھتیس اور وتر سمیت اسی رکعات کے قائل ہیں۔

(۸) علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: وعن مالک ست وثلاثون۔ امام مالک سے چھتیس رکعات نقل کی گئی ہیں۔

(۹) علامہ شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں: وقال مالک الامر عندنا تسع وثلاثون۔

۱ (مجموع شرح صحابہ) (۳۲/۳) ۲ فتح الباری (۲۵۲/۳) ۳ رحمة الامة (ص ۲۳) ۴ مصابح (ص ۹)  
۵ العنایة شرح ہدلیہ (۸۶۷/۱) ۶ عمدة القاری شرح بخاری (۲۳۵/۸) ۷ ما ثبت بالنسبة مع ترجمہ مومن کے ماہ  
وسال (ص ۲۱۷) ۸ رد المحتار (۵۱۱/۱) ۹ نیل الاوطار (۶۱/۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تراویح کا حکم ہمارے نزدیک تین وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں۔  
(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحب "غیر مقلد فرماتے ہیں: سند امام مالک درست و ثلاثین  
عمل اہل اہل بدرہ و شنبہ!۔  
امام مالک علیہ السلام پختی رکعات کے بارے میں اہل مدینہ کا عمل لکھا گیا ہے۔  
تلك عشرة كاملة۔

علمائے کرام کے ان کثیر بیانات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مالکی علماء کی طرح غیر مالکی علماء کے نزدیک بھی امام مالک کا صحیح اور مشہور قول چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور یہ بات خود غیر مقلدین کے دو چوٹی کے بزرگوں کو بھی تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود بعض غیر مقلدین ان سب حوالہ جات سے بالکل آنکھیں بند کر کے امام مالک کا مذہب آٹھ تراویح کا بتلاتے ہیں۔

۔ بسوخت عقل زحیرت این چہ بوالعجبیست

یہ لوگ استدلال میں علامہ عینی کا ایک بلا سند قول اور علامہ سیوطی کا ایک ضعیف قول جس کی سند نہایت منقطع ہے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے۔ پہلے علامہ عینی کے ذکر کردہ قول کا جواب ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد علامہ سیوطی کے منقولہ قول پر بحث کی جائے گی۔

علامہ عینی کے امام مالک سے ذکر کردہ گیارہ رکعات والے قول کی حقیقت: اولاً علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں امام مالک سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے اس کی کوئی سند یا حوالہ پیش نہیں کیا۔ اس کے بالمقابل انھوں نے امام مالک سے جو انا لیس رکعات مع الوتر کا قول پیش کیا ہے اس کو انھوں نے مع السند ذکر کیا ہے، لہذا گیارہ رکعات والا قول انا لیس رکعات والے قول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ ثانیاً: علامہ عینی نے خود عمدۃ القاری، العنایۃ شرح ہدایہ وغیرہ اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے بلکہ انھوں نے عمدۃ القاری میں تو اسی قول کو ان کا مشہور قول بتلایا ہے۔ جیسا کہ یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود علامہ عینی کے ہاں بھی امام مالک کی طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول غیر مشہور اور شاذ ہے۔ اب جو قول خود ناقل کے نزدیک غیر مشہور اور شاذ ہے اس شاذ قول سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کرنا۔ ع مدعی ست گواہ چست کا مصداق ہے۔

حالات: علامہ عینی نے امام مالک کا جو قول چھتیس رکعات کا نقل کیا ہے، وہ امام مالک کے براہ راست شاگردوں (علامہ ابن القاسم، علامہ ابن الایمن) وغیرہ کی روایات کے موافق ہے اور ان کا یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے، جبکہ گیارہ رکعات کا قول نہ تو امام مالک کے کسی شاگرد نے ان سے نقل کیا ہے اور نہ ہی یہ قول فقہ مالکی کی کسی کتاب میں درج ہے۔ لہذا صحیح قول ان کا چھتیس رکعات ہے اور ان کی

طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول ضعیف اور غیر معتبر ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت:

علامہ سیوطی نے مصابیح اور الحادوی میں امام مالک سے گیارہ رکعات کا قول یوں نقل کیا ہے:

قال الجوزی من اصحابنا عن مالك انه قال الذي عليه الناس عمر بن الخطاب  
 ﷺ احب الي وهو احدى عشر ركعة۔ لیکن غیر مقلدین کا اس قول سے بھی استدلال باطل  
 ہے۔ اولاً: اس قول کے ناقل علامہ سیوطی نے خود تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات  
 تراویح کا ہے۔ سیوطی کا یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہذا یہ قول خود ناقل کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے۔ جو  
 قول خود ناقل کے ہاں بھی غیر معتبر ہو اس سے استدلال کرنا چہ معنی دارد؟

ثانیاً: امام مالک سے اس قول کو روایت کرنے والے جوزی ہیں اور ان کی ملاقات امام مالک سے تو کجا  
 ان کے شاگردوں سے بھی ثابت نہیں، کیونکہ امام مالک کی وفات ۱۷۱ھ میں ہوئی۔ جبکہ جوزی ۳۰۰ھ  
 کی پیدائش ۲۳۳ھ کی ہے یعنی وہ امام مالک کی وفات کے ۵۹ سال بعد پیدا ہوئے۔ ان کا نام علی بن  
 الحسین القاضی ہے اور وہ علامہ ابو بکر نیشاپوری کے شاگردوں میں سے ہیں اور شافعی المسلمک ہیں۔  
 جوزی سے اس قول کو نقل کرنے والے علامہ سیوطی کی ولادت ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ اب جوزی اور ان سے  
 ناقل علامہ سیوطی کے درمیان سینکڑوں سال کا طویل عرصہ ہے اور درمیان میں سند کی کئی کڑیاں غائب  
 ہیں۔ گویا نہ اس قول کے راوی کی ملاقات اپنے مروی عنہ سے ہے اور نہ ہی ناقل کی ملاقات منقول عنہ  
 سے ہے۔ لہذا ایسے منقطع السند قول پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے، جب کہ یہ قول امام مالک کے براہ راست  
 شاگردوں کی روایات کے بھی مخالف ہے۔ اب غیر مقلدین کے بواجبی ملاحظہ کریں کہ جو بات امام مالک

۱۔ المصابیح (ص ۸)، الحادوی (ص) ۲ تقریب (۱۵۲/۲) ۳ بعض غیر مقلدین اس سند کے انقطاع پر پردہ ڈالنے  
 کیلئے جوزی کی جگہ جوزی یا ابن الجوزی کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کا نام نہ جوزی ہے اور نہ ابن الجوزی ہے بلکہ جو ی ہے  
 چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: علی بن الحسین القاضی ابو الحسن الجوزی بضم الجیم ثم  
 الواو الساکنہ ثم الراء نسبة الی جوزبلدة من بلاد فارس۔ طبقات الشافعیة (۲/۳۰۷)

۲ دیکھئے طبقات الشافعیة (۲/۳۰۷)

سے ان کے شاگرد نقل کر رہے ہیں تمام محققین اسے (چھتیس رکعات کو) ہی امام مالک کا مذہب بتلاتے ہیں اور یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے بلکہ خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر (قاضی شوکانی اور غلام رسول صاحب وغیرہ کو بھی امام مالک کا مسلک یہی ہونا تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کے ہاں امام مالک کا یہ قول تو قابل اعتماد نہیں لیکن اس کے برخلاف جس قول کو علامہ عینی نے بلا سند اور علامہ سیوطی نے نہایت منقطع سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (حالانکہ علامہ عینی اور علامہ سیوطی کے نزدیک بھی امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے) وہ قول ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے !

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے !

الغرض امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور گیارہ رکعات والے قول کی نسبت ان کی طرف غلط ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام مالک اور دیگر اہل مدینہ کے نزدیک تراویح کی اصل رکعات بیس ہی تھیں لیکن پھر انھوں نے اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے سولہ نوافل کا اضافہ کر لیا جس کی وجہ سے تراویح کی تعداد چھتیس رکعات ہو گئی، چنانچہ امام نووی، علامہ ابن قدامہ اور دیگر محققین اہل مدینہ کے ان سولہ رکعات کے اضافہ کی وجہ میں لکھتے ہیں: وسببه ان اهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافاً ويصلون ركعتين ولا يطوفون بين الترويحة لخامسة فارادوا اهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف اربع ركعات نزاواست عشرة ركعة واوترو بثلاث فصار المجموع تسعا وثلاثين ل۔

امام مالک اور دیگر اہل مدینہ کا چھتیس رکعات پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان یعنی چار رکعات کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے اور دو رکعت طواف کی پڑھتے تھے جبکہ پانچویں ترویجہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ لہذا اہل مدینہ نے ان کے ساتھ برابری کیلئے ہر طواف کی جگہ چار رکعات

۱۔ مجموعہ شرح صحاب اللہ وی (۱۳۳/۴)۔ المغنی لابن قدامہ (۸۰۲/۱)، مصابیح للسیوطی (ص ۹)، ارشاد الساری (۲)

نبی شرح ہدایہ (۱/۸۶۷)، ماہیت بالنسہ مترجم للشیخ عبدالحق دہلوی (۳۶۳) وغیرہ



زائد پڑھنا مقرر کر لیں اور سولہ رکعات کا اضافہ کر دیا اور تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے۔ اس طرح ان کی تراویح کی مجموعی تعداد وتر سمیت انتالیس رکعات ہو گئی۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح اصل تراویح بیس رکعات ہی تھیں اس طرح بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور ان میں سے کوئی بھی امام بیس رکعات سے کم تراویح کا قائل نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے:

چونکہ ائمہ اربعہ کے مقلدین ہر دور میں اکثریت میں رہے ہیں اور اب تو تمام عالم کے مسلمان سوائے شیعہ و مقلدین (غیر مقلدین) کے سب ائمہ اربعہ کے ہی مقلد ہیں اور دیگر تمام مذاہب ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب ائمہ اربعہ کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان کے مذاہب سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے۔ چنانچہ امام احمد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: قال رسول اللہ ﷺ اتبعوا سواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقہ الاھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا لسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم ل۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سواد اعظم کی پیروی کرو، اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں تو اب ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام متفق ہیں اور ان میں سے کوئی بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں۔ لہذا جو شخص بھی بیس تراویح سے کم کا قائل ہوگا وہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ سواد اعظم سے نکلنے والا شمار ہوگا اور جو آدمی اپنے آپ کو سواد اعظم میں سے نکالتا ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: فانہ من شد شد فی النار الحدیث ۲۔ کہ جو سواد اعظم سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین کو ہمیشہ سواد اعظم کی اتباع میں ہی قائم رکھے اور سواد اعظم سے نکلنے کے وبال سے ہر ایک کو بچائے آمین۔

۱۔ عقد الجید (ص ۳۷)، بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم (ص ۲۹۳) ۲۔ مشکوٰۃ (ص ۳۰)

ہیں تراویح ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہو جائے اس پر مزید کسی شخصیت کا حوالہ دینے کی ضرورت تو نہیں کیونکہ فیہ کفایۃ لمن لہ ہدایۃ لیکن چونکہ ہمارا مقصد اپنے قارئین کی ہر ممکن تسلی کرنا ہے اس لئے ائمہ اربعہ کے ارشادات عالیہ کے بعد ہمیں تراویح پر دیگر علمائے امت میں سے بھی چیدہ چیدہ اور متفق علیہ شخصیات کی آراء حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں تاکہ یہ اجماعی مسئلہ قارئین کے سامنے بالکل واضح ہو جائے۔

(۱) قطب ربانی، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: صلوة التراویح سنة

النبی ﷺ..... وہی عشرون رکعة۔

نماز تراویح نبی ﷺ کی سنت ہے..... اور تراویح میں رکعات ہیں ۲۰۔

(۲) قطب العارفین امام عبدالوہاب شعرائی فرماتے ہیں: ان صلوة فی شہر رمضان عشرون رکعة وانہا فی الجماعة افضل ۳۔ بے شک نماز تراویح رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور ان کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔

(۳) حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی تحریر کرتے ہیں: التراویح وہی عشرون رکعة و کیفیتھا مشہورۃ وہی سنة مؤکدة ۴۔ تراویح میں بیس رکعات ہیں جن کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۱۔ غنیۃ الطالبین (ص ۳۶۵) ۲۔ تنبیہ:۔ غیر مقلدین کے مطبع مکتبہ سعودیہ کراچی نے جو غنیۃ الطالبین طبع کی ہے اس میں انہوں نے تحریف کر کے شیخ جیلانی کے رکعات تراویح کے متعلق الفاظ: وہی عشرون رکعة (تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کو وہی احدی عشرۃ مع الوتر (تراویح کی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں) سے بدل دیا ہے۔ انا للہ..... غیر مقلدین کی اس بے رحمانہ تحریف پر بہت سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن بطور اختصار صرف ایک حوالہ جو ان کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑی کا ہے پیش خدمت ہے۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:۔ غنیۃ الطالبین کی عبارت وہی عشرون رکعة حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ یہ غنیۃ الطالبین والے کی اپنی عبارت ہے۔ فتاویٰ اہل حدیث (۱/۶۶۱)۔

اب غیر مقلدین کی اس تحریف پر اس سے بڑی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ ۳۔ میزان (ص ۱۵۳) ۴۔ احیاء العلوم (۱/۱۳۹)

- (۴) شارح مسلم امام محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں: اعلم ان صلوة التراویح سنة باتفاق المسلمین وهي عشرون ركعة يسلم من كل ركعتين ۱۔ جان لو کہ نماز تراویح ہا اتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک سنت ہے اور یہ بیس رکعات ہیں جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔
- (۵) مشہور محدث اور فقیہ، حافظ المغرب علامہ ابن عبد البرؒ نہیں تراویح کے متعلق فرماتے ہیں: وهو قول جمهور العلماء، وهو الاختيار عندنا ۲۔ یہ بیس تراویح جمہور علماء کا قول ہے اور ہمارے (مالکیہ) نزدیک بھی یہی پسندیدہ ہے۔
- (۶) مشہور محقق، شارح حدیث امام سبکیؒ فرماتے ہیں: ومذهبنا ان التراویح عشرون ركعة ۳۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔
- (۷) شیخ الاسلام امام ابو زکریا انصاریؒ رقمطراز ہیں: وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات في كل ليلة في شهر رمضان ۴۔ تراویح رمضان المبارک کی ہر رات میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔
- (۸) شیخ احمد الدروریؒ مالکی لکھتے ہیں: وهي ثلاث وعشرون ركعة بالشفع والوتر كما كان عليه العمل۔ ۵ تراویح وتر سمیت تیس رکعات ہیں، جیسا کہ اسی پر عمل بھی ہے۔
- (۹) امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہی: وعدده عشرون ركعة وذلك انهم رأوا النبي ﷺ شرع للمحسنين احدى عشرة ركعة في جميع السنة فحكموا انه لا ينبغي ان يكون حظ المسلم في رمضان عند قصده الافتحام في لجة التشبه بالملكوت اقل من ضعفها ۶۔ اور قیام رمضان (تراویح) کی بیس رکعتیں ہیں اور یہ اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے ایک سو کاروں کیلئے (تہجد) کی گیارہ رکعتیں پورا سال
- 
- ۱ کتاب الاذکار (ص ۸۳) ۲ طرح القریب فی شرح القریب (۳/۸۸) ۳ المصابیح (ص ۱۳)
- ۴ شرح روضة الطالب (۱/۲۰۰) بحوالہ القول المستبين (ص ۲۵۱) ۵ شرح الکبیر (۱/۳۱۵)
- ۶ حجة الله البالغة (۲/۱۸) مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی

مقرر کی ہیں، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تہبہ بالمہلکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر والی نماز کی رکعتوں کے دو گنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۰) علامہ سید منصور بن علی ناصف (من علماء الازھر) لکھتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تراویح کی بیس رکعات مقرر کی ہیں اور پھر اس پر مداومت کی۔ پس یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجماعی رائے ہوئی جس کو انہوں نے فعل حسن سمجھ کر اختیار کیا۔ فہو عند اللہ حسن (صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل عند اللہ بھی اچھا عمل ہے)، اس حدیث کی رو سے جس کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے کہ جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے الحدیث ۱۔

تلك عشرة كاملة۔

## بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین سے:

احادیث رسول، آثار صحابہ، آثار تابعین و تبع تابعین، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم تو ارسا امت اور ائمہ اربعہ و دیگر علمائے امت کے ارشادات کے بعد اب بیس تراویح کے اثبات میں خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر کے کچھ اقوال و ارشادات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اصغر غیر مقلدین جو ہر طرف بیس تراویح کے خلاف ۲۴ چہ زن ہیں ان پر حجت تام ہو جائے کیونکہ افضل الشہادات ما شہدت بہ الاعداء۔

(۱) علامہ داؤد بن علی الظاہری جو فرقہ ظاہریہ کے امام اور غیر مقلدین کے ہاں نہایت قدر و منزلت کے مالک ہیں، یہ بھی بیس تراویح کے قائل تھے اور ان کے مذہب میں بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے۔ ۱۔  
(۲) غیر مقلدین کے مجدد العصر اور رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحب بھی بیس تراویح کو مسنون کہتے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: بیس آن بزیادت عامل بسنت ہم باشد۔ ۲۔  
پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑھائی ہوئی تعداد یعنی بیس تراویح پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔ نیز جو غیر مقلدین بیس تراویح کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں: اما آنکہ جمع از اہل علم این نماز بسنت رکعات قرار دہ اند و در ہر دور کعتی قرأت متعین رامستحسین داشته این عدد از حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثبت نشده است ولیکن چیزے است براں این معنی صادق است انه صلوة و انه جماعه و انه رمضان پس حکم مبتدع آن چہ معنی؟ ۳۔

اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دیں ہیں اور ہر دور رکعت کے اندر قرأت کی متعین مقدار کو اچھا سمجھا ہے تو یہ عدد مخصوص اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر صادق آتا ہے کہ یہ جماعت ہے اور یہ رمضان المبارک میں ہے پھر اس کو بدعت کہنے کا کیا مطلب ہے؟  
(۳) مشہور غیر مقلد عالم اور نواب صاحب کے صاحبزادے مولانا نور الحسن خان صاحب تحریر کرتے

۱۔ یکھے بدایۃ الجہد (۱/۱۶۶)، شرح مہذب اللہ وئی (۳/۱۳۲) ۲۔ ہدایۃ السائل (۱۲۸) ۳۔ بدور الاحلۃ (ص ۸۳)

ہیں۔ پس منع از بست و زیادہ چیز سے نیست ۱۔ پس بیس رکعت تراویح یا اس سے زیادہ رکعات سے منع کرنا کوئی چیز نہیں رکھتا۔

(۴) اہل عرب کی مشہور علمی شخصیت شیخ محمد عبدالوہاب نجدیؒ بھی بیس تراویح کے قائل تھے چنانچہ شیخ موصوف تحریر کرتے ہیں۔ ولنا ان عمرؓ جمع الناس علی ابی بن کعبؓ کان یصلی بہم عشرین رکعة ۲۔

بیس تراویح کے اثبات میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ شیخ موصوف اگرچہ حنبلی المسلك ہیں جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے لیکن چونکہ پاک و ہند کے غیر مقلدین ان کو غیر مقلد ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا تبع اور تابعدار ٹھہرا کر اہل عرب سے ان کی تعلیمات پھیلانے کے نام سے پیسے بٹرتے ہیں۔ لہذا ان کا یہ فتویٰ غیر مقلدین پر حجت ہے اور اس کا ماننا ان پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔

(۵) مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد (جن کی کتاب انوار المصاحح پر غیر مقلدین کی رکعات تراویح میں ساری تحقیقات کا مدار ہے اور اس کے بعد غیر مقلدین کی جتنی کتابیں، ”نور المصاحح“ وغیرہ، لکھی گئی ہیں وہ سب اسی کا سرقہ اور چہ بہ ہیں) حضرت عمرؓ کے دور میں بیس تراویح پڑھے جانے کے متعلق لکھتے ہیں: فاروق اعظمؓ اس سے روکتے کیوں؟ یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔ ۳

نیز لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے بیس پر تکبیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے ۴۔

(۶) غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: ہاں حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس (تراویح) پڑھی گئی ہیں ۵۔

نیز لکھتے ہیں: غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔ خواہ کوئی بیس پڑھے، خواہ چوبیس پڑھے، خواہ چھتیس پڑھے، خواہ اڑتالیس پڑھے، خواہ چالیس ۶۔

۱۔ العرف الجادی (ص ۸۳) ۲۔ مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۷/۳) ۳۔ انوار المصاحح (ص ۲۳۲)

۴۔ ایضاً (ص ۲۳۳) ۵۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل (ص ۹۹) ۶۔ ایضاً (ص ۱۰۲)

(۷) غیر مقلدین کے مشہور مرکز مدینہ منورہ کے مدرسین اور محدث نے اپنے رسالہ ”محدث“ میں یہ بیان دیا تھا کہ آٹھ سے زیادہ (بیس) تراویح پڑھنا درست اور باعث اجر ہے۔ ۱۔

(۸) غیر مقلدین کے شیخ اکمل مولا نازیر حسین دہلوی کے شاگرد خاص اور غیر مقلدین کے بزرگ عالم دین مولا نامیاں غلام رسول صاحب بھی تراویح کے زبردست حامی اور صرف آٹھ تراویح کو مسنون کہنے والوں کے سخت مخالف تھے اور جب مفتی محمد حسین بنالوی غیر مقلد نے آٹھ تراویح کے سنت اور بیس تراویح کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تو اس فتویٰ کا رد سب سے پہلے میاں صاحب نے ہی ایک رسالہ کی صورت میں لکھا، چنانچہ وہ اپنے رسالہ میں مفتی بنالوی کے فتویٰ کا رد کرنے کے بعد آخر میں بڑی دلسوزی سے فرماتے ہیں: یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل (بیس تراویح) کو

بدعت کہتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین، اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے۔ العیاذ باللہ ۲۔

(۹) مشہور غیر مقلد عالم مولا نوحید الزمان مترجم صحاح ستہ کا ارقام فرماتے ہیں: کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا وکلاً۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا، گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا ان کو بہ سند صحیح یہ (روایت) پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو بیس رکعات تراویح پڑھتے۔ ناقل) دیکھا ہوگا ۳۔

۱۔ فتاویٰ ساریہ (۱۹/۳) ۲۔ ”رسالہ تراویح مع ترجمہ بیانیہ“ (ص ۵۶، ۵۷) ۳۔ لغات الحدیث، مادہ وزغ۔

(۱۰) غیر مقلد عالم اور شاعر مولانا حافظ محمد لکھوی صاحب اپنی پنجابی کی ایک نظم میں ہیں

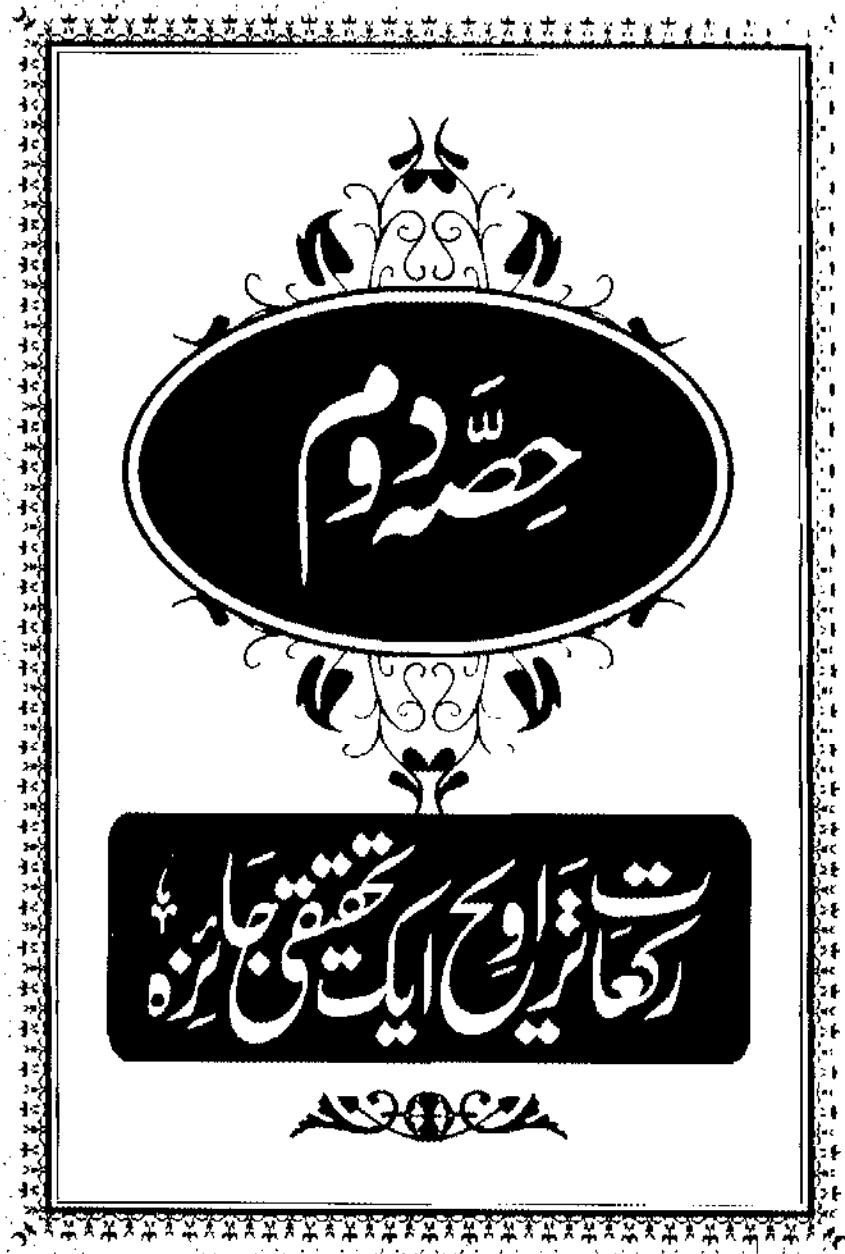
تراویح کو آٹھ تراویح پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

بعضے آٹھ رکعات پڑھدے بعضے ویہ (۲۰) رکعات

جتنی ودھ عبادت رب دی اتنی ہی ودھ براتاں لے

تلك عشرة كاملة







## باسمہ سبحانہ

۱۔ اول میں اس حدیث رسول ﷺ، آثار صحابہ ﷺ، آثار تابعین و تبع تابعین، اجماع صحابہ ﷺ، تراویح، اور بعد ازاں دیگر ملائے لرام (بشمول علمائے غیر مقلدین) کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔ تراویح کا خون حد میں تراویح ہے اور میں تراویح سے کم تراویح پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ان دلائل پر غیر مقلدین کی طرف سے وارشدہ تقریباً تمام اعراضات کے مسکت اور ٹھوس جوابات بھی قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حصہ دوم میں ہم غیر مقلدین حضرات کے دعویٰ کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہی مسنون ہیں کا جائزہ لیں گے اور اس دعویٰ کے اثبات میں وہ جتنے دلائل پیش کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی تفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے واضح کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس سے پہلے رکعات تراویح سے متعلق غیر مقلدین کے چند مختلف نظریات ملاحظہ فرمائیں۔

### غیر مقلدین کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات

(۱) غیر مقلدین کے شیعہ حضرات جیسے نواب صدیق حسن خان صاحب، مولانا میاں غلام رسول صاحب وغیرہ حضرات جمہور امت کی طرح ہیں تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ آپ حصہ اول میں ان کے اقوال ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۲) غیر مقلدین میں جو سخت اور متعصب قسم کے لوگ ہیں وہ صرف گیارہ رکعات کو ہی مسنون کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ صرف گیارہ رکعات ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہیں اور گیارہ کے علاوہ کوئی اور عدد تراویح نہ نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد سے منقول ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: وهو الثابت عن رسول الله ﷺ بالسند الصحيح وبها امر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، واما الاقوال الباقية فلم يثبت واحدا منها عن رسول الله ﷺ بسند صحيح ولا يثبت الامر به من احدهم من الخلفاء الراشدين بسند صحيح خال من الكلام ل۔

گیارہ رکعات کا مسنون ہونا ہی نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور اسی کا حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا تھا اور گیارہ رکعات کے علاوہ باقی جتنے اقوال ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح سند کے ساتھ جس میں کلام نہ ہو، نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ سے ثابت ہے۔ (۳) غیر مقلدین میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں العیاذ باللہ۔ چنانچہ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں: مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے ۱۔

مولوی یونس قریشی غیر مقلد لکھتے ہیں: البتہ بیس یا تیس کی تعداد معین اور خاص کر نادرست نہیں کیونکہ اس عمل کے بدعت ہو جانے کا خوف ہے ۲۔

(۴) بعض حضرات غیر مقلدین جو سنت تو صرف آٹھ رکعات تراویح کہتے ہیں البتہ آٹھ سے زائد کو وہ بدعت نہیں کہتے بلکہ مستحب کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: رسول اللہ کی سنت پاک تو آٹھ رکعات تراویح ہی ہے اور اس سے زائد پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافرمانی عبادت ہے ۳۔ مولانا ذریعہ رحمانی لکھتے ہیں: اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فعل سے جو تعداد بسند صحیح ثابت ہے وہ سنت اور بہتر ہے۔ باقی نقلی نماز کی حیثیت سے اس کی کوئی تحدید و تعین نہیں ہے، جس سے جتنی ہو سکے پڑھے ۴۔ مولانا داؤد غزنوی امیر جماعت اہل حدیث اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں ۵۔

(۵) غیر مقلدین میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو نماز تراویح کو جماعت سے ہی پڑھنے کے مخالف ہیں اور حضرت عمرؓ کے قائم کردہ اس طریقہ جماعت کو نعوذ باللہ بدعت عمری اور بدعت ضلالہ گر دانتے ہیں چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے سرخیل اور ان کے مشہور محقق علامہ امیریمائی صاحب جماعت تراویح کے متعلق لکھتے ہیں: والمحافظة عليها هو الذي نقول انه بدعة ۶۔

تراویح کی جماعت کے ساتھ باقاعدگی سے ادائیگی کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ اس سے چند سطور قبل

۱۔ رفع الاختلاف (ص ۵۴) بحوالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۸) ۲۔ دستور امتی (ص ۱۴۲) ۳۔ صلوة الرسول

(ص ۳۸۵) ۴۔ انوار المصابیح (ص ۴۴) ۵۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۶/۲۶۵) ۶۔ سبل السلام (۲/۱۱)

امیر یمنی صاحب لکھتے ہیں: ان عمر رضی اللہ عنہ هو الذی جعلها جماعة علی معین و سماها بدعة و اما قوله نعم البدعة فليس في البدعة ما يمدح بل كل بدعة ضلالة۔  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت ضلالتہ (گمراہی) ہے۔ نعوذ باللہ من فتنہ۔

(۶) جماعت غیر مقلدین کے بعض علماء تراویح کی جماعت کو سنت نہیں سمجھتے لیکن یہ سابقہ جماعت کی نسبت تھوڑے نرم ہیں اور اس کو بدعت ضلالتہ کی بجائے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالقادر حصاروی صاحب لکھتے ہیں: مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے۔

(۷) بعض دوسرے غیر مقلدین سابقہ غیر مقلدین کے بالمقابل تراویح کے لیے جماعت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاویٰ علمائے حدیث میں تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

(۸) قاضی شوکانی وغیرہ غیر مقلدین تراویح کو جماعت اور بلا جماعت دونوں صورتوں میں ادا کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

حضرات! یہ ہیں غیر مقلدین کے اکابر کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق تقریباً آٹھ قسم کے مختلف نظریات، ان میں سے ہر ایک نظریہ دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف ہے اب ہم موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کی خدمت میں بصداد عرض کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ ان مذکورہ نظریات میں سے کون کون سا نظریہ درست اور کون کون سا غلط ہے؟ موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کا اب کون سا نظریہ ہے؟ یہ بھی بتلایا جائے کہ آپ کے جن اکابر نے بدعت کو سنت اور مستحب یا سنت اور مستحب کو بدعت کہا ہے، قرآن و حدیث کی رو سے ان کے بارے میں آپ کا

۱۔ ایضاً ۲ صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ بحوالہ رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۴۲) ۳ دیکھئے فتاویٰ

کیا فیصلہ ہے؟ جب تک جماعت یہ فیصلہ نہیں کر پاتی ہم ان کے جواب کے آنے تک یہی کہیں گے۔  
کس کا یقین سچے کس کا یقین نہ سچے لائے ہیں بزم دوست سے یار خبر الگ الگ

## آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ

حصہ اول میں بیس تراویح کے اثبات میں ٹھوس اور صریح دلائل آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں اب  
صرف آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے ذکر کردہ دلائل مع جوابات ملاحظہ کریں تاکہ تصویر کے دونوں  
رخ آپ پر واضح ہو جائیں اور آپ دونوں قسم کے دلائل میں صحیح طور پر موازنہ کر سکیں: کیونکہ مشہور ہے کہ:

### ع وبضدھا تبتین الاشیاء

تنبیہ ضروری:۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہم حصہ دوم میں بھی یہی کوشش کریں گے کہ جو بات بھی کہی  
جائے وہ مدلل اور باحوالہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز یہاں بھی حصہ اول کی طرح تمام حوالہ جات غیر مقلدین کے مستند اور  
مسلمہ علماء کی تصریحات کی روشنی میں ہونگے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَهُ أُتِينَب

## آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ

پہلی دلیل۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان  
رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے ان کی خوبی اور درازی  
کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے پس ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ  
پوچھو، پھر آپ تین رکعات (وتر) پڑھتے، الخ ۱۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول  
اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں پر سلام  
پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے، الخ ۲۔

جواب: اپنے دعویٰ میں غیر مقلدین کی اس مرکزی دلیل کے متعدد جوابات میں سے صرف دس جوابات

۱ صحیح بخاری (۲۶۹/۱) ۲ صحیح مسلم (۲۵۴/۱)

ہد یہ ناظرین ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ دونوں حدیثیں (کیفیت کے لحاظ سے) ایک دوسرے سے معارض ہیں لیکن مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے جب کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ آٹھ رکعتیں چار چار کر کے پڑھتے تھے یعنی ہر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور محدث اور مصنف مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظاہر یہی ہے کہ پہلی چار چار رکعتیں ایک ایک سلام سے اور پچھلی تین رکعتیں (وتر کی) ایک سلام سے تھیں۔ علامہ امیریمائی صاحب غیر مقلد اس حدیث کے الفاظ بصلی اربعاً کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: یحتمل انہا متصلات وهو الظاهر ویحتمل انہا منفصلات وهو بعید۔ ۱

احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں اکٹھی یعنی ایک سلام کے ساتھ تھیں اور یہی اس کے ظاہر معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ یعنی دو سلاموں کے ساتھ ہوں لیکن یہ (حقیقت سے) بعید ہے۔

غیر مقلدین کے مجملہ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی اس سوال کے جواب میں کہ کیا چار نوافل اکٹھے ایک سلام کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں لکھتے ہیں: صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہ سے مروی ہے: کان یصلی اربعاً کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے اور ظہر کے فرض سے پہلے بھی بخاری میں چار رکعات کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار نوافل اکٹھے پڑھنے کا جواز ہے ۲۔ مولانا صادق سیالکوٹی صاحب غیر مقلد اپنی مشہور کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے اور پھر تین وتر ۳۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد نے بھی ان چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ قرار دیا ہے ۴۔ غیر مقلدین کے اکابرین کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ بخاری والی روایت میں

۱ تحفۃ الاحوذی (۱/۳۳۱) ۲ سبل السلام (۲/۱۳) ۳ الاعتصام (ص ۵) (۱۸۶۱۲ فروری ۱۹۹۹ء)

۴ صلوٰۃ الرسول (ص ۳۷۰) ۵ رسالہ تراویح (ص ۵۸)

یہ چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ہر چار رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے اور یہ صحیح مسلم کی روایت سے معارض ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ اسی طرح بخاری والی روایت میں ہے کہ آپ تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے جب کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک وتر پڑھتے تھے۔ نیز یہ دونوں روایتیں عدد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں آٹھ رکعات (قیام اللیل) اور تین رکعات (وتر) کا ذکر ہے جب کہ مسلم شریف کی روایت میں صرف ایک وتر (بقول غیر مقلدین) اور دس رکعات قیام اللیل کا ذکر ہے۔ اب یہ دونوں روایتیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے معارض ہیں اور دو باہم معارض روایتوں سے غیر مقلدین کا حجت پکڑنا باطل ہو گیا کیونکہ اذا تعارضتا تساقطا۔

اس تفصیل سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر رنگ بھی باطل ہو گیا کہ صحیح مسلم کی روایت صحیح بخاری کی روایت کیلئے مقبض ہے کیونکہ جب خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں حدیثیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور معارض ہیں تو پھر ایک دوسرے کیلئے مفسر کیسے ہو گئیں؟

(۲) اس حدیث سے رکعات تراویح پر استدلال ہی فضول ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں وہ تہجد کی نماز ہے، اس کا تراویح کی نماز سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ چنانچہ روایت مسلم میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں لہذا یہ روایت تو موضوع (رکعات تراویح) سے ہی خارج ہے اور بخاری کی روایت میں اگرچہ رمضان کا ذکر ہے لیکن اس میں ساتھ غیر رمضان کا لفظ بھی صریح ہے جو کہ اس کے نماز تہجد ہونے پر دال ہے کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں بلکہ جو نماز پورا سال (رمضان وغیر رمضان میں) پڑھی جاتی ہے وہ نماز تہجد کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیا ہے۔ مثلاً علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری اس حدیث میں فرماتے ہیں: اما ان امراد بها صلوة الوتر والسؤال والجواب واردان عليه ل۔



اس حدیث سے مراد وتر (تہجد) کی نماز ہے اور (حضرت عائشہؓ سے) سوال اور (ان کا) جواب تہجد کے متعلق تھا۔

علامہ ابو بکر بن العربی شارح ترمذی فرماتے ہیں:

وما كان النبي ﷺ اذ في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة وهذه هي قيام  
 ۱۱۱ (۱۰۰) - ان الامم في غيرها بالنبي ﷺ -

نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی نماز قیام اللیل (تہجد) تھی۔ پس واجب ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اس روایت عائشہؓ کو تہجد سے متعلق قرار دے کر گیارہ رکعات (تہجد مع الوتر) کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں: وظهر لبي الحكمة في عدم الزيادة على إحدى عشرة ان التهجيد والوتر مختص بصلوة الليل وفرائض النهار الظهر وهى اربع، والعصر وهى اربع والمغرب وهى ثلاث وتر النهار فتناسب ان تكون صلوة الليل كصلوة النهار في العدد جملة وتفصيلاً -

میرے لیے ظاہر ہوا کہ گیارہ رکعات سے زائد رکعت نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وترات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور دن کے فرائض گیارہ ہیں، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، اور مغرب کے تین فرض جو دن کے وتر ہیں پس مناسب ہوا کہ رات کی نماز بھی اجمال اور تفصیل دونوں میں دن کی نماز کے مشابہ ہو جائے۔

قاضی عیاض مالکیؒ نے بھی حضرت عائشہؓ کی تمام روایات کو جن میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر ہے، تراویح کی بجائے صلوة اللیل (نماز تہجد) کے متعلق قرار دیا ہے -

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: وصحيح أنست كه أنجا  
 آنحضرت ﷺ گزار دوہمہ تہجد بود کہ یازده رکعت باشد -

۱۔ عارضۃ الاخوانی شرح ترمذی (۱۹/۳) ۲۔ فتح الباری شرح بخاری (۳/۳۲۹، ۳۲۸) ۳۔ دیکھئے شرح مسلم

للنوی (۲۵۳/۱) ۴۔ بحوالہ فقہ حنفی قرآن وحدیث کی نظر میں (ص)

صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعات پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود۔ حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد پر محمول ہے کہ وہ رمضان و غیر رمضان میں برابر تھی۔

قاضی محمد بن علی شوکانی غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: وقد ورد عن عائشہ فی الاخبار عن

صلواتہ باللیل روایات مختلفہ..... ومنها عند الشیخین انه ما کان یزید ﷺ فی

رمضان و لافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً ۲۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز (تہجد) کے متعلق مختلف روایات مروی ہیں ان میں سے ایک بخاری اور مسلم کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ مشہور غیر مقلد مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کا یہ حوالہ حدیث حضرت عائشہؓ کی تشریح میں ماقبل میں گزر چکا ہے کہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ آٹھ رکعات تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے ۳۔

اسی طرح مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد کا یہ حوالہ بھی گزر چکا جس میں وہ اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: صحیح بخاری و غیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

کان یصلی اربعاً کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے ۴۔

پس جب محدثین کرام اور خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق نماز تہجد سے ہے اور مقدمہ میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تو پھر غیر مقلدین کا اس تہجد والی حدیث سے آٹھ تراویح پر استدلال کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔

(۳) ہماری اس بات کی تائید کہ مذکورہ حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھے ہیں اور اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر

۱ فتاویٰ عزیزیہ (ص ۱۲۵) ۲ نیل الاوطار (۳/۳۹) ۳ صلوة الرسول (ص ۳۷۰) ۴ ہفت روزہ الاعتصام

کرنے کی بجائے تہجد کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ نے اپنی مؤطا ۱ میں، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ۲ میں، امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی ۳ میں، امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد ۴ میں، امام نسائی نے من نسائی ۵ میں، امام خطیب تبریزیؒ نے مہکلوۃ المصاحیح ۶ میں، حافظ ابن القیم نے زاد المعاد ۷ میں، امام محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل ۸ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام ۹ مع سبل السلام میں اور دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتب حدیث میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے اور تراویح کا باب الگ قائم کیا ہے اور اس میں اس حدیث کا ذکر کرنا تو کجا اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا۔ اسی طرح محمد صادق سیالکوٹی صاحب غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب الصلوٰۃ الرسول ۱۰ میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تراویح کی بجائے تہجد سے ہے ۱۱۔

۱ (ص ۳۳) ۲ (۱۵۴/۱) ۳ (۵۸/۱) ۴ (۱۹۶/۱) ۵ (۱۵۴/۱) ۶ (۱۰۶/۱) ۷ (۸۶/۱)  
 ۸ (ص ۹۱) ۹ (۱۳/۲) ۱۰ (ص ۴۰۶) ۱۱ اشکال۔ غیر مقلدین حضرات اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری، امام محمد، امام بیہقی اور علامہ نیوٹی نے اس حدیث پر تراویح کے ابواب باندھے ہیں۔ لہذا ان ائمہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔ نور المصاحیح (ص ۱۳) وغیرہ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال محض خیال اور وہم ہے۔

اولاً۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس حدیث کو کئی ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وغیرہ میں بھی اس کو ذکر کیا۔ اب رمضان وغیرہ کے الفاظ صراحتاً اس پر دال ہیں کہ امام بخاریؒ کی مراد یہاں تہجد کی نماز کا بیان کرنا ہے کیونکہ غیر رمضان میں نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب فضل من قام رمضان کے تحت بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد صرف قیام رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے، اس کی تعداد رکعات بیان کرنا ان کا مقصد نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کیونکہ اگر امام بخاریؒ کا مقصد قیام رمضان کی تعداد بیان کرنا ہوتا تو وہ باب کا عنوان فضل من قام رمضان کی بجائے عدد قیام رمضان قائم کرتے۔ اذلیس فلیس۔  
 نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر تراویح کا باب باندھا ہے کیونکہ انہوں نے یہاں باب کا عنوان قیام رمضان (قام رمضان) قائم کیا اور غیر مقلدین کے مستند فتاویٰ "فتاویٰ علمائے حدیث" میں ہے کہ: قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے اور نیز علامہ کرمانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جو کرمانی نے کہا ہے کہ: قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انہوں نے انوکھی بات کہی ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۶/۲۳۳) بحوالہ تحقیق التراویح (ص ۶)  
 پس جب غیر مقلدین کے نزدیک قیام رمضان کا لفظ عام ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ تو پھر اگر امام بخاریؒ =

= نے قیام رمضان والے عمومی باب میں اس تہجد والی حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔

ثانیاً: امام بیہقی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں اس حدیث پر باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان کا عنوان قائم کیا ہے لیکن امام بیہقی کے اس عنوان میں اجمال ہے کہ قیام سے یہاں مراد قیام اللیل ہے یا قیام رمضان؟ عین ممکن ہے کہ ان کی مراد یہاں قیام سے عام ہو جو قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں کو شامل ہے۔ پھر اس عام عنوان کے تحت انہوں نے قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں قسم کی احادیث کو ذکر فرمایا۔ بالفرض اگر یہاں قیام سے صرف قیام رمضان ہی مراد ہے تو پھر بھی امام بیہقی کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ابھی فتاویٰ علمائے حدیث کے حوالہ سے گزرا ہے کہ قیام رمضان تراویح سے اعم ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

ثالثاً: امام محمد نے اس حدیث عائشہؓ کو اپنی کتاب مؤطا میں باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل کے تحت فرمایا ہے۔ اس باب سے امام محمد دو چیزوں پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ اول: قیام شہر رمضان کا اثبات بلا عدد رکعات اس کے لئے انہوں نے قیام شہر رمضان کا عنوان قائم کیا۔ ثانی: رمضان المبارک میں عبادت (تہجد وغیرہ) کرنے کی فضیلت کا بیان اس کیلئے انہوں نے وما فیہ من الفضل (یعنی رمضان المبارک میں جو فضیلت ہے اس کا بیان) کا عنوان قائم کیا ہے۔ اب اس باب کے تحت انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا رمضان المبارک میں تین دن نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور تعداد رکعات کا اس میں کوئی تعین نہیں ہے۔ اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت نقل کی جس میں رسول اللہ ﷺ کا نماز تہجد کی گیارہ رکعات پڑھنا مذکور ہے۔ اب باب کی پہلی حدیث کا تعلق عنوان کے پہلے حصے قیام شہر رمضان سے ہے اور دوسری حدیث کا تعلق عنوان کے دوسرے حصے وما فیہ من الفضل سے ہے کیونکہ رمضان المبارک میں نماز تہجد پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے، اس لئے امام موصوف نے اس تہجد والی حدیث کو باب کے دوسرے عنوان وما فیہ الفضل کے تحت ذکر فرمایا۔ لہذا اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک حدیث مذکورہ کا تعلق نماز تراویح سے ہے۔

رابعاً: علامہ نیوٹی نے اگرچہ اس حدیث پر التراویح عثمان رکعات کا باب باندھا ہے لیکن ان کی اس تہویب سے یہ استدلال کرنا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے غلط ہے کیونکہ ان کی کتاب آثار السنن کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں کہ ان کی پوری کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے مخالف مسلک کے مطابق باب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے مخالف نے استدلال کیا ہے، خواہ ان استدلال کا تعلق ان کے نزدیک مذکورہ باب =

(۴) اگر اس صحیح الحدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے تو پھر بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کرام کبھی بھی یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی بھی عدد کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں حالانکہ بخاری شریف کی یہ روایت ان کے زیر نظر اور زیر مطالعہ تھی وہ حضرات آن فل سے غیر مقلدین سے احادیث کے جاننے اور سمجھنے میں زیادہ ماہر تھے اور عصر حاضر کا کوئی غیر مقلد عالم ان کے علم و فضل سے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود یہ جہاں علم صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسی صحیح روایت میں نبی ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد منقول نہیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ان العلماء اختلفوا فی عددھا ولو ثبت من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیھا۔ علمائے کرام نے تراویح کے عدد میں اختلاف کیا ہے اور اگر تراویح کا کوئی خاص عدد نبی ﷺ سے ثابت ہوتا تو وہ اس میں اختلاف نہ کرتے۔ نیز سیوطی لکھتے ہیں: وانما صلی لیلالی صلوة لم یدکر عددھا۔

نبی ﷺ نے صرف چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی جس کا کوئی عدد (صحیح احادیث میں) مذکور نہیں۔

= ہو یا نہیں اسکے بعد وہ اپنے مسلک کے مطابق باب قائم کر کے اپنے استدلال ذکر فرماتے ہیں۔ صرف ابواب الوتر میں ان کی بیان کردہ ترتیب دیکھ لیں کہ رکعات وتر کی تعداد بیان کرتے وقت انہوں نے پہلے باب الوتر بچمسس او اکثر من ذلک کا عنوان قائم کر کے اس قسم کی احادیث کو جمع کیا۔ پھر باب الوتر برکتہ قائم کر کے اس کے تحت اس موضوع کی احادیث ذکر فرمائیں اور پھر اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق الوتر ثلاث رکعات کا باب قائم کر کے اس کے تحت اپنی استدلال احادیث کو جمع فرمایا۔ حالانکہ ان کے نزدیک صرف تین رکعات وتر پڑھنا ہی جائز ہے عینہ اسی طرح انہوں نے رکعات تراویح بیان کرتے وقت پہلے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق باب التراویح خمس رکعات قائم کر کے ان کے استدلال کو ذکر کیا اور اس میں حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کو بھی ذکر کیا اور پھر آخر میں اپنے مسلک کے مطابق باب فی التراویح عشرین رکعات قائم کر کے اپنے استدلال ذکر کئے۔ لہذا اگر انہوں نے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیث عائشہؓ کو تراویح کے باب میں ذکر کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود علامہ نیوی کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔ پس غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ امام بخاری، امام بیہقی، امام محمد اور علامہ نیوی کے نزدیک حدیث حضرت عائشہؓ کا تعلق تراویح کے باب سے ہے۔

نیز تراویح کی تعداد کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولو ثبت عددہا بالنص لم تجز زيادة عليه ۱۔ اگر تراویح کا کوئی عدد کسی (صحیح) نص سے ثابت ہوتا تو اس پر زیادتی جائز نہ ہوتی۔ امام سیوطیؒ کی ان عبارات سے جہاں غیر مقلدین کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات تراویح کا عدد ثابت ہے وہیں ان کا سیوطیؒ کی ان عبارات کی یہ تاویل کرنا بھی باطل ہو جاتا ہے کہ امام سیوطیؒ کی مراد ان عبارات سے بیس تراویح کی نفی کرنا ہے۔ اس لئے کہ وہ مطلق عدد کی نفی فرما رہے ہیں جو آٹھ، بیس وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ رکعات تراویح میں غیر مقلدین کے سب سے بڑے وکیل مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد بھی نہ مانتے مانتے یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے کہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ امام سیوطیؒ کے نزدیک بجائے بیس کے اگر آٹھ رکعات بلا وتر ثابت ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے انھوں نے بیان کیا ہے تو اس پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ (انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے) لو ثبت ذلك من فعل النبي ﷺ لم يختلف فيه تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ معارضہ اس وقت صحیح ہوتا جب امام سیوطیؒ اس عدد کو تحدید و تصدیق کے ساتھ ثابت مانتے ۲۔

معلوم ہوا کہ امام سیوطیؒ رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو رکعات تراویح کی تحدید میں ثابت نہیں

مانتے۔ والفضل ماشهدت به الاعداء

اسی طرح امام تاج الدین سبکیؒ شرح منہاج میں لکھتے ہیں: اعلم انه لم ينقل کم صلی

رسول اللہ ﷺ فی تلك الليالی هل هو عشرون او اقل و مذہبنا انها عشرون  
رکعة ۳۔ جان لو کہ یہ منقول نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں نماز تراویح پڑھی وہ بیس رکعات  
تھیں یا اس سے کم (آٹھ وغیرہ) اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں ۴۔

۱۔ الحاوی (۴۱۵/۱) ۲۔ انوار المصباح (ص ۵۰) ۳۔ مصابح (ص ۱۳۴) (ص ۱/۴۱۷) ۴۔ بعض غیر مقلدین (مولانا

نذیر رحمانی صاحب وغیرہ نے امام سبکیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ: اعلم انه لم ينقل الخ..... تو ان کا مقصد یہ ہے کہ صحیحین یا سنن کی جن روایتوں میں تین راتوں کی تفصیلات مذکور ہیں ان روایتوں میں کوئی عدد منقول نہیں ہے کہ رکعات کی تعداد بیس ہے یا اس سے کم۔ یہ منشا نہیں کہ مطلقاً فعل نبوی سے تراویح کا کوئی عدد منقول ہی نہیں۔ =

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ومن ظن ان قيام رمضان فيه عدد معين موقت عن النبي ﷺ لا يرد ولا يثبت من فقد أخطأ۔

انوار المصباح (ص ۴۱) اور فیہ بیان فیہ مقلدین کی بیان کردہ یہ تو بیہودہ منہج الوقتی ہے کیونکہ امام سبکی نے اپنی اس عبارت میں نہ تو صحیحین یا ابن ماجہ کی روایت کی ہے اور نہ ہی انہوں نے رسول اللہ کی تعین دن والی تراویح کی جماعت کا تذکرہ کیا بلکہ انہوں نے تو اطلاق حدیث تراویح کی فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی راتیں نماز تراویح پڑھی تو وہ جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت ان کی رکعات کی تعداد کسی بھی صحیح روایت میں منقول نہیں ہے، نہ صحیحین و سنن کی روایات میں اور نہ ہی صحیح ابن ماجہ یا قیام اللیل وغیرہ کی کسی روایت میں۔ لہذا غیر مقلدین کا مطلق کسی حدیث کی نفی سے اپنے مطلب کیلئے صرف خاص حدیث کی نفی مراد لینا بلا دلیل اور محض ہوائی دعویٰ ہے۔

اسی طرح مولانا رحمانی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علامہ سبکی نے جوڑی کے حوالہ سے امام مالک کا یہ قول بلا رد و انکار نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جس عدد تراویح پر جمع کیا وہ مجھے پسندیدہ ہے اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ رکعات کی بابت ان کو امام مالک کا یہ قول تسلیم ہے کہ: ہی صلوة رسول اللہ ﷺ۔ مصلحہ انوار المصباح (ص ۴۵) لیکن اول تو رحمانی صاحب کا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ اس قول کو علامہ سبکی نے نقل کیا ہے کیونکہ اس ضعیف قول کو نقل کرنے والے امام سیوطی ہیں نہ کہ امام سبکی جیسا کہ سیوطی کے کلام سے واضح ہے۔ اور خود رحمانی صاحب کے ہم مسلک غیر مقلدین کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: سیوطی اپنے اصحاب میں سے امام جوڑی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا وہ گیارہ رکعات تھیں۔ الخ انارة المصباح (ص ۲۴) بحوالہ التوضیح عن رکعت التراويح (ص ۱۲۰)۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام سیوطی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو گیارہ رکعاتوں پر منع لیا، نبی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ صلوة التراويح (ص ۱۳) ناشر: اصحاب الحدیث انک شہر۔ پس جب علامہ سبکی نے اس قول کو نقل ہی نہیں لیا تو پھر رحمانی صاحب یہ لیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اس قول کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔

### ع بسوقت عقل زحیرت این چہ بوالعجیبت

جاننا: اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ امام سبکی نے ہی اس قول کو نقل کیا ہے تو پھر بھی یہ کہنا غلط ہے کہ انہوں نے اس قول کی صحت کو بھی تسلیم کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے تو اس ضعیف اور منکر قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ: و مذہبنا انہا عشرون رکعة۔ (ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کیا رحمانی صاحب یا کوئی بھی غیر مقلد امام سبکی جیسے قبیح سنت اور عاشق صادق عالم کے بارے میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ کی نماز تراویح تو گیارہ رکعت تھیں لیکن میرا مذہب بیس رکعات کا ہے۔ اذلیس فلیس۔ مجموعۃ الفتاویٰ (۵۲۰/۱۱)

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی عدد معین ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے کہ جسے نہ زیادہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کم تو وہ شخص غلطی پر ہے۔ نیز فرماتے ہیں: وانه لا يتوقت في قيام رمضان فان النبي ﷺ لم يتوقت فيها عددًا ۱۔

تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا ۲۔  
خود غیر مقلدین کے اپنے بڑے بڑے رہنما بھی یہ حقیقت کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ رکعات تراویح کی بابت رسول اللہ ﷺ سے کوئی عدد صحیح روایت سے مروی نہیں ہے۔ علمائے غیر مقلدین کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں۔ یاد دہانی کے لیے دوبارہ نذر قارئین ہیں۔

۱۔ الفتاویٰ الکبریٰ (۱/۲۲۷) ۲۔ غیر مقلدین حضرات نے اپنی عادت مسترہ کے موافق حافظ ابن تیمیہؒ کی ان واضح اور صریح عبارتوں سے جان چھڑانے کیلئے وہی روش اختیار کی جو وہ امام سنیؒ وغیرہ علماء کی عبارتوں کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب حافظ موصوفؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یوں توجیہ بیان کرتے ہیں:- حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے فعل سے اگرچہ گیارہ یا تیرہ رکعات ثابت ہیں لیکن ان کی تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ گویا انہوں نے نبی ﷺ کے فعل سے گیارہ رکعات کی نفی نہیں کی بلکہ اس کی تحدید و تعیین کی نفی کی ہے یعنی نبی ﷺ کی کسی قولی یا فعلی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بارے میں آپ ﷺ نے رکعات کی کوئی حد مقرر فرمائی ہو کہ اس میں نہ کوئی کمی ہو سکے اور نہ زیادتی اور یہی بات ہم اہل حدیث بھی کہتے ہیں کہ گیارہ رکعات نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے اور یہی سنت اور بہتر ہے لیکن اس کے ساتھ اگر کوئی شخص اس سے کم و بیش بطور نوافل پڑھنا چاہے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ مصلحہ انوار المصاحح (ص ۴۴)۔

لیکن رحمانی صاحب کی یہ ساری توجیہ محض حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے جان چھڑانے کیلئے ایک ناکام حیلہ اور بے سود تدبیر ہے کیونکہ غیر مقلدین کے مذہب اور حافظ ابن تیمیہؒ کے موقف میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، غیر مقلدین حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ ہی گیارہ رکعات سے زائد کو وہ سنت سمجھتے ہیں اور یہی تحدید اور تھمیق ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ غلطی اور خطا بتلا رہے ہیں تو پھر غیر مقلدین اور حافظ ابن تیمیہؒ کا موقف ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے کیا عصر حاضر کے غیر مقلدین جو صرف گیارہ رکعات کے قائل ہیں وہ گیارہ رکعات سے کم یا اس سے زائد رکعات پڑھنے کو سنت کہنے کیلئے تیار ہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت اور حرام تک کہہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اگر یہ تحدید اور تھمیق نہیں جس کا ابن تیمیہؒ سختی سے رد کر رہے ہیں تو نہ جانے یہ تحدید کس چیز کا نام ہے؟ رہا یہ کہنا =





اس طرح علامہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (جن کو غیر مقلدین چودھویں صدی کے مجدد اور محقق اعظم کے لقب سے پکارتے ہیں) فرماتے ہیں کہ: ولسم یات تعیین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة ۱۔ اور تراویح کے عدد (گیارہ یا تیرہ رکعات وغیرہ) کی تعیین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی ہے۔

نواب صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب فرماتے ہیں: وبالجملة عددہ معین در مرفوع نیامده ۲۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

غیر مقلدین کے معتبر اور مستند عالم علامہ وحید الزمان غیر مقلد مترجم صحاح ستہ (جن کے بارے میں مشہور غیر مقلد مولانا بدیع الدین شاہ راشدی یہ القاب بیان کرتے ہیں: نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، صحب السنہ وحید الزمان بن مسیح الزمان الدکنی ۳) بھی ہے اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں: ولا یتعین لصلوة لیالی رمضان یعنی تراویح عدد معین ۴۔ اور رمضان المبارک کی رات کی نماز یعنی تراویح کے لیے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں ۵) نے حضرت ملا علی قاریؒ کا یہ قول بلا رد و انکار نقل کیا ہے: اعلم انه لم یوقت رسول اللہ ﷺ فی التراویح عددا معینا ۶۔ جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔

قارئین: محدثین کرام اور علمائے غیر مقلدین کے ان مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی معین عدد منقول نہیں۔ لہذا عصر حاضر کے غیر مقلدین کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے جو دراصل نماز تہجد سے متعلق ہے، رکعات تراویح پر استدلال کرنا بالکل غلط اور اپنے ہی اکابر کی تصریحات کی خلاف ورزی ہے۔

۱۔ الاثقاد للرجع (ص ۶۱) ۲۔ العرف الجادی (ص ۸۳) ۳۔ ہدیۃ المستفید (۱۰۴/۱) ۴۔ نزل الابرار (۱۲۶/۱)

۵۔ تاریخ المحدث (ص ۴۳۳) ۶۔ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینائع (ص ۵۰، ۴۹)

دل نے پہلے بلالؓ کے سینے کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے  
 ۵۱۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں، وہ آپ ﷺ آخر شب  
 میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ اس نماز کے وقت کی بابت جب ان سے پوچھا گیا تو جناب صدیقہؓ نے فرمایا:  
 ۱۔ آرام اور اہم و اہم آخرہ فیصلیٰ۔ یعنی آپ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں آرام فرماتے تھے  
 اور آخری حصہ میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح ایک اور ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ  
 فرماتی ہیں کہ: ان یقوم اذا سمع السارخ۔ رسول اللہ نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوتے  
 تھے جب (آخر شب) مرغ کی آواز سنتے تھے۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:  
 آنحضرت ﷺ سونے کے بعد (آخر شب) یہ نماز پڑھتے تھے ۳۔ اور آخر شب میں جو نماز پڑھی جاتی  
 ہے وہ تہجد کی نماز ہے نہ کہ تراویح کی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے کہ: تراویح کا  
 وقت اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے ۴۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری  
 اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی ۵۔

۱۰۰۔ الامام ابو الدین یوسف غیر مقلد (سابق ایڈیٹر الاعتصام) لکھتے ہیں: بہر حال تہجد کا مفہوم  
 رات کے پہلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے  
 پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ۶۔

ہمارے غیر مقلدین کا رسول اللہ ﷺ کی آخری شب کی نماز (تہجد) سے اول شب کی نماز (تراویح)  
 پر استدلال کرنا خود اپنے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں باطل ہو گیا۔

جواب نمبر ۶: بالفرض غیر مقلدین کا دعویٰ مان ہی لیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے اور تراویح  
 اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو پھر بھی ان کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعت پر اکتفا  
 کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم ﷺ کا آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہے۔

۱۔ بخاری (۱۵۴/۱)، بحوالہ علی الصلوٰۃ (ص ۳۶) از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد ۲۔ بخاری (۱۵۲/۱) ۳۔ رسالہ تراویح  
 (ص ۵۹) ۴۔ (۲۵۱/۶) ۵۔ فتاویٰ ثنائیہ (۳۳۱/۱) ۶۔ تفسیری حواشی (ص ۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم

پرنٹنگ پریس سعودی عرب

اسی طرح آپ ﷺ سے آٹھ رکعات سے کم اور آٹھ رکعات سے زائد کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ صرف حضرت عائشہؓ سے ہی رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی متعدد صورتیں منقول ہیں جن کی صحت کا خود غیر مقلدین کے علماء کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: وقد ورد عن عائشہ فی الاخبار عن صلاتہ ﷺ باللیل روایات مختلفہ الخ ۱۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز سے متعلق مختلف روایتیں روایت کی گئی ہیں۔ اس کے بعد شوکانی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مختلف صورتیں (دس رکعات، آٹھ رکعات، نو رکعات مع الوتر، سات رکعات مع الوتر وغیرہ) بلا رد و انکار نقل فرمائیں۔ اسی طرح غیر مقلدین کے ایک دوسرے بڑے عالم علامہ امیریمائیؒ لکھتے ہیں: اعلم انه قد اختلفت الروایات عن عائشہ فی کیفیت صلاتہ ﷺ فی اللیل وعددها، فقد روی عنها سبع وتسع واحدی عشرة سوی رکعتی الفجر ومنها هذه الروایة: کان یصلی من اللیل عشر رکعات ویوتر سجدة ای رکعة ویرکع رکعتی الفجر فتلك ثلاث عشرة رکعة الخ ۲۔

جان لو کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت اور تعداد میں روایات مختلف ہیں چنانچہ آپ ﷺ سے سات رکعات، نو رکعات، گیارہ رکعات (مع الوتر) علاوہ دو رکعات سنت فجر کے مروی ہیں اور ان روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز دس رکعات پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر اور دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے، یہ کل تیرہ رکعات ہوئیں

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو سنتوں سمیت پندرہ رکعات پڑھتے تھے الخ۔

مولانا میاں غلام محمد رسول صاحب لکھتے ہیں کہ: امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے جو حضرت سعد بن ہشامؒ کی سند سے آتی ہے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نو رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے اور بسند عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہوتے تھے جن کی ہر دو رکعت کے بعد سلام کہتے تھے اور جب آپ کے پاس مؤذن آچکے تو آپ ﷺ صبح

کی دو سنتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان بن عمروہ کی روایت میں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے، یہ آتا ہے  
 ۱۔ آپ ﷺ تیرہ رکعت اور آلے بن میں صبح کی دو سنتیں بھی ہوتی تھیں اور حضرت عائشہ سے یہ روایت  
 ۲۔ اسی الیٰ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔  
 روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے آٹھ اور پھر تین وتر اور پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔  
 اور ان سے طاری میں یہ بھی ہے کہ آپ کی رات کی نماز سات اور نو رکعت ہوتی تھی (مع الوتر) ۱۔  
 نیز ماہاں صاحب فرماتے ہیں کہ: مصنف سفر سعادت نے (رسول اللہ ﷺ کی) رات کی نماز کے باب میں  
 آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں۔ پس جو کچھ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان  
 اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال کے  
 چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے۔ خود حضرت عائشہ اور اس طرح دوسرے حضرات سے گیارہ سے کم  
 اور زیادہ کی روایت گزر چکی ہیں ۲۔ غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب  
 لکھتے ہیں انہ نہت ان رسول اللہ ﷺ ان قد یصلی ثلاث عشرة رکعة سوی  
 (۱۰۸) العہد ۳۔

یہ ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی فجر کی دو رکعت کے علاوہ بھی تیرہ رکعت پڑھی ہیں۔  
 مولانا عبداللہ غازی پوری نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سنت فجر  
 کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں ۳۔ مولانا صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ: حضرت عائشہ سے رسول خدا  
 کی نماز سے متعلق پوچھا تو جناب صدیقہ نے فرمایا کہ: کبھی سات رکعتیں، کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعتیں مع  
 وتر پڑھتے ۵۔

نیز سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: سات رکعت تہجد میں اگر وتر ایک رکعت پڑھیں تو تہجد چھ رکعت  
 ہوئی۔ اور اگر وتر تین رکعت پڑھیں تو نماز تہجد چار رکعت ہوئی ۶۔ محمد قاسم خولجہ لکھتے ہیں: عائشہ صدیقہ  
 ۷۔ قیام نبوی کے بارے میں فرماتی ہیں: یہ سات یا نو یا گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں علاوہ فجر کی دو سنتوں کے ۷۔

۱۔ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینایح (ص ۲۸، ۲۹) ۲۔ ایضاً (ص ۵۱) ۳۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) ۴۔ رکعت

التراویح (ص ۵) ۵۔ صلوة رسول (ص ۳۶۹) ۶۔ ایضاً علی الصلوٰۃ (ص ۳۰)

اس طرح مولانا نذیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں: حضرت عائشہؓ کا خود بخاری شریف ۱ میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سات بھی پڑھتے تھے نوبھی اور گیارہ بھی۔ ۲  
پس جب صرف حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی تعداد سے متعلق مختلف روایات مروی ہیں اور آپ ﷺ کا آٹھ سے کم اور آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے اور ان سب روایات کی صحت خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے تو پھر غیر مقلدین حضرات یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

ع بسوخت عقل زحیرت این چہ بوالعجیبست

جواب نمبر ۷: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں اس قدر اختلافات (جن کا ہلکا سا نمونہ آپ نے علمائے غیر مقلدین کے مذکورہ بالا بیانات میں دیکھ لیا ہے) کو دیکھتے ہوئے بعض محدثین نے اس حدیث کو ہی مضطرب قرار دیا ہے۔

علامہ محمد شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں: ولاجل هذا الاختلاف نسب بعضهم حديثها

الى الاضطرب ۳۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ان اختلافات کی وجہ سے بعض علمائے محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ امیر میائی غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: ولما اختلفت الفاظ حدیث زعم البعض انه

حدیث مضطرب ۴۔

جب حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں اختلاف ہو تو بعض محدثین نے اس کو مضطرب خیال کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: واضطرب فی هذا الاصل ۵ اس اصل

(حدیث عائشہؓ) میں اضطراب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قال القرطبي اشكلت روايات عائشةؓ على

۱ (۱۵۳/۱) ۲ انوار المصابیح (ص ۷۳) ۳ نیل الاوطار (۳/۳۹) ۴ سبل السلام (۲/۱۳) ۵ الفتاویٰ الکبریٰ (۱/۱۲۷)

كثير من اهل العلم حتى نسب بعضهم حديثها الى الاضطراب ۱۔  
 علامہ قرطبی ۲ فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم پر حضرت عائشہؓ کی روایات مشکل ہوئی ہیں  
 یہاں تک کہ بعض اہل علم نے ان کی اس حدیث کو ہی اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔  
 اب جن محدثین نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے تو یہ حدیث ہی  
 ناقابل حجت ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ: حدیث  
 مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی ۳۔

جواب نمبر ۸: حدیث عائشہؓ کی روایات میں اختلاف کی وجہ سے جن علماء نے اس حدیث کو مضطرب قرار  
 دیا ہے ان کے بالمقابل دیگر علمائے کرام جنہوں نے اس کو مضطرب کہنے کی بجائے ان سب روایات میں  
 تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے بھی اس حدیث سے صرف آٹھ رکعات تراویح پر  
 استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک بھی اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی تمام راتوں کی نماز  
 کا حال مذکور نہیں بلکہ ان کے نزدیک یا تو اس روایت میں اکثر راتوں کا ذکر ہے اور یا یہ تمام روایات  
 آپ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف حالتوں سے متعلق ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ، قاضی عیاض مالکیؒ سے  
 حضرت عائشہؓ کی روایات میں تطبیق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واما الاختلاف في حديث  
 عائشة فقيل هو منها وقيل من الرواة عنها فيحتمل ان اخبارها باحدى عشرة  
 هو الاغلب وباقي رواياتها اخبار منها بما كان يقع نادرا في بعض الاوقات  
 فاكثره خمس عشرة بر كعتي الفجر واوله سبع وذلك بحسب ما كان يحصل  
 من اتساع الوقت اوضيقه بطول قراءة كما جاء في حديث حذيفة ؓ وابن  
 مسعود ؓ اول نوم او عذر مرض او غيره اوفى بعض الاوقات عند كبير السن كما  
 قالت فلما اسن ﷺ صلى سبع ركعات ۴۔

۱ فتح الباری (۳/۳۳۹) ۲ علامہ عبداللہ قرطبی: مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: علامہ قرطبی فقہ مالکی کے

مسئلہ امام ہیں ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بھی بہت بڑی جسارت ہے۔ ”توضیح الکلام“ (۶۵/۱) ۳ تحقیق الکلام (۷/۲)

۴ شرح مسلم للنووی (۲۵۳/۱)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو اختلاف ہے، تو اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان ہی سے منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان سے نقل کرنے والے راویوں کی طرف سے ہے چنانچہ احتمال ہے کہ حضرت عائشہؓ نے گیارہ رکعات کے بارے میں جو خبر دی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت ہو اور انہوں نے اپنی دیگر روایات میں جو خبر دی ہے وہ ان صورتوں پر محمول ہوں جو آپ ﷺ سے بعض اوقات میں صادر ہوئیں۔ پس یہ دو رکعات سنت فجر ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعات اور کم سے کم سات رکعات ہیں یا یہ وقت کی فراخی اور تنگی اور طول قراءت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں آتا ہے یا نیند یا بیماری وغیرہ کے عذر یا بڑھاپے کی وجہ سے بعض اوقات ایسا ہوتا رہا جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول ﷺ (آخر عمر میں) بوڑھے ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھتے تھے..... وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رات کی نماز میں (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ جس میں کمی یا زیادتی نہ کی جاسکے اور رات کی نماز ان نیکوں میں سے ہیں کہ وہ جتنی بھی زیادہ کی جائے ثواب بڑھتا جائے گا۔ اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ نبی ﷺ کا عمل کیا تھا اور انہوں نے اپنے لیے کیا پسند فرمایا واللہ اعلم۔

۱۔ ﴿ف﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری معمول رات کی نماز میں تین وتر سمیت سات رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ اب غیر مقلدین جو اپنے آپ کو قرآن و حدیث کا بلا شرکت غیرے عامل سمجھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ گیارہ رکعات سنت کہنے کی بجائے سات رکعات کو سنت کہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احادیث نبویہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ: انما یؤخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا خرفا لا خرف۔ صحیح بخاری (۹۶/۱) کہ نبی ﷺ کا جو آخری عمل ہو گا وہ لیا جائے گا۔ اس ضابطہ کی رو سے رسول ﷺ کی سنت تین وتر سمیت سات رکعات بنتی ہے لیکن غیر مقلدین اس کے برخلاف صرف گیارہ رکعات کو سنت کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ گیارہ سے زائد کو۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نہ تو قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کے دعویٰ میں سچے ہیں اور نہ وہ (امام بخاری وغیرہ) محدثین کرام کی تصریحات کو مانتے ہیں۔ ہم اس موقع پر غیر مقلدین حضرات کو ان کے ہی ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد جونا گڑھی کا ایک شعر یاد دلاتے ہیں۔

بنتے ہو وفا دار تو وفا کر کے دکھاؤ کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور



حافظ ابن جریر قدسائی نے حضرت عائشہؓ کی ان مختلف روایات میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے: والاصواب ان (۱) من ذلک من ذلك محمول علی اوقات متعددة و احوال مختلفة۔

اور اس بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نماز سے متعلق جتنی روایات بیان فرمائی ہیں یہ متعدد اوقات اور مختلف حالتوں پر محمول ہیں۔ اسی طرح قاضی شوکانی غیر مقلد اور علامہ امیر میمانیؒ غیر مقلد نے بھی حضرت عائشہؓ کی ان روایات میں یہی تطبیق دی ہے کہ یہ سب روایتیں رسول اللہ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف احوال سے متعلق ہیں اور یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے اپنے رسالہ تراویح میں ان روایات میں مختلف تطبیقات نقل فرمائی ہیں اور اس دعوے کو غلط ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل مذکور ہے۔

اب جن علمائے کرام نے حضرت عائشہؓ کی روایات میں بجائے اضطراب کہنے کے ان سب روایات میں یہ تطبیقات ذکر کی ہیں ان کے نزدیک بھی آٹھ رکعات (یا گیارہ رکعات مع الوتر) نبی کریم ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں بھی مختلف موقعوں پر آپ ﷺ سے آٹھ سے زائد اور آٹھ سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اور مولانا ذریعہ احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس عدد کا پڑھنا ایک دفعہ بھی ثابت ہو وہ بے شک سنت ہے۔ چہ جائیکہ اس عدد کا متعدد بار پڑھنا ثابت ہو۔ لہذا ان علمائے کرام کی تحقیق میں بھی صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی سنت نہیں بلکہ کبھی آٹھ سے کم اور کبھی آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا اور آٹھ رکعات پڑھنے کی ہیئت کو بدلنا بھی سنت ہونا چاہیے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ یہ بات خود غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ میاں صاحب فرماتے ہیں: پس جو کچھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال میں چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے اور خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے (گیارہ رکعات سے) کم و بیش کی روایات پہلے گزر چکی ہیں۔ لہذا گیارہ رکعات کی ہیئت کو بدلنا اور اس

۱۔ فتح الباری (۳/۳۳۱) ج ۲ نیل الاوطار (۳/۳۹)، سبل السلام (۲/۱۳) ج ۲ دیکھئے رسالہ تراویح مع ینابیح (ص ۵۶۵-۵۶۶) ج ۲ انوار الصابغ (ص ۶۴)۔

کا تغیر کرنا بھی سنت ہوا۔ بنا بریں موجود غیر مقلدین کا حدیث عائشہؓ سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعات پر اقتصار کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا خود بخود باطل ہو گیا۔

جواب نمبر ۹: اگر بالفرض مان لیا جائے کہ صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ان میں اضافہ فرمادیا اور تراویح کی بیس رکعات مقرر کر دیں تو اب صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا سنت نہیں بلکہ بیس رکعات کا پڑھنا ہی سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدین المہدیین الحدیث ۲۔ میں اپنی سنت کی طرح اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو بھی امت کیلئے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے معتدل اور انصاف پسند علماء صرف آٹھ رکعات تراویح کو سنت نہیں کہتے بلکہ وہ بیس رکعات کو بھی سنت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مجدد العصر نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ان نکتہ کو یوں بیان کرتے ہیں: مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت ﷺ مروی گشتہ و بسنت رکعت زیادت عمرؓ من الخطاب است و سنت نبویہ در زیادت عمرؓ بہ معمور پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد ۳۔ مقصود یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے اضافہ سے ہوئی ہیں۔ اضافہ کے بعد حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبوی داخل و شامل ہے لہذا بڑھائی ہوئی تعداد (بیس رکعات) پر عمل کرنے والا بھی (رسول اللہ ﷺ کی) سنت پر عمل کرنے والا ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب اپنے رسالہ تراویح کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ: بیس رکعات تراویح ادا کرنے سے آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔ ۴

اب اگر غیر مقلدین حضرات اپنے اکابر کا یہ فیصلہ تسلیم کر لیں تو تراویح کے مسئلہ میں اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ دیدہ باید!

۱۔ رسالہ تراویح مع ینایح (ص ۵۵، ۵۴) ۲۔ ترمذی (۹۴/۲) ۳۔ ہدایۃ السائل (ص ۱۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۴)

۴۔ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینایح (ص ۲۳)

جوب نمبر ۱۰ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث پر غیر مقلدین کا خود اپنا عمل نہیں بلکہ ان کا عمل تو اس حدیث کے خلاف ہے کیونکہ:

(۱) اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پورا سال یہ نماز پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین اس نماز کو صرف ماہ رمضان میں التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ آٹھ رکعت چار چار رکعت کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے ۱۔  
بلکہ غیر مقلدین ان آٹھ رکعتوں کو دو دو کر کے چار سلاموں میں پڑھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ تین وتر پڑھتے تھے اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ وتر کی یہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں ۲۔ جبکہ غیر مقلدین صرف ایک وتر پڑھتے ہیں اور اگر تین وتر پڑھتا بھی ہے تو دو سلام کے ساتھ۔

(۴) اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر عالم ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے جبکہ غیر مقلدین وتر سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۵) مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ آٹھ رکعتیں نہایت خوبی اور درازی کے ساتھ پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین یہ آٹھ رکعتیں مختصر اور ہلکی پھلکی پڑھتے ہیں۔

(۶) حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں وہ آپ ﷺ آخر شب (سحری کے وقت) ہیں پڑھتے تھے ۳۔ لیکن غیر مقلدین تراویح نماز عشاء کے متصل بعد پڑھتے ہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ یہ نماز سونے کے بعد پڑھتے تھے۔ ۴ جبکہ غیر مقلدین یہ نماز سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۸) اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ نماز گھر میں پڑھنا مذکور ہے (کیونکہ حدیث ہذا میں حضرت عائشہؓ اور آپ ﷺ کے درمیان بات چیت کرنے کا جو ذکر ہے یہ دلیل ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ گھر میں ہی پڑھتے تھے) بلکہ ایک روایت میں تو رسول ﷺ نے نماز تراویح کو گھر میں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے ۵۔

۱۔ صلوة الرسول (ص ۳۷۰) ۲۔ تحتہ الاحوذی (۳۳/۱) ۳۔ بخاری (۱۵۴/۱)

۴۔ رسالہ تراویح (ص ۵۹) از مولانا غلام رسول صاحب غیر مقلد ۵۔ بخاری (۱۵۴/۱)

لیکن غیر مقلدین اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تراویح مسجدوں میں پڑھتے ہیں۔  
 (۹) حدیث میں مذکورہ نماز کو آپ ﷺ نے بلاجماعت ادا فرمایا لیکن غیر مقلدین اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں بلکہ ان کے فتاویٰ علمائے حدیث میں تو تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔  
 (۱۰) اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ آٹھ رکعات پڑھنے کے بعد وتر بھی بلاجماعت پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین پورا رمضان وتر کو تراویح کے ساتھ بلاجماعت پڑھتے ہیں۔  
 تلك عشرة كاملة۔

غیر مقلدین حضرات نے اس حدیث کی صرف ایک شق (آٹھ رکعات) کو تو لے لیا لیکن اس حدیث کی ان دیگر شقوں کو جو ان کے موقف کے خلاف تھیں، ٹھکرا دیا۔ گویا  
**میٹھا میٹھا ہب ہب کڑوا کڑوا نہو۔**

اسی طرح وہ حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دینے کیلئے حضرت عمر فاروقؓ کے قائم کردہ طریقہ جماعت سے تو استدلال کرتے ہیں لیکن ان کی مقرر کردہ بیس رکعات والی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں، دل پر یہ اختیار! شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا حضرات! یہ ہے غیر مقلدین کی آٹھ تراویح کے اثبات میں پہلی اور مرکزی دلیل جس کو وہ اپنے زعم میں ایک غیر متزلزل پہاڑ سمجھتے ہیں لیکن بھلا اللہ ہمارے ذکر کردہ ان دس جوابات (جو غیر مقلدین کے مسلمات اور ان کے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں ذکر کئے گئے ہیں) سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کا غیر مقلدین کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس حدیث سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ ان دس جوابات کے علاوہ اس دلیل کے اور بھی کئی جوابات ہمارے پیش نظر ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان ہی دس جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کیلئے یہی دس جوابات کافی ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔ وفيه كفاية لمن له هداية۔

دلیل نمبر ۲: حدیث جابر الانصاری رضی اللہ عنہ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں نماز پڑھائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے۔ ۱۔

جواب نمبر ۱: یہ روایت غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق منقطع ہے کیونکہ اس روایت کو حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے راوی عیسیٰ بن جابر ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجر قمر مانتے ہیں: من

الرابعة ۲۔ کہ وہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد

لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے

لی گئی ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ۳۔

سو جب عیسیٰ بن جابر چوتھے طبقہ کے راوی ہیں اور بقول مولانا رحمانی اس طبقہ والوں کی احادیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں ہیں تو پھر جب عیسیٰ نے بھی اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے

جو صحابی رسول ہیں تو غیر مقلدین کے اصول کے مطابق عیسیٰ کی یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقطع ٹھہری

اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں بالخصوص جبکہ عیسیٰ نے یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

لفظ عن کے ساتھ بیان کی ہے اور لفظ عن کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں: عن میں احتمال معاصرت

اور امکان لقاء کی گنجائش ہے مگر حافظ ابن حجر کے قول کے بموجب صرف احتمال اور امکان کافی نہیں بلکہ

معاصرت کا ثبوت شرط ہے اور حافظ ابن الصلاح کے قول کے بموجب تو ملاقات کا ثبوت بھی شرط ہے ۴۔

بنابریں غیر مقلدین حضرات کا فرض ہے کہ وہ اس روایت کا اتصال ثابت کرنے کیلئے عیسیٰ بن جابر اور

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان ملاقات کا ثبوت یا کم از کم معاصرت ہی ثابت کر دیں ورنہ اس روایت سے

استدلال کرنا چھوڑ دیں۔

۱۔ صحیح ابن خزیمہ (۱۳۸/۲)، صحیح ابن حبان (۶۳/۳)، قیام اللیل (ص ۱۹۷) ۲۔ تقریب (۷۶۹/۱)

۳۔ انوار المصاحح (ص ۲۸۰) ۴۔ ایضاً (ص ۲۹۶، ۲۹۵)

جواب نمبر ۲:- اس حدیث کی سند کے اتصال وانقطاع سے قطع نظر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ یہ حدیث نہایت ضعیف سند سے مروی ہے اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ بن جابر منفرد ہیں اور عیسیٰ روایت حدیث میں نہایت ضعیف اور مجروح راوی ہیں۔ پھر عیسیٰ بن جابر سے بھی اس روایت کو صرف ایک راوی یعقوب ثقی نے نقل کیا ہے اور یعقوب ثقی بھی ضعیف راوی ہیں۔ قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کا ایک تیسرا راوی محمد بن حمید الرازی بھی بالاتفاق ضعیف اور کذاب ہے لہذا ایسی روایت جس کی سند ظلمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہو اس سے حجت لینا ہرگز جائز نہیں۔ اب اس روایت کے تینوں راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

﴿۱﴾ عیسیٰ بن جابر کا تعارف: حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ۱ میں، حافظ ابوالحجاج مزنی تہذیب الکمال ۲ میں اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال ۳ میں عیسیٰ بن جابر کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) امام الجرح والتعديل حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں لیس بذاک کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(۲) امام ابن معین اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: عنده مناکیر کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔

(۳) امام ابوداؤد فرماتے ہیں: روی مناکیر کہ ابن جابر نے منکر روایتیں نقل کی ہیں۔

(۴) امام ابوداؤد اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں: منکر الحدیث کہ یہ منکر الحدیث ہے ۳۔

(۵) امام نسائی بھی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اور منکر الحدیث راوی کون سا ہوتا ہے۔ اس کی بابت

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت باکثرت ہو یا فسق ظاہر ہو، اس کی حدیث منکر ہے۔ ۵

۱ (۱۸۶/۸) ۲ (۵۳۳، ۵۳۳/۱۳) ۳ (۳۱۱/۳) ۴ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر یہی دو حضرات ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ نہ متشدد ہیں اور نہ تساہل۔ امام ابوداؤد نے بے شک عیسیٰ بن جابر کو منکر الحدیث کہا ہے۔ یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۲)۔ اس اقتباس سے حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ: ابوداؤد کی جرح ثابت نہیں ہے۔ رسالہ تعداد رکعات قیام کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۳) ۵ توضیح الکلام (۲/۶۲۸)

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب غیر مقلد منکر الحدیث راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حتیٰ تکثر المناکیر فی روایتہ ویستہمی النی ان یقال فی منکر الحدیث لان منکر الحدیث وصف فی الرجل یدستحق بہ الترتک بحدیثہ ۱۔

منکر الحدیث وہ راوی ہے جو منکر روایتیں ایسی کثرت سے بیان کرے کہ بالآخر اس کو منکر الحدیث کہا جانے لگے۔ ایسا منکر الحدیث راوی میں ایسا وصف ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب سابق امیر جماعت الحدیث لکھتے ہیں: دوسری عبارت یعنی منکر الحدیث سے قابل اعتبار جرح ثابت ہوتی ہے۔ ۲

حافظ محمد اسحاق صاحب غیر مقلد (مدرس جامعہ رحمانیہ اہور) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ان دونوں راویوں کے ضعیف بلکہ اول الذکر کے منکر الحدیث ہونے کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ حدیث ضعیف جدایا منکر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے ۳۔ مولانا ارشاد الحق اثری تحریر فرماتے ہیں: البتہ منکر الحدیث کے الفاظ راوی کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں ۴۔ نیز اثری صاحب الرفع والکمال سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلے الفاظ قابل اعتبار جرح نہیں برعکس دوسرے منکر الحدیث کے کہ وہ راوی پر ایسی جرح ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے ۵۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: سوار منکر الحدیث یعنی سخت ضعیف ہے۔ ۶

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی

انتہائی سخت، قابل اعتبار اور مفسر جرح ہے۔ ۷

۱۔ البکار السنن (ص ۱۹۹) ۲۔ خیر الکلام (ص ۱۶۰) ۳۔ ہفت روزہ الاعتصام (ص ۲۰) ۷ اگست ۱۹۹۲ء) ۴۔ توضیح الکلام (۱/۳۹۹) ۵۔ ایضاً (ص ۳۹۸) ۶۔ ماہنامہ الحدیث (ص ۱۵، ستمبر ۲۰۰۳) ۷۔ اشکال: مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد بیسی بن جاریہ پر لفظ منکر الحدیث سے کی گئی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: محدثین کے اطلاقات میں منکر الحدیث کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے بعض معنی کے اعتبار سے تو یہ سرت سے کوئی جرح کا لفظ ہی نہیں چہ جائیکہ یہ کوئی شدید جرح ہو چنانچہ =

= (۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات محدثین کسی راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس نے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے۔ الرفع والتکمیل (ص ۱۴)

(۲) حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ: کبھی یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بول دیتے ہیں جبکہ اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہوں۔

(۳) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ: محدثین جب کسی راوی کی بابت منکر الحدیث کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب منکر ہیں بلکہ اس کی جملہ روایتوں میں سے اگر بعض بھی منکر ہوں تو اس کو منکر الحدیث کہہ دیتے ہیں (الرفع والتکمیل)۔

دیکھئے ان اطلاقات کے مفہوموں میں باہم کتنا فرق ہے۔ اس لئے جب تک کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ امام ابوداؤد وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ کو کس معنی کے اعتبار سے منکر الحدیث کہا ہے، اس وقت تک قطعی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی نری زبردستی ہے۔ انوار المصباح (ص ۱۱۸)

لیکن رحمانی صاحب کا یہ جواب (حسب عادت) محض سینہ زوری اور دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے لفظ منکر الحدیث کے اصل معنی (جو علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہیں) چھوڑ کر جتنے بھی ضمنی معانی یہاں ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک معنی بھی یہاں عیسیٰ بن جاریہ کے بارہ میں مراد نہیں ہو سکتا۔ اذل معنی کا مراد نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ سے صرف ایک ہی حدیث مروی نہیں بلکہ کئی اور روایات بھی مروی ہیں۔ مثلاً متصل آئندہ روایت جابر رضی اللہ عنہ جس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر میں آٹھ رکعات پڑھانے کا ذکر ہے۔ اس روایت کو بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے یہی ابن جاریہ ہیں۔ لہذا پہلے معنی کا یہاں مراد نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ منکر الحدیث کا دوسرا معنی جو رحمانی صاحب نے حافظ سخاوی سے نقل کیا ہے، وہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ نے ان راویوں سے (بشرط ثبوت) روایات نقل کیں ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت جبیر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت شریک رضی اللہ عنہ، حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ۔ بن عوف۔ تھذیب الکمال (۵۳۳/۱۴)۔ تھذیب التھذیب (۱۸۶/۸) اور یہ سب راوی ثقہ اور عادل ہیں بلکہ اذل الذکر تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اور باقی سب ثقہ اور مشہور تابعین ہیں۔ لہذا یہ معنی لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ خود تو ثقہ راوی ہیں لیکن اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اور لفظ منکر الحدیث کے تیسرے معنی جو رحمانی صاحب نے حافظ ذہبی سے الرفع والتکمیل کے حوالہ سے ذکر کئے ہیں، اس کی اصل نہیں ہے کیونکہ الرفع والتکمیل میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے حافظ ذہبی سے یہ قول یوں نقل کیا ہے کہ: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عبد اللہ بن معاویہ الزہیری کے ترجمہ میں لکھا ہے: قولہ منکر الحدیث =



= لا یعلمون به ان کل ما رواه منكر الخ - الرفع والتكميل (ص ۲۰۱) لیکن حافظ ذہبی کے یہ الفاظ عبد اللہ زہیری کے ترجمہ میں میزان الاعتدال کے کسی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابو نعیمہ عبد الفتاح صاحب نے الرفع والتكميل کے حاشیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۳ الرفع والتكميل (ص ۲۰۱) مطبوعہ مکتبہ الدعوة الاسلامیہ پشاور۔ اور میزان الاعتدال کا جو نسخہ خود غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ سائنگھل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے اس میں بھی عبد اللہ زہیری کے ترجمہ میں حافظ ذہبی کے یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا لکھنوی کا یہ الفاظ نقل کرنا ان کے سہولت کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور بالفرض اگر حافظ ذہبی کے یہ الفاظ میزان کے کسی نسخہ میں ہوں بھی تو پھر بھی یہ الفاظ عیسیٰ بن جابر کے حق میں کچھ بھی مفید نہیں کیونکہ اس سے جتنی روایات مروی ہیں ان کے متعلق کسی محدث نے یہ تصریح نہیں کی کہ عیسیٰ کی مروی روایات میں سے صرف بعض روایات منکر ہیں اور باقی صحیح ہیں اور یہ کہ اس کی یہ مذکورہ روایت ان منکر روایتوں میں شامل نہیں ہے۔ اذنیس فنیس۔

الغرض رحمانی صاحب نے جتنے معانی بھی لفظ منکر الحدیث کے ذکر کیے ہیں، ان میں سے کوئی معنی بھی عیسیٰ بن جابر جیسے منکر الحدیث راوی کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے حق میں وہی معنی مراد ہیں جو ہم نے غیر مقلدین کے علماء سے نقل کئے ہیں۔ اور اس پر ویل اور قرینہ یہ ہے کہ امام المرحوم والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں عندہ منا کیر اور امام ابو داؤد نے روئی منا کیر فرمایا ہے اور مولانا ابراہیم یا لکھنوی غیر مقلد اور مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد نے عندہ منا کیر اور ملا کیر کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کی نئی حادیث (یعنی حدیث) منکر ہیں۔ سیرت المصطفیٰ (ص ۱۳۸)، فتاویٰ احمدیہ (۱/۳۱۲) اسی طرح ابن معین کے الفاظ عندہ منا کیر جملہ اسمیہ سے جس میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔ اب عندہ منا کیر کا مطلب ہوگا کہ اس راوی نے کثرت منکر روایتیں نقل کی ہیں اور بعینہ یہی معنی لفظ منکر الحدیث کا مولانا مہار کپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین نے نقل کیا ہے کہ جو راوی حدیث منکر روایتیں نقل کرے الخ۔ لہذا رحمانی صاحب کا

شکوہ دور ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث کا یہ معنی لینے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

**اشکال ثانی:**۔ مولانا زبیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ منکر الحدیث جرح مبہم ہے کیونکہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: کسی محدث کا کسی راوی کے حق میں منکر الحدیث کہنا ایسی جرح ہے جو بیان سبب سے خالی ہے۔ کیونکہ اس جرح کا حاصل یہ ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اسی کے اس نے ثقاہت کی مخالفت کی ہے لہذا ضعیف کہنا بلاشبہ جرح مبہم ہے الخ۔ انوار المصاحح (ص ۱۱۹، ۱۲۰)، بحوالہ الرفع والتكميل۔

جواب:۔ رحمانی صاحب نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے لیکن ان کو کافی کوشش و محنت کے باوجود اس دعویٰ کے اثبات میں صرف علامہ سندھی کا ہی حوالہ ملے گا اور نہ رحمانی کا اپنی پوری کتاب میں یہ طرز ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کوئی ضعیف سے ضعیف قول بھی ہاتھ آ جائے تو اس کو بھی ذکر کرنے سے دریغ =

(۶) امام نسائی نے عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کے ساتھ ساتھ متروک بھی فرمایا ہے۔ اور مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ: کذاب، متروک، لیس، ثقہ کے الفاظ شدید جرح میں شمار ہوتے ہیں۔ نیز اثری لیس ثقہ جس لفظ کو انہوں نے متروک کے ہم درجہ شمار کیا ہے فرماتے ہیں: یہ الفاظ جرحی کلمات میں دوسرے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جن کی روایت قابل استنباد و اعتبار نہیں ۲۔ اب بقول مولانا اثری عیسیٰ بن جاریہ پر امام نسائی نے اتنی شدید جرح کی ہے کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کیا اس کی روایت متابعت اور استنباد میں بھی پیش کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود = نہیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہنے والوں کے، اہل نیکی و کائنات صرف علامہ سندھی کا یہ قول ہے۔ لیکن الحمد للہ ہم نے صرف غیر مقلدین کے کئی مستند علماء کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ مفسر اور نہایت سخت جرح ہے اور رحمانی صاحب کے استاذ اور غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا مبارکپوری صاحب کا حوالہ گزر چکا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی کثرت سے منکر روایتیں بیان کرتے اور یہی جرح مفسر ہے کیونکہ جرح مفسر کا مفہوم یہی ہے کہ اس میں جرح کا سبب مذکور ہو اور لفظ منکر الحدیث میں بھی جرح کا سبب یعنی راوی کا کثرت سے منکر نقل کرنا موجود ہے لہذا اس کو جرح مبہم کہنا غلط ہے۔ رحمانی صاحب نے علامہ سندھی کا جو قول نقل کیا ہے کہ یہ جرح مبہم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہوں نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا تو ساتھ انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ جب یہ اس معنی میں ہو کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اس نے ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ علامہ سندھی فرماتے ہیں اذحاح سندھ انہ ضعیف مخالف الثبوت۔ الرفع والتکمیل (ص ۲۰۳) لیکن جس معنی میں علامہ سندھی نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا ہے وہ معنی عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو منکر الحدیث کہنے کے ساتھ عندہ منکر بھی کہا گیا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے کثرت سے منکر روایتیں نقل کی ہوں اور یہ جرح مفسر ہے اور خود علامہ سندھی بھی اس معنی میں لفظ منکر الحدیث کو جرح مفسر مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وانما تنظر کثیر المنا کثیر و کثیرة مخالفة الثقات۔ حوالہ سابق۔ راوی کا کثرت سے منکر روایتیں نقل کرنا اور کثرت سے ثقات کی مخالفت کرنا مفسر یعنی جرح مفسر ہے۔ لہذا جس معنی میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے اس معنی میں یہ لفظ خود علامہ سندھی کے نزدیک بھی جرح مفسر اور مفسر ہے تو یوں غیر مقلدین کا آخری سہارا علامہ سندھی کا ہوا بھی ان کے ہاتھ سے نقل گیا۔

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

۱۔ توضیح الکلام (۲/۶۰۸) ۲۔ حوالہ سابق (ص ۷۱۷)

غیر مقلدین حضرات اپنے طے شدہ اصولوں کی ذرا برابر پروا نہیں کرتے اور عیسیٰ بن جاریہ کی روایت سے صرف استشہاد ہی نہیں بلکہ استدلال کئے بیٹھے ہیں۔

### ع این چہ بوالعجیبت

(۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں: احادیث غیر محفوظہ کہ عیسیٰ بن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد اس جملہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں: یعنی محفوظ کا مقابلہ اور اس کا غیر ہیں جن کو اصطلاحاً شاذ کہتے ہیں۔ اب غیر مقلدین کے وکیل اعظم مولانا رحمانی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ ابن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں اور جس راوی کی روایتیں شاذ ہوں وہ راوی کیسا ہوتا ہے؟ ایسے راوی کا تعارف بھی رحمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اگر حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی ہو تو البتہ (اس کی) وہ روایت شاذ و منکر کہی جائے گی۔

گویا عیسیٰ بن جاریہ حفظ کے اعتبار سے اتنا گرا ہوا راوی ہے کہ بقول رحمانی صاحب غیر مقلد اس کی وجہ سے اس کی حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہی امام ابن عدی جنہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کی روایتوں کو غیر محفوظ اور شاذ فرمایا ہے انہوں نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی روایتوں کو صالح اور درست کہا ہے۔ اب ابوشیبہ کی بیان کردہ حدیث تو غیر مقلدین کے نزدیک موضوع اور نہایت ضعیف ہے لیکن جس راوی (عیسیٰ بن جاریہ) کی روایات ابن عدی کے نزدیک غیر محفوظ ہیں اس کی بیان کردہ حدیث غیر مقلدین کے ہاں قابل استدلال ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

(۸) امام عقیلی نے عیسیٰ بن جاریہ کو ضعیف یعنی ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

(۹) امام ساجی نے بھی اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

۱۔ انوار المصباح (ص ۱۱۷) ۲۔ ایضاً (ص ۱۲۳) ۳۔ تہذیب الکمال (۱/۳۹۳) ۴۔ اشکال: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں عیسیٰ بن جاریہ کے جارحین میں چار حضرات ابن معین، نسائی، عقیلی، ابن عدی کا متعین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے، اسی طرح ساجی جرح و تعدیل کے باب میں مثبت اور معیظ نہ تھے بلکہ متقابل یا متشدد تھے اور ایسے لوگوں کی =

(۱۰) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: فیہ لنین ۱۔  
کہ عیسیٰ بن جریہ روایت حدیث میں کمزور (یعنی ضعیف) ہے۔

حافظ ابن حجر نے فیہ لنین کو الفاظ جرح و تعدیل کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے ۲۔

علامہ احمد شاہ کرغیر مقلد فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر کے بیان کردہ طبقات میں سے صرف پہلے چار طبقوں کی روایات حجت ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے بعد والے طبقات والے راوی کی روایات مردود ہیں  
۱۔ کہ وہ روایت کثرت طرق سے مروی ہو ۳۔ ۲۔ تلك عشرة كاملة

= جرح و تعدیل مقبول نہیں۔ محملہ انوار المصانح (ص ۱۱۲)۔ جواب:۔ رحمانی صاحب کا یہ اشکال بالکل بے وقعت ہے کیونکہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حضرات تشدد اور معتنت تھے تو پھر بھی انکی جرح مقبول ہے کیونکہ ابن جریہ کے جرحین میں امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر بھی ہیں جن کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ تشدد ہیں اور نہ متساہل۔ ایضاً (ص ۱۱۲) رحمانی صاحب یہ اصول بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ: جب تشدد جرح کی موافقت کوئی معتدل جرح کر دے تو پھر تشدد جرح کی جرح بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ انوار المصانح (ص ۱۱۳) بحوالہ الرفع التامیل (ص ۱۸)۔ پس جب امام نسائی اور امام ابن معین وغیرہ کی موافقت امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے کی ہے جو بقول رحمانی صاحب جرح تعدیل میں نہایت معتدل ہیں تو پھر رحمانی صاحب کا امام نسائی، امام ابن معین، امام ابن عدی، امام ساجی اور امام عقیلی کو تشدد کہہ کر ان کی جرح کو رد کرنا انصاف و دیانت سے جی چرانے والی بات ہے۔ ۱۔ تقریب التعذیب (۷۷۹/۱)

۲۔ انوار المصانح (ص ۱۱۶) بحوالہ تقریب (ص ۱) ۳۔ الباعث الحثیث (ص ۱۰۷)۔

(۳) اشکال:۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر کی جرح سے عیسیٰ کی روایت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا انہوں نے تقریب میں صرف فیہ لنین کہا ہے۔ محدثین نے فیہ لنین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔ الخ... انوار المصانح (ص ۱۱۵)۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی جیسے ناقد رجال کے نزدیک ایسا راوی نہ ساقط العدالت ہے اور نہ اس کی حدیث قابل ترک۔ ایضاً (ص ۱۱۶) جواب:۔ غیر مقلدین حضرات کی عادت شریفہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے مسلک اور خواہش کے موافق ہو تو وہ اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں چاہے اس میں کوئی کتناہی ضعیف راوی کیوں نہ ہو اور پھر اس راوی پر کی گئی جرح کو وہ طرح طرح کی رکیک تاویلوں اور مختلف بہانوں سے نال دیتے ہیں۔ لیکن اسی قسم کی جرح جب کسی ایسے راوی پر ہو جس کی روایت سے ان کے مسلک پر زد پڑتی ہو تو پھر یہ حضرات اس جرح کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں اور اس جرح کے سہارے وہ اس راوی اور اس کی مروی روایت کو ضعیف سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ یہی حال نذیر رحمانی صاحب کا ہے کہ یہاں یہ روایت ان کے مسلک کے موافق آئی تو اس کے =

حضرات! عیسیٰ بن جاریہ پر مشہور ائمہ رجال کی طرف سے یہ مذکورہ دس کلمات جرح منقول ہیں اور ان میں سے اکثر برہمیں (مندہ مناکیر، منکر الحدیث اور متروک وغیرہ) خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر اور نہایت ثابت ہیں۔ بیانا کہ ان میں سے ہر ایک جرح کے ذیل میں غیر مقلدین کے مستند علماء کے حوالے آپ نے ملاحظہ کئے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک جرح بھی عیسیٰ بن جاریہ پر عائد ہوتی تو یہ اس کی اس روایت کے ضعیف اور ناقابل استدلال ہونے کیلئے کافی تھی چہ جائیکہ عیسیٰ ان تمام جرحوں کے ساتھ بخیر و بے یلین غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ ان کو عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ان جرحوں کے سنگین ہونے کا اقرار بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو ثقہ ٹھہرانے اور اس کی مذکورہ روایت کو قابل استدلال بنانے میں سر تاپاؤں غرق ہیں۔ انا للہ.....

### عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اور اس کا جواب :-

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ، صدوق یا حسن الحدیث ہے۔ چنانچہ (۱) ابو زرعد نے اس کے بارے میں کہا: لا بأس بہ۔ (۲) ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا۔  
= راوی عیسیٰ بن جاریہ پر حافظ ابن حجر کی جرح فیہ لیں کو یوں کہہ کر نال دیا کہ یہ بہت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے اس سے راوی کا ضعیف ہونا اور اس کی روایت کا قابل ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان کا دو غلطیوں ملاحظہ کریں کہ جب حافظ ابن حجر کی یہی جرح غیر مقلدین کے مسلک کے مخالف روایت کے راوی پر آئی تو اسے فوراً قبول کر لیا اور اس روایت اور اس کے راوی کو سخت ضعیف قرار دے دیا۔ چنانچہ رحمانی صاحب ایک روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے اس کا ایک راوی نصر بن شیبان بالکل ضعیف ہے، انوار المصابیح (ص ۸۷)۔

حالانکہ نصر بن شیبان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر نے تقریباً اتھذیب میں لئین الحدیث کہا ہے، تقریباً (۲۳۵/۲) جو بقول رحمانی صاحب نہایت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے۔ اب قارئین اندازہ کریں کہ عیسیٰ بن جاریہ اور نصر بن شیبان پر حافظ ابن حجر نے ایک ہی قسم کی جرح کی ہے لیکن عیسیٰ بن جاریہ تو اس جرح کی وجہ سے رحمانی صاحب کے نزدیک ضعیف نہ ہوا بلکہ بدستور ثقہ ہی ہے اور اس کی روایت بھی صحیح اور قابل احتجاج ہے لیکن نصر بن شیبان حافظ صاحب کی ہی جرح ہے کے باوجود رحمانی صاحب کی نظروں میں بالکل ضعیف ٹھہرا اور اس کی حدیث بھی ضعیف قرار پائی۔

والی اللہ الممستکی

تیری بات کو بت جلد گرنے قرار ہے نہ قیام ہے کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

(۳) ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔ (۴) البیہقی نے اس کی حدیث کی تحسین کی۔ (۵) ابو صیری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی۔ (۶) حافظ منذری نے اس کی ایک حدیث کو باسناد جید کہا۔ (۷) الذہبی نے اس کی منفرد حدیث کے بارے میں اسنادہ وسط کہا۔ (۸) بخاری نے التاريخ الکبیر میں اسے ذکر کیا اور اس پر طعن نہیں کیا۔ (۹) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔ یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔ قواعد علوم الحدیث (ص ۵۵)۔ (۱۰) ابوحاتم الرازی نے اسے ذکر کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ ابوحاتم کا سکوت راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ حوالہ سابق۔ لہذا یہ سند حسن ہے ۱۔

جواب:- زبیر صاحب نے عیسیٰ بن جارہ کو ثقہ اور حسن الحدیث ثابت کرنے کیلئے یہ جتنی شقیں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک شق سے بھی اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ زبیر صاحب کی ذکر کردہ ہر ہر شق کا جواب خود ان کے ہم مسلک اور مستند علماء کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

(۱) امام ابو زرہ کا ابن جارہ کو لا باس بہ کہنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہے۔

جس راوی کو سات بڑے بڑے آئمہ رجال نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک وغیرہ قرار دیا

ہو، ان کے مقابلے میں صرف امام ابو زرہ کے لا باس بہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیونکہ عنقریب علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے یہ بحث آنے والی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے بالخصوص جبکہ جرح مفسر ہو۔ نیز لا باس بہ کا لفظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظ تعدیل میں سے نہایت ہلکا اور کمزور ہے۔ اس سے اس راوی کی روایت کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ارجوانہ لا باس بہ یکتب حدیثہ، یعتبر بہ ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے حاملین کی روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی ۲۔

نیز لکھتے ہیں کہ: ایسے راوی کی روایات صرف متابعات میں قبول ہوتی ہیں ۳۔

یہ بنا۔ میں غیر مقلدین کا عیسیٰ بن جارہ کی روایت سے احتجاج کرنا باطل ہو گیا۔ اور یہ بات یاد رہے

کہ زبیر علی زئی مولانا رشاد اثری اور ان کی کتاب توضیح الکلام کے نہایت مداح ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: مولانا رشاد الحق اثری صاحب کی توضیح الکلام کا مطالعہ کریں۔ یہ اس موضوع پر لا جواب شاہکار کتاب ہے۔ اب ہم نے زبیر صاحب کے مطالبہ پر اس لا جواب اور شاہکار کتاب کا مطالعہ کر کے زبیر صاحب کی پہلی شق کا جواب دے دیا ہے۔ الحمد للہ

(۲) ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

امام ابن حبان نے اگرچہ عیسیٰ بن جابر کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے اور وہ اس سلسلہ میں ان کے نزدیک متساہل شمار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک راوی کو ابن حبان کے ثقات میں شمار کرنے پر لکھتے ہیں: ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔ مولانا عبدالہیوف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: واضح رہے کہ ابن حبان کا اس ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں کیونکہ وہ مجاہل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔

مولانا رشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ابن حبان متساہل ہیں۔

شیخ البانی غیر مقلد ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: وانما وثقه ابن حبان وهو معروف

بتساہله۔

ایک اور راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ان کا ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں ہے۔ مولانا رفیق سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق کو ائمہ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے۔

۱۔ الکواکب الدرر (ص ۵۸) ۲۔ خیر الکلام (ص ۲۵۲) ۳۔ تحقیق الکلام (۱/۷۷) ۴۔ القول المقبول (ص ۳۲۵)

۵۔ توضیح الکلام (۲/۲۶۹) ۶۔ سلسلہ احادیث الضعیفہ (۱/۳۶۶) ۷۔ ایضاً (ص ۵۲۰) ۸۔ ہفت روزہ

الاعتصام (ص ۱۸) ۹۔ ستمبر ۱۹۹۳ء۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ لکھتے ہیں:۔ ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔  
ذرا سے سہارے پر ٹھوں میں شمار کر لیتے ہیں ۱۔

زیر صاحب کے استاذ اور مشہور غیر مقلد عالم عبدالمنان نور پوری صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:  
مگر تصحیح میں ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل مشہور ہے ۲۔

لہذا جب خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابن حبان کا کسی راوی کو ثقات میں شمار کرنا غیر معتبر ہے تو پھر اگر ابن حبان نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تساہل برتتے ہوئے ثقات میں شمار کر دیا ہے تو اس سے ابن جاریہ کا ثقہ ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(۳) ابن خزیمہؒ نے حدیث ابن جاریہ کی تصحیح نہیں فرمائی

امام ابن خزیمہؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو قطعاً صحیح نہیں کہا۔ لہذا زیر صاحب کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور ابن خزیمہؒ جیسے عظیم محدث پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ البتہ امام ابن خزیمہؒ اور ان کے شاگرد امام ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں مذکورہ روایت کو ذکر کیا ہے ۳۔ لیکن کیا ان دونوں اہل علم کا کسی حدیث کو محض اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے؟ اس سوال کا جواب ہم سے نہیں بلکہ زیر صاحب کے مدد و مددگار اور ہم مسلک مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اثری صاحب اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جیسے ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ہیں مگر ان کی بھی تمام روایات صحیح نہیں ۴۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ یا ابن حبان کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں لانے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں جن احادیث کی صراحۃً تصحیح کی ہے، ان احادیث کی صحت بھی غیر مقلدین کو تسلیم نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب امام ابن خزیمہؒ کے ایک حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: فی تصحیح ابن خزیمہ نظر ۵۔

۱۔ فتاویٰ اہل حدیث (۲/۵۰۸) ۲۔ تعداد تراویح (ص ۳۳) ۳۔ انوار المصابیح (ص ۱۳۸)، از: مولانا ذریعہ رحمانی

غیر مقلد۔ تعداد تراویح (ص ۳۳) از: مولانا عبدالمنان نور پوری غیر مقلد ۴۔ توضیح الکلام (۲/۲۶۳)



امام ابن خزیمہ کی تصحیح میں نظر ہے۔

غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے ملاحظہ ہوں صحیح ابن خزیمہ (۲/۲۷) مگر یہ حدیث صحیح نہیں۔ ۱۔  
پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں کسی حدیث کی تصحیح کرنا اس حدیث کی صحت کو مستلزم نہیں تو پھر عیسیٰ بن جارہ کی مذکورہ حدیث جس کی ابن خزیمہ نے تصحیح بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اس کا صحیح ہونا کیوں کر لازم آئے گا؟۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ زبیر صاحب کے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد کو اس حدیث کی صحت میں توقف ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تسامل مشہور ہے اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جارہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے ۲۔

دل کے بچھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے  
(۴) علامہ بیہمی کی تصحیح و تحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں ۳۔

علامہ بیہمی نے اگرچہ مذکورہ حدیث کو حسن کہا ہے لیکن بیہمی کی تصحیح اور تحسین غیر مقلدین کی نظروں میں غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ولا یطمئن

القلب بتحسین الہیثمی فان له اوہامافی مجمع الزوائد ۴۔

بیہمی کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہے کیونکہ ان کو مجمع الزوائد میں بہت وہم ہوئے ہیں۔ نیز مبارکپوری

۱۔ القول المقبول (ص ۳۶۲) ۲۔ تعداد و تاریخ (ص ۳۳) ۳۔ علامہ بیہمی نے اگرچہ اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے

لیکن اس کے راوی ابن جارہ کو ثقہ نہیں کہا۔ زبیر علی زئی نے مجمع الزوائد (۲/۱۵۸) کا حوالہ دیا ہے کہ بیہمی نے اسے ثقہ کہا

ہے لیکن ان کے حوالہ صفحہ پر عیسیٰ بن جارہ کی توثیق تو کیا اس کا نام بھی نہیں ہے۔ بالفرض اگر علامہ بیہمی نے ہمیں اس کو ثقہ کہا

بھی ہے تو غیر مقلدین کو ان کی توثیق سے اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کتاب میں عمامے نے غیر مقلدین کے حوالے مذکور

ہیں۔ ۳۔ بکار الممنن (ص ۵۷)

صاحب علامہ بیٹھی کے ایک حدیث کو صحیح کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: - ولا یطمئن القلب علی نصیح الہیثمی لہ علامہ بیٹھی کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہے۔

مولانا محمد گوندلوی کے بارے میں زبیر صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الفقہ المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی محمد گوندلوی رحمہ اللہ۔ ۲

زبیر صاحب کے یہ انتہائی مدوح غیر مقلد عالم علامہ بیٹھی کی تصحیح پر اپنا رد عمل یوں ظاہر کرتے ہیں: بیٹھی کی تصحیح میں نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: فان لہ ادھام (کہ ان کے بہت سے وہم ہیں) کذافی تاج المکل ۳۔ زبیر صاحب کے دوسرے مدوح مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں: اور جہاں تک کسی حدیث کے متعلق علامہ بیٹھی کے حکم کا تعلق ہے تو یقیناً جائیے مجمع الزوائد میں بیسوں ایسے مقامات ہیں جہاں ائمہ نے علامہ بیٹھی کے حکم سے اتفاق نہیں کیا ۴۔ شیخ عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: دوسری بات علامہ بیٹھی پر کلیۃً اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کے بہت سے ادھام ہیں کمالاً سخی ۵۔

نیز سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ بیٹھی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے جو ضعیف ہے ۶۔

بنابریں جب غیر مقلدین کے نزدیک علامہ بیٹھی کی کسی حدیث کی تحسین یا تصحیح کرنے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا تو پھر اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو بھی حسن کہہ دیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین کو اپنے بڑوں کی اتباع میں ان کے اس حکم پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

(۵) علامہ بوسیری کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی:

علامہ بوسیری نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو حسن نہیں کہا اور اگر انہوں نے اس کے

علاوہ اس کی کسی اور حدیث کی تحسین کی بھی ہے تو ان کی تحسین و تصحیح پر بھی غیر مقلدین کا اعتماد نہیں ہے۔

۱ ایضاً (ص ۱۹۹) ۲ الکوآب الدرر (ص ۷) ۳ التحقیق الراخ (ص ۵۷) ۴ توضیح الکلام (۲/۴۰۹)

۵ القول المقبول (ص ۳۳۵) ۶ ایضاً (۴۷۴)

چنانچہ انہوں نے زوائد سنن ابن ماجہ میں کئی احادیث کے متعلق صحیح یا حسن کا حکم لگایا ہے لیکن غیر مقلدین حضرات ان کے اس فیصلہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً ابن ماجہ کی ایک حدیث کے متعلق علامہ بوسیری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مجھے اس میں توقف ہے۔ علامہ ازہری مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد نے یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ: حدیث کی صحت کا بار مدار ذیادۃ (راویوں) پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی راوی ضعیف ہے تو اسے کوئی صحیح کہتا ہے، تو کہتا ہے اس روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ بے خطا ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور بس ۲۔

لہذا اگر علامہ بوسیری یا علامہ بیہمی وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو حسن کہہ بھی دیا ہے تو بقول اثری صاحب اس سے اس کی حدیث کا حسن یا صحیح ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ عیسیٰ کی توثیق نہیں ہو جاتی اور عیسیٰ کی توثیق زبیر صاحب کے بس میں تو کیا پوری دنیائے غیر مقلدیت بھی اگر اپنا سارا زور صرف کر لے تو بھی اس کی توثیق ثابت نہیں کر سکتی۔

(۶) حافظ منذریؒ غیر مقلدین کی نظر میں اہل فن رجال میں سے نہیں

یہی حافظ منذریؒ اپنی اسی کتاب التریغیب میں ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:  
ورجال ثقات کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ اس پر شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں: واسنادہ ضعیف  
فیہ عنۃ الولید بن مسلم و عبید اللہ بن ابی بردہ ولم یوثقہ احد حتی ولا ابن حبان  
فلا یغتر بقول المنذری و رجالہ ثقات ۳۔

اب ایک راوی کو حافظ منذریؒ کے صراحٹاً ثقہ کہنے کے باوجود وہ راوی غیر مقلدین کے محقق  
زمان اور محدث اعظم کی نظروں میں غیر ثقہ ہے تو پھر اگر منذریؒ نے ابن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی  
حدیث کو اگر حید کہا بھی ہے تو اس سے اس کا ثقہ ہونا کیسے لازم آگیا؟

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبست

حافظ منذریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی کوئی حدیث کے بارے میں اسنادہ جید کہا ہے؟ اس کی زیر صاحب نے کوئی بھی وضاحت نہیں کی ہے اور راقم المعروف نے الترغیب کی جلد اول کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے لیکن ہم کو اس میں ابن جاریہ کی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس کی سند کو حافظ منذریؒ نے جید کہا ہو لہذا زیر صاحب کو چاہئے کہ وہ وضاحت کریں کہ منذریؒ نے ابن جاریہ کی کوئی حدیث کو جید کہا ہے یا کس ادارہ کی شائع کردہ الترغیب کے فلاں صفحہ پر یہ الفاظ انہوں نے کہے ہیں۔

(۷) حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے

حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عیسیٰ بن جاریہ پر ائمہ رجال سے سخت جرح نقل کی ہے اور اس کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے اور بقول غیر مقلدین ذہبیؒ کی عادت ہے کہ وہ میزان الاعتدال میں جس مجروح راوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اگر اس راوی کی روایات میں کوئی منکر روایت ہوتی ہے تو وہ اس روایت کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلد محقق شیخ عبدالراؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ بخاری اور ابو حاتم نے ابوالزینب کو منکر الحدیث جدا کہا ہے ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے ۱۔ سندھو صاحب ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں عمرو بن معین متروک ہے۔ ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے ۲۔ معلوم ہوا کہ حافظ ذہبیؒ کا کسی مجروح راوی کی روایت کو اس کے ترجمہ میں ذکر کرنا اس روایت کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے تو یہ ابن جاریہ کے ضعیف اور اس حدیث کے منکر ہونے کی دلیل ہے نہ کہ اس کے ثقہ ہونے کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابن جاریہ کی حدیث کے بارے میں اسنادہ متوسط بھی کہا ہے جو اس کی مذکورہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابو یوسف عن ابی حنیفہ کی سند کو سند عالی سے تعبیر کیا ہے، لیکن غیر مقلدین اس عظیم المرتبت امام عالی شان کی روایت کو صحیح

۱۔ بقول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ میزان الاعتدال (۵۲۸۳) ۲۔ ایضاً (ص ۵۲۳) ۳۔ توضیح الکلام (۲/۶۶۷)

نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: علامہ ذہبیؒ انا ابو یوسف انا ابو حنیفہ کی سند کو عالی کہتے ہیں مگر ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی۔ نیز لکھتے ہیں: مؤلف احسن الکلام کا یہاں ایک دوسری سند کو عالی ثابت کر دینا اس طریق کے صحت کی قطعاً دلیل نہیں ہے۔

قارئین: غیر مقلدین کی ستم ظریفی کا اندازہ لگائیں کہ علامہ ذہبیؒ کے امام ابو حنیفہؒ کی سند کو عالی کہنے سے باوجود بھی غیر مقلدین امام صاحب کی سند کو صحیح ماننے کیلئے تیار نہیں لیکن عیسیٰ بن جاریہ جس کی سند کو علامہ ذہبیؒ کے محض متوسط (جو عالی سے کم درجہ ہے) کہہ دینے سے وہ اسے ثقہ اور اس کی حدیث کو صحیح ماننے کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں  
(۸) کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں ذکر کرنا اس کی توثیق ہے؟

امام بخاریؒ کا کسی راوی کو اپنی کتاب تاریخ کبیر میں بلا جرح و تعدیل کے ذکر کرنا خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس راوی کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں رواۃ کی ایک بڑی تعداد کا تذکرہ بلا جرح و تعدیل کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ راوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف اور مجہول ہیں اور ان کی روایات کو صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ صرف چند مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

(۱) مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ روایت نہایت گھٹیا درجہ کی ہے۔ اس روایت کا پہلے راوی عبدالوارث مولیٰ انسؒ بن مالک ہے۔ اسے امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں ذکر کیا مگر اس کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی الخج۔

(۲) سندھو صاحب ایک اور حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ابو مسلم کو بخاری نے الکنی (ص ۶۸) تاریخ الکبیر میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی ہے۔ احمد البناء نے اس کی سند کو حید کہا ہے۔ قُلْتُ (میں کہتا ہوں) اس کی سند کو حید قرار دینے کیلئے ابو مسلم کی ثقاہت کا علم ضروری ہے ورنہ سند ضعیف ہے الخج۔

۱۔ ایضاً (ص ۶۶۸) ۲۔ القول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ تاریخ الکبیر (۶/۱۱۸) ۳۔ ایضاً (ص ۱۷۰)

(۳) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ابن بجا محمد بن بجا ہے اور وہ موسیٰ بن سعد کا پوتا ہے جب کہ بجا موسیٰ کے صاحبزادے ہیں ان کا امام بخاری نے تاریخ الکبیر (۴۴/۱) میں، امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۱۳/۳) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جملہ توثیق و توصیف کا نقل نہیں کیا۔

پھر آخر میں ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن بجا اور موسیٰ بن سعد دونوں مجہول و مستور ہیں لہذا اس کی سند کو صحیح کہنا درست نہیں۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام بخاری کے کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کرنے سے اس راوی کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ لہذا غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اگر امام بخاری نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کیا ہے تو اس سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہوتی۔

(۹) حافظ ابن حجر کے سکوت کے ساتھ غیر مقلدین کا دو غلا پن

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اگر فتح الباری میں عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت پر سکوت کیا ہے تو حافظ نے فتح الباری میں کئی ایسی روایات پر بھی سکوت کیا ہے جہاں غیر مقلدین ان کے سکوت کو غلط کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ نہایت ضعیف ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کو مصنف سعید سے منسوب کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ لہذا حافظ کا سکوت درست نہیں۔

نیز اگر حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت کرنا اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو پھر انہوں نے اسی فتح الباری میں حضرت یزید بن حصیفہ اور یزید بن رومان کی بیس رکعات والی روایات پر بھی سکوت کیا ہے۔ ان روایتوں کی صحت غیر مقلدین کو کیوں تسلیم نہیں؟ نیز حصہ اول میں ہم یزید بن رومان کی مرسل روایات کے ذیل میں کئی علمائے غیر مقلدین کے حوالے ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے

۱ توضیح الکلام (۴۴/۲) ۲ ایضاً (ص ۴۳) ۳ القول المقبول (ص ۴۴)

(ان حوالوں میں زیر صاحب اور اوران کے استاد حافظ عبدالمنان صاحب کا بھی حوالہ شامل ہے) لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین یزید بن نصیف اور یزید بن رومان کی روایات جن پر حافظ نے فتح الباری میں سکوت کیا ہے، کو صحیح یا حسن ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ان مذکورہ روایات کی صحت کو محدثین اور غیر مقلدین کے معتدل علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اب یہ روایات تو حافظ ابن حجر کے سکوت کے باوجود غیر مقلدین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور یہاں ایک نہایت ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کیلئے مولانا ظفر عثمانی صاحب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کے سکوت کو اس ضعیف روایت کی صحت کی دلیل قرار دیا جا رہا ہے۔ والی اللہ الممستکی۔

خیر یہ تو حافظ ابن حجر کے سکوت کا غیر مقلدین کے ہاں حال ہے کہ اپنے مطلب کی روایات پر ان کا سکوت تو روایات کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے اور اپنے مسلک کے خلاف روایات پر ان کا سکوت فوراً رد کر دیا جاتا ہے۔

لیکن حافظ کے سکوت سے قطع نظر جن روایات کو فتح الباری وغیرہ میں انہوں نے صراحتاً صحیح یا حسن قرار دیا ہے وہ روایات بھی اگر غیر مقلدین کے منشاء کے موافق نہ ہوں تو پھر یہ حضرات حافظ ابن حجر پر بد اعتمادی اور ان کی سخت مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کے صرف چند ایسے حوالے بطور مشتمل نمونہ از خروارے ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ یہ لوگ حافظ ابن حجر کی تحقیق پر کتنا اعتماد کرتے ہیں؟ چنانچہ

(۱) مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب حافظ ابن حجر کے ایک حدیث کو حسن قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: قلتُ فی تحسین اسنادہ نظر۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے۔

(۲) اسی طرح مبارکپوری صاحب ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ففی قول الحافظ باسناد صحیح ایضاً نظر۔ حافظ ابن حجر کے قول کہ یہ سند صحیح ہے میں بھی نظر ہے۔

(۳) قاضی محمد شوکانی ایک حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں: وحسنه الحافظ فی الفتح وفی الاسنادہ عبداللہ بن محمد بن مقیل وفیہ مقال ۱۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو حسن کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن مقیل راوی ہے جس میں کلام ہے۔

(۴) مشہور غیر مقلد شیخ ناصر الدین البانی حافظ ابن حجر کی ایک حدیث کی تحسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان قول الحافظ فی الفتح اسنادہ حسن غیر حسن ۲۔ بے شک حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو حسن کہنا غیر حسن اور ناپسندیدہ ہے۔

(۵) مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰/۴) اس کی سند کو قوی کہا ہے مگر یہ درست نہیں ۳۔

قارئین: صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھ کر آپ غیر مقلدین کے دو غلا پن اور ان کے مکرو فریب کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مطلب کیلئے حافظ ابن حجر کی تحقیق کو اتنی فوقیت دیتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں وارد شدہ کسی روایت پر ان کے صرف سکوت کرنے کو ہی اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل گردانتے ہیں لیکن دوسری طرف اگر کوئی روایت ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہو تو وہاں حافظ ابن حجر کا سکوت کرنا تو کیا ان کا صراحتاً اس روایت کو صحیح یا حسن کہنا بھی غیر مقلدین کی نظروں میں ناقابل اعتماد اور مشکوک ٹھرتا ہے۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں دل پر یہ اختیار شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا  
(۱۰) امام ابو حاتم کے سکوت کا حال غیر مقلدین کی نظر میں :-

امام ابو حاتم کا کسی اور راوی پر سکوت اور جرح نہ کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق کو مقتضی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم جس راوی پر سکوت کریں وہ ثقہ ہوتا ہے تو یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں۔ خود امام ابن ابی حاتم

۱۔ نیل الاوطار (۳/۳۴۲) ۲۔ سلسلہ احادیث الضعیفہ رقم (۳۴۰) ۳۔ مولانا سرفراز صفر صاحب اپنی تصانیف کے



نے سراہت کر دی ہے کہ جس راوی کے متعلق کوئی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی گئی تو ان کا ذکر محض تکمیل ہے اگر کوئی طویل کیا تو ہا آخرا اس کو نقل کر دیں گے۔

۱۰۱۰ انسید محبت اللہ شاہ میر آف جمنڈا لکھتے ہیں: اور امام ابن ابی حاتم اور ابن حبان کے متعلق ہر فرمایا یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا مقتضی تو یہ ہوا کہ جس راوی کا بھی امام ابن ابی حاتم اپنی الجرح و تعدیل میں ذکر کریں اور اس پر کچھ بھی حکم۔ جرح و تعدیل۔ نہ لگائیں اس کے متعلق یہی کہنا چاہیے کہ اس میں طعن یا عیب ہوتا تو امام ابن ابی حاتم سے پوشیدہ نہ رہتا حالانکہ کسی طعن یا توثیق کے عدم ذکر سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ امام موصوف کو ان کے متعلق (اپنے والد ابو حاتم یاد مگر ائمہ سے۔ ناقل) کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں علمائے حدیث یہی فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول الحال، غیر معروف اور مستور ہے۔ ۲۔  
ہنا بریں اگر امام ابن ابی حاتم نے الجرح و التعدیل میں عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق اپنے والد امام ابو حاتم سے کوئی جرح نقل نہیں فرمائی تو مذکورہ علمائے غیر مقلدین کی تصریحات کی روشنی میں اس سے ابن جاریہ کی توثیق بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

الحاصل: زبیر علی زئی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنی بھی شقیں ذکر کی تھیں، ان میں سے ہر ایک شق کا بطلان غیر مقلدین کے مستند علماء کی روشنی میں ثابت ہو گیا اور یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ زبیر صاحب نے ایک ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنا خس و خاشاک اکٹھا کیا تھا۔ اس سے ابن جاریہ کی ذرا بھی توثیق ثابت نہیں ہو سکتی اور بالفرض اگر اس کی کوئی معمولی توثیق ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس پر محدثین کرام کی کی گئی سخت اور مفسر جرح کے مقابلے میں یہ معمولی سی توثیق کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جرح بالخصوص مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث مولانا محمد گوند لوی صاحب لکھتے ہیں: جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً جب مفسر ہو۔ ۳۔ نیز لکھتے ہیں راجح اور صحیح نقادان فن کی نظر میں یہی

۱ حاشیہ توضیح الکلام (۲/۷۴) ۲ مفت روزہ الاعتصام (ص ۱۱) ۲۵ نومبر ۱۹۹۳ء) ۳ تحقیق الراخ (ص ۱۱۴)

ہے کہ جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض ہو تو جرح کو ترجیح ہے عام اس سے کہ محدثین زائد ہوں یا کم ۱۔  
 مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: جبکہ جرح مفسر کی موجودگی میں توثیق معتبر نہیں ۲۔  
 خود زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر جرح مفسر اور تعدیل مفسر باہم برابر ہو تو جرح مقدم ہوگی ۳۔  
 پس جب غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ائمہ  
 حدیث کی جرح مفسر اور نہایت سخت ہے تو اس کے مقابلے میں اگر اس کی کچھ تھوڑی بہت توثیق ثابت بھی  
 ہو جائے تو وہ بقول علمائے غیر مقلدین جرح مفسر کے مقابلے میں غیر معتبر ہے۔ لہذا عیسیٰ بن جاریہ اصولاً  
 ضعیف ٹھہرے۔

ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے۔

علاوہ ازیں عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت کو نقل کرنے میں متفرد بھی  
 ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس زیادت (آٹھ رکعات) کو نقل نہیں کرتا۔  
 چنانچہ امام طبرانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: لا یروی عن  
 جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ الا بهذا الاسناد ۴۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ آٹھ رکعات کی روایت  
 اس (عیسیٰ بن جاریہ کی) سند کے علاوہ کسی اور سند سے مروی نہیں ہے.....

اور اصول حدیث کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضعیف راوی کی منفرد روایت قابل قبول نہیں ہوتی،  
 بالخصوص جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین راتوں کی نماز کو نقل کرنے والے (حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، حضرت  
 انس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ وغیرہ) متعدد صحابہ  
 کرام رضی اللہ عنہم ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی تعداد رکعات منقول  
 نہیں کہ اس سے ابن جاریہ کی اس روایت کی تائید ہو سکے۔ لہذا ابن جاریہ کی یہ روایت ناقابل عمل ہے۔  
 ایک شبہ کا ازالہ: مولانا ذریعہ احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: عیسیٰ بن جاریہ کا تفرد غیر مقبول نہیں کیونکہ

۱ حوالہ سابق (ص ۱۷۲) ذخیر الکلام (ص ۲۵) ۲ توضیح الکلام (۲/۲۷۱)

۳ نور العینین (ص ۴۲) ۴ المعجم الصغیر (۱/۱۹۰)

اس کے تفرود کی صورت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی بات بیان کی ہے جس کے بیان سے دوسرے راوی بات ہیں اور محمد ثین (حافظ ابن الصلاح وغیرہ) نے تصریح کی ہے کہ منفرد راوی جو حفظ و ضبط کے اعلیٰ درجہ پر نہ ہو لیکن وہ حفظ و ضبط کے اعتبار سے بہت گرا ہوا بھی نہ ہو تو اس منفرد راوی کی زیادتی بشرطیکہ اپنے سے اہل راوی کی راویت کے مخالف نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔ اس بیان کے لحاظ سے عیسیٰ کا یہ تفرود غیر مقبول نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ جو جرحیں اس پر کی گئی ہیں وہ سب غیر مقبول اور غیر ثابت ہیں اور ان کے مقابلے میں اس کی تعدیل و توثیق معتبر ہے۔ لہذا حفظ و ضبط کے اعتبار سے اگر وہ بہت اعلیٰ درجہ پر نہ ہو تو بہت گرا ہوا بھی نہیں ہے۔ بنا بریں اس کی یہ حدیث کم سے کم حسن ہوگی ضعیف یا منکر نہیں۔ نیز جب یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ثقہ راوی ہے اور اس نے ایک زائد بات بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات باجماعت پڑھی تھی اور یہ بات دوسرے راوی بیان نہیں کرتے تو حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق اس کی یہ زیادت راجح اور مرجوح کا مقابلہ کئے بغیر مقبول ہوگی اور اس سے زیادت میں اس کا متفرود ہونا ہرگز اس کی راویت کیلئے کسی قدرح کا موجب نہیں ہے۔ ۱۔

جواب: رحمانی صاحب کا یہ نزاد ہم اور مخالفہ ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے اور اس پر کی گئی تمام جرحیں غیر مقبول ہیں۔ ابن جاریہ جس پایہ کا ثقہ راوی ہے اس کی حقیقت تو ہم اچھی طرح طشت از بام کر چکے ہیں اور یہ بات بھی خود علمائے غیر مقلدین کے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس پر ائمہ حدیث کی طرف سے اتنی سخت اور معتبر جرحیں کی گئی ہیں کہ ایسے راوی کی راویت سے استدلال تو کجا اس کی راویت متابعت میں پیش کرنے کے بھی قابل نہیں۔ تو پھر ایسے راوی کا تفرود کیوں کر مقبول کیا جاسکتا ہے؟ ہاں! بالفرض اگر مان لیا جائے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے لیکن یہ بات تو رحمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ وہ حفظ و ضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں ہے۔ ۲۔ تو پھر ایسے راوی کی زیادتی کیسے معتبر ہو سکتی ہے! کیونکہ خود علمائے مقلدین نے ثقہ راوی کی زیادت اور تفرود کے قبول ہونے کیلئے شرط لگائی ہے کہ وہ راوی ۱۔ غلط و اتقن ہو۔ چنانچہ رحمانی صاحب کے ہم مسلک اور ہم استاذ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے

ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں بلکہ اس کا مدار قرآن پر ہے اور قبولیت میں شرط اول یہ ہے کہ زیادت کرنے والا احفظ و اتقن ہو۔ ۱۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب جو رحمانی صاحب کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں کہ: باقی رہا زیادتی ثقہ کا قبول و عدم قبول، سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی کسی جگہ ہوتی ہے اور کسی جگہ نہیں۔ کیوں کہ ثقہ غلطی کر جاتا ہے ان الثقہ قد یغلط مشہور مقولہ ہے ۲۔ نیز گوندلوی صاحب علامہ ابن عبد البر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انما تقبل اذ كان راويها احفظ و اتقن الخ ۳۔

یعنی ثقہ راوی کی زیادتی اس وقت قبول کی جاتی ہے جب اس زیادتی کا راوی احفظ و اتقن ہو۔

اب غیر مقلدین حضرات کی نا انصافی اور دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ مسئلہ رفع یدین اور قرآۃ خلف الامام میں تو وہ عاصم بن کلیب اور سلیمان التیمی جیسے بالاتفاق ثقہ راویوں کی زیادت کو قبول نہیں کرتے اور یہاں مسئلہ تراویح میں اپنی مطلب براری کیلئے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف اور متروک راوی کی زیادت کو بھی بڑے طمطراق سے قبول کر رہے ہیں۔

آپ اپنے جو رو جفا پر خود ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی روایت جابر رضی اللہ عنہ کے دوسرے راوی یعقوب تمیمی کا تعارف۔

عیسیٰ بن جاریہ کا شاگرد یعقوب بن عبد اللہ تمیمی بھی ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بالقوی کہ یہ روایت حدیث میں قوی نہیں ہے ۴۔

مشہور محدث اور امام الرجال علامہ ابن کثیر اس کی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذا الحديث منكر اجداد وفي اسناده ضعف ويعقوب هذا هو القمي وفيه تشيع  
ومثل هذا لا يقبل تفرد به ۵۔

یہ حدیث انتہائی منکر ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے اور یعقوب تمیمی شیعہ ہے۔ ایسے مسائل میں اس

۱۔ توضیح الکلام (۲/۲۶۱) ۲۔ التحقیق الراخ (ص ۱۲۲) ۳۔ ایضاً (ص ۱۳) ۴۔ میزان الاعتدال (۳/۳۳۲) وغیرہ

۵۔ البدیۃ والنہایۃ (۸/۳۷۵)

کا تفریق قبول نہیں کیا جاتا۔ اور چونکہ یعقوب قمی مذکورہ روایت میں بھی متفرد ہے اور اس کی یہ روایت اجماع صحابہؓ اور تعامل امت کے بھی خلاف ہے۔ لہذا اس کی یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

غیر مقلدین کے مسلمہ امام علامہ محمد شوکانی (حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: امام محمد بن علی یمنی شوکانی: متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل جامع و ماہر جمیع فنون اصول و فروع معقول و منقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں..... ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقليد بھی ہے ان کے اکتساب سے ہزار ہا لوگ اہل حدیث ہوئے)۔ غیر مقلدین کے بڑے امام بھی یعقوب قمی کو ضعیف کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفی اسنادہ یعقوب بن عبداللہ القمی وجعفر بن ابی المغیرة القمی وفیہما مقال ۲۔

اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عبداللہ قمی اور جعفر بن المغیرہ قمی ہیں اور ان دونوں میں کلام ہے۔ یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کا جواب۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: یعقوب قمی ثقہ ہے اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (۱) ابن حزم نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳) نور الدین ایشمی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا۔ (۴) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی منفرد حدیث پر سکوت کیا اور یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔ (۵) جریر بن عبد الحمید اسے مومن آل فرعون کہتے تھے۔ (۶) ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ (۷) بخاری نے تعلیقات میں اس سے روایت لی اور اپنی التاریخ الکبیر میں اس پر طعن نہیں کیا۔ لہذا وہ ان کے نزدیک بقول (ظفر احمد) تھا نوی ثقہ ہے۔ (۸) حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (۹) نسائی نے کہا: لیس بہ یأس۔ (۱۰) ابوالقاسم الطبرانی نے کہا ثقہ۔ ۳

جواب یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے زبیر صاحب کی ذکر کردہ یہ تمام شقیں بھی محض ڈوبتے کو بچنے کا سہارا کے مترادف ہیں۔ ان میں سے پہلی چار شقیں کا جواب تو عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں ہو چکا ہے

۱۔ تعریف اہل حدیث (ص ۸۸) ۲۔ نیل الاوطار (۳/۲۸۷) ۳۔ مصلحہ نور المصباح (ص ۱۷)

دیگر شقوں کی صورت حال ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) مؤمن آل فرعون کا لفظ راوی کی توثیق نہیں۔

مؤمن آل فرعون کوئی توثیق و تعدیل کا کلمہ نہیں ہے کہ اس سے یعقوب ثقی کا ثقہ ہونا لازم آئے۔  
زیر صاحب کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اس کلمہ کو الفاظ تعدیل میں سے ہونا ثابت کریں، اس کے بعد اس کو یعقوب کی توثیق کے دلائل میں بھرتی کریں۔

(۶) ابن مہدی کا یعقوب ثقی سے روایت لینا

امام ابن مہدی نے اگرچہ یعقوب ثقی سے روایت بیان کی ہے لیکن کیا ان کا اس سے روایت لینا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے؟ اس بارہ میں خود علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: یحییٰ بن سعید قطان کے متعلق جو عموماً معروف ہے کہ وہ ثقات ہی سے روایت لیتے ہیں اور حسن بن عمارہ سے بھی انہوں نے روایت لی ہے تو بھی یہ حسن کی توثیق کیلئے کافی نہیں جبکہ امام یحییٰ کے متعلق دوسرے محدثین (امام ابن مہدی وغیرہ۔ ناقل) کی طرح یہ قاعدہ بھی کوئی کلی اصول نہیں بلکہ اکثریتی ہے ۱۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: بعض نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے روایت لی ہے۔ سو یہ توثیق کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ جرح کے باوجود ائمہ کا روایت لینا ثابت ہے ۲۔

علاوہ ازیں امام ابن مہدی نے خود تصریح فرمادی ہے کہ وہ فضائل اعمال وغیرہ کی روایت میں تساہل برتتے ہیں اور ضعیف راویوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے:

عن عبد الرحمن بن مہدی یقول اذا روينا عن النبي ﷺ شددنا في الاسانيد وانتقدنا الرجال واذا روينا في فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساهلنا في الاسانيد ۳۔

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ ہم جب آنحضرت ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کی روایات نقل

۱ توضیح الکلام (۲/۶۱۸) ۲ تحقیق الراخ (ص ۱۱۳) ۳ المستدرک (۱/۳۹۰)

کرتے ہیں تو اسانید اور ان کے راویوں کی تنقید میں تشدد سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل اعمال، ثواب و عقاب، مباحات اور عاؤں کے بارہ میں روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل (زری) برت لیتے ہیں۔ بنا بریں اگر امام ابن مہدی نے یعقوب قمی سے بھی روایت بیان کی ہے تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ امام موصوف نے اس سے روایت لیتے ہوئے اسی ہتسائل سے کام لیا ہو اور وہ ضعفاء سے بھی روایات لے لیتے ہیں: فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۷) امام بخاریؒ کا کسی راوی سے معلق روایت لینا۔

عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلاطعن ذکر کرنا اس راوی کی توثیق پر دل نہیں۔ رہا امام بخاریؒ کا اپنی صحیح میں کسی راوی سے تعلیقات روایت بیان کرنا تو یہ بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق اور اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں: جیسے بخاری میں تعلیقات ہیں اور ان کی صحت ضروری نہیں ہے۔

نیز لکھتے ہیں: بخاری اصح الکتاب ہے لیکن تعلیقات بخاری (جرح کی سند بالکل پوری ذکر نہیں ہوتی) ان میں بھی کئی محل گفتگو بھی ہیں۔

مولانا ارشاد الحق اڑی صاحب لکھتے ہیں صحیح بخاری میں معلق روایات امام بخاریؒ کا موضوع اور مقصود نہیں۔ لہذا ان سے کسی سند کے بارے میں استدلال صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے التلک میں صحیح بخاری کی معلق روایات کے بارے میں بڑی نفیس بحث کی ہے اور اس کی تعلیقات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم ذکر کی ہے کہ امام بخاریؒ کبھی بالجزم ایسی معلق روایت بھی لاتے ہیں جو انقطاع کی بنا پر ضعیف ہوتی ہے۔ نیز لکھتے ہیں: معلق روایات امام بخاریؒ کے مقصود سے خارج ہیں۔ ان میں وہ بطور تنبیہ ذکر کرتے ہیں ان سے استدلال و احتجاج مقصود نہیں ہے۔

۱۔ رفع یدین اور آمین (ص ۱۳۰) بحوالہ اظہار التمسین (ص ۶۱) ج ۱ فتاویٰ اہل حدیث (۱/۵۱۸)

۲۔ توضح الکلام (۲/۵۷۶) ج ۲ ایضاً (ص ۵۷۷)

(۸) ذہبی کا قہی کو صدوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں۔

حافظ ذہبی کا یعقوب قہی کو صدوق کہنا بھی غیر مقلدین حضرات کو کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے نزدیک راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں۔ چنانچہ ان کے بہت بڑے بزرگ عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ صدوق کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔ شیخ البانی غیر مقلد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہے گئے لفظ صدوق سے متعلق لکھتے ہیں:

ومما لا شك فيه عندنا ان ابا حنيفة من اهل الصدق ولكن ذلك لا يكفي ليجتج به حديثه حتى ينضم اليه الضبط والحفظ وذلك مما لم يثبت في حقه ع۔

اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اہل صدق میں سے ہیں لیکن یہ ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ ضبط اور حفظ نہ ملے ہوں اور یہ دونوں چیزیں امام صاحب کے حق میں ثابت نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك ولعنة الله على الكاذبين۔

اب غیر مقلدین حضرات کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ امام صاحب کی تعریف و توثیق میں تمام بڑے بڑے محدثین اور فقہاء رطب السان ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک لفظ صدوق ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں لیکن یعقوب قہی جیسے ضعیف اور شیعہ راوی کے حق میں یہ لفظ اس کی حدیث کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے و اعجبنا۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستمگر پہلے

(۹) امام نسائی کا قہی کو لیس بہ باس کہنا غیر مقلدین کے نزدیک اس کی توثیق کے لئے کافی نہیں

عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ لا باس بہ وغیرہ کے الفاظ سے اس راوی کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا اور چونکہ لیس بہ باس بھی اس کے ہم درجہ اور ہم معنی لفظ ہے، اس لئے اگر امام نسائی نے یعقوب قہی کے بارے میں لیس بہ باس فرمایا ہے تو بھی اس سے بقول اثری صاحب یعقوب کی روایت کا قابل حجت ہونا لازم نہیں آتا۔



## (۱۰) امام طبرانی کی توثیق کا جواب

امام طبرانی نے کوئی کو ثقہ کہا ہے لیکن غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور سابق امیر جماعت الامحدیث مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں خصوصاً ایسے موقع پر کہ جرح مفسر و مفصل ہو۔ اور یعقوب قتی کے حق میں بھی جرح مفسر وارد ہے۔ کیونکہ علامہ ابن کثیر نے اس کی روایت کو منکر جدا کہا ہے اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت یا کثرت ہو یا فسق ظاہر ہو اس کی حدیث منکر ہے ۲۔ اور یہی جرح مفسر ہے۔ نیز یعقوب قتی عیسیٰ بن جاریہ سے اس روایت کو نقل کرنے میں بھی متفرد ہے اور کوئی دوسرا راوی اس کا متابع نہیں اور علامہ ابن کثیر کی تصریح کے مطابق یہ حالت افراد میں قابل حجت نہیں ہے۔ لہذا اگر بالفرض اس کو ثقہ بھی مان لیں پھر بھی اس کے متفرد ہونے کی وجہ سے اس کی مذکورہ روایت سے احتجاج کرنا درست نہیں۔

روایت جابر رضی اللہ عنہ کے تیسرے راوی محمد بن حمید الرازی کا تعارف

قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کو یعقوب قتی سے نقل کرنے والا محمد بن حمید الرازی بھی ائمہ رجال کے نزدیک نہایت ضعیف، کذاب اور متروک راوی ہے۔ اگرچہ صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کتب حدیث میں اسی روایت کو ابن حمید الرازی کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قتی سے نقل کیا ہے لیکن مابعد آنے والی روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن حمید الرازی متفرد ہے۔ لہذا اس کا تفصیلی تعارف کتاب رجال سے ملاحظہ ہو: (۱) امام یعقوب بن شیبہ سدوسی اس کو کثیر المناکیر فرماتے ہیں۔ (۲) امام بخاری اس کے بارے میں فرماتے ہیں: فی نظر۔ (۳) امام ابراہیم جوزجانی اس کو ردی المذہب اور غیر ثقہ فرماتے ہیں۔ (۴) امام ابو زرعة فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (۵) عبد الرحمن بن یوسف فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم محمد بن حمید الرازی جھوٹا تھا۔ (۶) اسحاق بن منصور فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید اور عبید بن اسحاق عطار دونوں کذاب ہیں۔ (۷) امام نسائی اور امام ابن دارہ وغیرہ نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ہے۔ (۸) امام ابو علی نسیا پوری

فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن خزیمہ سے عرض کیا کہ اگر آپ محمد بن حمید الرازی سے حدیث بیان کرتے تو بہت اچھا تھا کیونکہ امام احمد نے اس کی تعریف کی ہے۔ اس پر ابن خزیمہ نے فرمایا کہ: امام احمد نے اس کو پہچانا نہیں۔ اگر وہ بھی ہماری طرح اس کو پہچان لیتے تو وہ اس کی بالکل تعریف نہ کرتے۔ (۹) امام ابن حبان نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ (۱۰) ابو نعیم بن عدی فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حاتم کے پاس ان کے گھر حاضر تھا اور ان کے پاس رے کے مشائخ اور حفاظ کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ جب انہوں نے محمد بن حمید رازی کا ذکر چھیڑا تو سب نے بالاتفاق فرمایا کہ وہ روایت حدیث میں نہایت ضعیف ہے۔ اور اس نے ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جو اس نے سنی تک نہیں ہیں۔

ناظرین! آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے یہ تینوں راوی نہایت ضعیف اور متروک ہیں۔ لہذا جو روایت ایسے ضعیف راویوں کی سند پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ظُلْمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہو، اس کو تراویح جیسے اہم مسئلہ میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک سنجیدہ طبقہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس روایت کو معرض استدلال میں پیش کرنے سے دستبردار ہو گیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا اعتبار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ہے۔

مولانا ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خانپور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور ما بعد آنے والی روایت ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔ ان علماء کے نزدیک گویا یہ دونوں حدیثیں استدلال میں پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں اور مولانا عبدالرؤف غیر مقلد نے تو انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف لکھ دیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تیرے رندوں پہ کھل گئے سارے اسرار دین ساقی      ہوا جب علم یقین، عین یقین، حق یقین ساقی

۱ دیکھئے تصدیب الکمال (۱۶/۲۲۱ تا ۲۲۶)، تصدیب التعمدیب (۹/۱۱۳، ۱۱۵) وغیرہ۔

۲ تعداد تراویح (ص ۳۳) ۳ تحقیق تراویح (ص ۲۲) ۴ دیکھئے القول المقبول (ص ۶۰، ۶۱) طبع رابع

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۳ واقعہ ابی بن کعب بروایت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! رات کو یعنی رمضان میں مجھے ایک واقعہ پیش آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا اے ابی کیا بات ہوئی؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں اس لئے ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر سکوت فرمایا گویا کہ آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام بیہقی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا اور اس طرح طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔ مولوی سرفراز دیوبندی لکھتے ہیں: اپنے وقت میں اگر علامہ بیہقی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی ج۔۔۔ جواب اول: اس حدیث کی سند بھی وہی ہے جو سابقہ حدیث کی تھی اور اس میں بھی تینوں ضعیف راوی (یحییٰ بن جاریہ، یعقوب ثقی اور محمد بن حمید رازی) موجود ہیں، بلکہ آخر الذکر راوی کو تو متعدد اماموں نے کذاب اور وضاع قرار دیا ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس (حدیث) کو کسی شخص وضاع یا کذاب نے بیان کیا وہ موضوع ہے ج۔۔۔ ماشاء اللہ! ایسے ہی کذاب راویوں کی بیان کردہ موضوع روایات پر غیر مقلدین کے مذہب کا مدار ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ علامہ بیہقی نے جو اس حدیث کو حسن کہا، اس کا جواب سابقہ روایت کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ ان کی تصحیح و تحسین غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے علامہ بیہقی کے بارے میں جو لکھا ہے تو ان کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ: علامہ بیہقی علوم حدیث کی ایک مسلمہ شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث کی صحت و سقم پر کھنے کا قوی ملکہ نصیب فرمایا ہے۔ ان کی ہر بات کو لہذا وہام کہہ کر بلا دلیل رد کر دینا (جیسا کہ غیر مقلدین کی ان کے بارے میں رائے ہے)

۱۔ مجمع الزوائد (۲/۷۴) ج ۲ احسن الکلام (۱/۲۳۳)۔ منقول از نور المصباح (ص ۱۹) ج ۲ تحقیق الراجح (ص ۱۲)

بالکل غلط ہے۔ حضرت کی عبارت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علامہ بیہمی کی تصحیح و تحسین کو بلا دلیل قبول کر لیا جائے خواہ اس سند میں محمد بن حمید رازی جیسے کذاب اور عیسیٰ بن جاریہ جیسے متروک اور منکر الحدیث راوی موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب مدظلہ علامہ بیہمی کو علل حدیث کا ماہر ماننے کے باوجود ان کی اگر کوئی بات دلائل سے غلط ثابت ہو جائے تو اس کا رد فرماتے ہیں۔ مثلاً علامہ بیہمی کے ایک ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی تو یہ صحیح ہے ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نہ تو مطلقاً علامہ بیہمی کی تصحیح و تحسین کو رد کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی ہر بات کو جو قرآن کی روشنی میں غلط ثابت ہو، قبول کرتے ہیں۔ لہذا غیر مقلدین کا ایک حنفی مقلد عالم کی آڑ لے کر اس موضوع روایت کو حسن ثابت کرنا باطل ہے۔

جواب ثانی: اس روایت کو بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے اور گزشتہ روایت میں مولانا ندیر رحمانی غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ طبقہ رابعہ والوں کی روایات صحابہ کرام سے مروی نہیں ہیں۔ لہذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ابن جاریہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت بھی منقطع ٹھہری اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

جواب ثالث: اس روایت کی سند سے قطع نظر بھی اس سے آٹھ تراویح پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس روایت سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرات ابی کا بیان کردہ یہ واقعہ ضرور رمضان یا تراویح سے متعلق ہی ہو۔ اس لئے کہ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں تو سرے سے رمضان کا لفظ ہی نہیں اور مجمع الزوائد ۲ میں بحوالہ مسند ابی یعلیٰ یعنی رمضان کا لفظ ہے جو روایت کا حصہ نہیں بلکہ راوی کا اپنا فہم ہے اور قیام اللیل میں اگرچہ رمضان کا لفظ ہے لیکن بوجہ قرینہ سابقہ اس میں رمضان کا لفظ مدرج ہے۔ اب ممکن ہے کہ یہ لفظ خود حضرت جابر کا فرمودہ ہو جو اس روایت کے پہلے راوی ہیں یا پھر نیچے

کے ضعیف راویوں (عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب ثقی اور محمد بن حمید رازی) میں سے کسی ایک کا تصرف ہو۔  
 فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ بنا بریں جب اس روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس  
 سے آٹھ تراویح پر استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ نماز تراویح تو صرف خاص رمضان میں ہی پڑھی  
 جاتی ہے نہ کہ پورا سال اور یہاں روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس عام دلیل سے  
 خاص رمضان کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا چہ معنی وارو؟۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں تو پھر تہجد سے ہوگا، اس صورت  
 میں تہجد کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ عند الاحناف تہجد کی جماعت مکروہ ہے ۱۔ اس  
 شبہ کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت مطلق مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کو قد امی  
 کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے ۲۔ اگر چند آدمی اتفاقی طور پر اکٹھے ہو جائیں اور بلا تداوی نوافل کی جماعت  
 کر لیں (جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر کی عورتوں کو بلا تداوی نوافل  
 کی جماعت کرانا) تو اس صورت میں عند الاحناف بھی تہجد کی جماعت بلا کراہت جائز ہے۔

جواب رابع: اس روایت میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ بعض روایتوں میں رمضان کا لفظ  
 ہے اور بعض روایتوں میں یعنی رمضان کا لفظ ہے اور بعض روایتوں میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں۔  
 اسی طرح قیام اللیل وغیرہ میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرنا مذکور ہے  
 جب کہ مسند احمد وغیرہ کی روایت میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان نہیں کر رہے بلکہ یہ واقعی کسی دوسرے نام  
 معلوم شخص کا نقل فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد وغیرہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

عن جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ عن ابی رضی اللہ عنہ بن کعب قال جاء رجل الى النبي صلی اللہ علیہ وسلم عملت  
 الليلة قال ما هو قال نسوة معي في الدار..... الخ ۳۔

لہذا یہ روایت مضطرب ہے اور غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی ۴۔

۱ انوار المصباح (ص ۱۵۸) وغیرہ ۲ دیکھئے فتاویٰ شامی (۵۲۳/۱)، فتاویٰ بزازیہ (۳۱/۳) وغیرہ

۳ مسند احمد بحوالہ انوار المصباح (ص ۱۶۲) ۴ تحقیق الکلام (۷/۲)

الغرض اس روایت سے استدلال اور احتجاج کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۴: امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ ۱۔

جواب: اس روایت سے استدلال کرنا بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔ (۱) یہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ راشد کا قول ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی حجت ہے۔ باقی کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا قول ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ النکل مولانا زبیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں: زیرا کہ قول صحابی حجت نیست ۲۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: و افعال الصحابة رضی اللہ عنہم واقوالہم لا حجة فیہا ۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں۔

غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب فرماتے ہیں: تابعین کے اقوال بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے ۴۔ نواب صدیق صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: قول صحابی حجت نباشد ۵۔ شیخ عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں: قول صحابی حجت نہیں ہے ۶۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب فرماتے ہیں کہ: اہل حدیث کے مذہب میں خدا اور رسول کے کلام کے سوا کسی کے قول و فعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے ۷۔

بلکہ فرقہ غیر مقلدین میں تو ماشاء اللہ ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے جاری کردہ طریقہ اور ان کی سنت کو بدعت ضلالہ اور گمراہی تک کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور اور مستند عالم علامہ امیر ایمانی صاحب خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ جماعت تراویح کو بدعت ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: عرفت ان عمر رضی اللہ عنہ هو الذی جعلها

جماعة علیٰ معین و سماها بدعة۔ و اما قوله نعم البدعة فلیس فی البدعة ما

۱۔ مؤطا امام مالک (ص ۱۱۳)، السنن الکبریٰ للبخاری (۲/۳۹۶) ۲۔ فتاویٰ نذیریہ (۱/۳۳۰) ۳۔ نیل الاوطار (۳/۷۱)

۴۔ خیر الکلام (ص ۲۳۹) ۵۔ عرف الجادی (ص ۳۸، ۳۹ وغیرہ) ۶۔ القول المقبول (ص ۳۳۷) ۷۔ مظالم روپڑی (ص ۵۰)

یمدح بل کل بدعة ضلالة۔

تم نے یہ جان لیا کہ حضرت عمر ؓ ہی نے تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ نیز امیر ایمانی صاحب حضرات خلفائے راشدین ؓ کے کسی بھی قول و فعل کو حجت نہیں مانتے، پنانچہ لکھتے ہیں۔ ان السحابة ؓ، خالفوا المشيخين في مواضع ومسائل فدل انهم لم يحملوا الحديث على ان ماقالوه وفعلموه حجة ۲۔ صحابہ کرام ؓ نے کئی مسائل میں شیخین (حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ) کی مخالفت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین ؓ جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے۔ اب جو لوگ صحابہ کرام ؓ اور خلفائے راشدین ؓ کے اقوال و افعال کو حجت نہیں مانتے بلکہ ان کی سنت کو بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ تو ایسے لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام ؓ میں سے کسی کے قول یا فعل سے حجت پکڑیں؟

(۲) اس روایت کی سند اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کا متن ضعیف ہے ۳۔ کیونکہ محدثین کرام نے اس روایت کے راوی امام مالک کے قول گیارہ رکعات کو وہم قرار دیا ہے ۴۔

۱۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام (۱۲/۲) ۲ ایضاً (ص ۱۱) ۳۔ مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ان صحة السند لا يستلزم صحة المتن۔ اباکار السنن (ص ۲۸) بے شک سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: اور صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے۔ تحقیق الراوی (ص ۱۱) ۴۔ اگر یہ اشکال کیا جائے کہ امام مالک جیسے حلیل القدر محدث اور ثقہ راوی سے کیسے وہم ہو سکتا ہے تو مولانا مبارکپوری صاحب اسی اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ان الثقة قد سبهم ویغلط کہ کبھی کبھی ثقہ راوی بھی وہم اور غلطی کر جاتا ہے۔ اباکار السنن (ص ۱۵۹)۔ مولانا گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: ان الثقة قد یغلط (ثقہ راوی بھی کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے) مشہور مقولہ ہے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۲۲) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید ایسے حفاظ و اثبات بھی محفوظ نہ رہ سکے تو وہ آخر انسان ہی ہیں اور خطا و نسیان انسان کے خمیر میں ہے۔ امام ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے۔ توضیح الکلام (۵۹۱/۲)

ع مدنی لاکھ پ بھاری ہے گواہی تیری

چنانچہ مشہور مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ان الاغلب عندی ان قوله  
احدی عشرۃ وہم۔

میرے نزدیک غالب گمان یہ ہے کہ امام مالک کا قول گیارہ رکعات وہم ہے۔ نیز فرماتے ہیں: روی  
غیر مالک فی هذا الحدیث احدی وعشرون وهو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ  
احدی عشرۃ الا مالک ۲۔ امام مالک کے علاوہ دیگر راویوں نے اس حدیث میں تراویح کی  
اکیس رکعات نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے اور میں نہیں جانتا کہ امام مالک کے سوا کسی دوسرے محدث نے  
گیارہ رکعات کا قول اس حدیث میں نقل کیا ہو۔ اب علامہ ابن عبدالبرؒ باوجود امام مالک کے مقلد ہونے  
کے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں گیارہ رکعات کا قول امام مالک کا وہم  
اور انکا تفرد ہے ۳ اور غیر مقلدین کے عظیم محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

۱۔ زر قانی شرح مؤطا (۲۱۵/۱) وغیرہ ۲ ایضاً ۳۔ اشکال: بعض حضرات نے لکھا ہے کہ امام مالک کی طرف وہم کی  
نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ وہ گیارہ رکعات کے قول کو نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ عبدالعزیز بن محمد الدر اور دوی اور یحییٰ  
بن سعید قطان نے بھی ان کی متابعت کی ہے اور انہوں نے بھی محمد بن یوسف سے امام مالک کی طرح گیارہ رکعات کا قول  
نقل کیا ہے۔ لیکن یہ اشکال غلط ہے۔ اولاً: عبدالعزیز و در اور دوی کی متابعت تو کالعدم ہے کیونکہ وہ خود غیر مقلدین کے  
زردیک بھی ضعیف راوی ہے۔ کما سبائی تفصیل۔ نیز اس روایت میں لوگوں کا حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ رکعات  
پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ امام مالک کی روایت میں لوگوں کا عمل مذکور نہیں بلکہ صاف حضرت عمرؓ کے حکم دینے کی تصریح ہے۔  
اسی طرح یحییٰ بن سعید کی روایت بھی امام مالک کی روایت سے مختلف ہے کہ امام مالک کی روایت میں تو ہے کہ حضرت  
عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ  
کے اس حکم کا ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ پڑھانا مذکور ہے۔ لہذا امام یحییٰ کی روایت امام مالک  
کی روایت سے مختلف ہونے کی وجہ سے اسکے متابع نہیں بن سکتی۔ البتہ امام مالک کی روایت کا مضمون اور مصنف عبد  
الرزاق کی روایت کا مضمون اور الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن تعداد رکعات کے بیان میں فرق ہے۔ امام مالک کی روایت میں  
ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا جبکہ عبدالرزاق کی  
روایت میں ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو اکیس رکعات پر جمع کیا (یعنی حکم دیا) تھا۔ اب ان دونوں کی روایت میں سے  
اکیس رکعات والی روایت کو علامہ ابن عبدالبرؓ نے ترجیح دی ہے اور امام مالک کی گیارہ رکعات والی روایت کو انہوں =



جس حدیث کی سند کے رجال ثقافت ہوں، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لیکن کسی محدث کو کسی علت خفیہ (دہم وغیرہ۔ ناقل) پر اطلاع ہو جائے اور وہ کہے کہ اس میں علت ہے تو وہ معطل ہے۔ ۱۔ چونکہ علامہ ابن عبد البرؒ جو مشہور محدث ہیں انہوں نے اس حدیث پر وہم کا حکم لگایا ہے لہذا اگر اس حدیث کے راوی ثقہ بھی ہیں تو بھی یہ حدیث معطل اور ناقابل حجت ہے۔

(۳) اس روایت کے ناقابل استدلال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے متن میں اضطراب بھی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ دلیل نمبر ۴ سے ذیل میں آئے گی۔

(۴) اگر اس روایت کے متن کو وہم اور مضطرب نہ بھی کہا جائے بلکہ مذکورہ روایت اور بیس رکعات والی روایت میں تطبیق دی جائے جس کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے تو پھر بھی اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ ایونہ ان محدثین کرام کے نزدیک کیا رہ رکعات پر عمل چند روز تک ہی رہا، پھر یہ عمل منسوخ ہو کر بیس رکعات پر ہمیشہ کے لیے عمل قرار پایا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب فرماتے ہیں: ایک یہ حدیث ہے جو موطا (امام مالک) میں آتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور دوسری حدیث یہی ہے جس میں تیس رکعات کا ذکر ہے پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے امام بیہقی کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت

= نے وہم قرار دیا ہے اور اس روایت پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ امام مالک کی روایت کیلئے عبدالعزیز در اور دی اور بیہقی قطان کی روایت متابع ہیں حالانکہ ان دونوں کی روایات امام مالک کی روایت سے مضمون کے لحاظ سے مختلف ہیں جیسا کہ ابھی لڑا تو پھر یہ روایات اس کے لئے متابع کیسے ہیں؟

حاشیاً: اگر تسلیم بھی کر لیں کہ یہ دونوں روایتیں امام مالک کی روایت کیلئے متابع ہیں اور امام مالک کی روایت کی طرف علامہ ابن عبد البرؒ کا وہم کی نسبت کرنا ناظر ہے تو پھر بھی ان کا اس روایت پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے کیونکہ غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد گوندلوی صاحب نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی محدث کسی حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا یقین کر لے لیکن نسبت وہم میں غلطی بھی کر لے تو بھی وہم کا حکم صحیح ہوگا۔ دیکھئے تحقیق الراخ (ص ۱۲) اور چونکہ علامہ ابن عبد البرؒ (جن کا محدث ہونا غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے) نے اس حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا حکم لگایا ہے لہذا اگر ان سے وہم کی نسبت میں غلطی بھی ہو گئی ہے تو پھر بھی بقول مولانا محمد گوندلوی مرحوم ان کا اس حدیث پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۔ تحقیق الراخ (ص ۱۲)

اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا پھر معاملہ بیس پر مقرر ہو گیا ۱۔  
 امام بیہقی کے علاوہ علامہ زرقائی، علامہ عینی، علامہ باجی مالکی، علامہ سیوطی، حافظ ابن تیمیہ، علامہ شوکانی،  
 حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ نیوی وغیرہم مشاہیر علمائے کرام نے بھی اسی تطبیق کو اختیار کیا ہے ۲۔  
 اب مذکورہ علمائے کرام کی ذکر کردہ تطبیق کی وجہ سے اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ منسوخ  
 روایت ناقابل عمل ہوتی ہے۔

(۵) اس روایت کے بنیادی راوی امام مالک کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ حصہ اول  
 میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مذہب بیس یا چھتیس رکعات کا ہے۔

(۶) اس روایت کے مرکزی راوی حضرت سائبؓ بن یزید کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے  
 کیونکہ حصہ اول میں صحیح السند روایت سے ان کا اپنا عمل گزر چکا کہ ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ  
 خلافت میں بیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابیؓ بن کعب (جن کو اس روایت میں حضرت عمرؓ نے تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا)  
 کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ وہ خود حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات  
 تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کی روایات حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔ نیز غیر مقلدین کے  
 مسلمہ امام شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: فلما جمعہم عمرؓ علی ابی بن کعب  
 کان یصلی بہم عشرين رکعة ثم بیوتر بثلاث ۳۔

جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابیؓ کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات تراویح اور تین  
 رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

بنابریں اس روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے حالانکہ اگر کسی  
 روایت کے ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ثابت ہو جائے تو وہ روایت ناقابل عمل ہوتی  
 ہے۔ اور یہ قاعدہ خود علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی

۱ رسالہ تراویح مع ینایح (ص ۳۰) ۲ تعداد تراویح (ص ۱۶۵) از: مولانا عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد

۳ انوار المصابیح (ص ۲۳۳) از: مولانا ذریعہ رحمانی غیر مقلد ۴ مجموعۃ الفتاویٰ (۱۱/۵۲۰)

صاحب لکھتے ہیں: اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہ ہوگی۔  
 نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ومخالفت راوی از مروی دلیل است  
 بر آنکہ راوی علم ناسخ دارد چه حمل آن بر سلامت واجب است۔  
 راوی کا اپنی مروی روایت کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ راوی اس روایت کو منسوخ کر دینے  
 والی روایت کا علم رکھتا ہے کیونکہ اس کو راوی کی عدالت کو سلامتی پر محمول کرنا واجب ہے۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک روایت کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خود اپنی مروی عنہ کے خلاف کرنا، اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ یہ روایت قبل  
 مشروعیت کی ہے۔ ۳۔

نیز گوندلوی صاحب ایک اور روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اسی طرح مجاہد جسے آپ ابن  
 عمر رضی اللہ عنہما کے فعل عدم رفع کا ناقل بتاتے ہیں، خود اس کا عمل اس کے مروی عنہ کے خلاف ہے۔ یہ ضرور بتلاتا  
 ہے کہ یہ روایت اس کے نزدیک معمول پہ نہیں۔ ۴۔

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ روایت کے کسی ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت  
 کے خلاف ہوتا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت قابل عمل نہیں جبکہ اس مذکورہ روایت کے  
 تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے تو پھر یہ روایت معمول پہ کیسے بن سکتی ہے؟  
 ﴿۸﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جس طرح گیارہ رکعات نقل کی جاتی ہیں اسی طرح ان سے بیس رکعات کی روایات  
 بھی صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں اور بیس والی روایات گیارہ والی روایات پر کئی وجوہ سے راجح ہیں۔ مثلاً  
 اولاً: بیس رکعات والی روایات بہ نسبت گیارہ والی روایات کے زیادہ اور کثیر ہیں۔

ثانیاً: بیس والی روایات اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعامل امت سے مؤید ہیں جبکہ گیارہ والی روایات نہ تو  
 اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے مؤید ہیں اور نہ ہی تعامل امت سے۔

۱۔ انارۃ المصاحح (ص ۲۹) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراويح (ص ۱۶۶) ۲۔ دلیل الطالب (ص ۴۷۶)

۳۔ تحقیق الراجح (ص ۱۳۲) ۴۔ ایضاً (ص ۱۷۰)

مثلاً:۔ تمام بڑے بڑے محدثین اور ائمہ کبار مثلاً امام شافعیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہم اور علمائے غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا میاں غلام رسولؒ وغیرہمانے بھی گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس رکعات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مذکورہ علماء کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں، لیکن کسی محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے بیس والی روایات کے مقابلے میں گیارہ والی روایات کو ترجیح دی ہو۔

رابعاً:۔ مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے مذکورہ گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس والی روایات کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی بیان کی ہے کہ: یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی (گیارہ رکعات والی) حدیث سے زیادہ بڑی ہوئی ہے کیونکہ اس میں زیادت ہے (جو اصول حدیث کے لحاظ سے واجب القبول ہے) ۱۔

ان مذکورہ بالا وجوہ ترجیح کی بناء پر بیس رکعات والی روایات گیارہ رکعات والی روایات پر راجح ہیں۔ لہذا یہی قابل عمل ہیں۔

﴿۹﴾ مذکورہ بالا روایت میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے اور یہ غیر مقلدین کے دعویٰ کے خلاف ہے کیونکہ ان گیارہ رکعات میں اگر ایک رکعات وتر کی شمار کی جائے، جیسا کہ غیر مقلدین کا عمل ہے تو پھر تراویح کی دس رکعات ہو جائیں گی حالانکہ غیر مقلدین صرف آٹھ تراویح کی سنیت کے قائل ہیں اور اگر گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعتیں وتر کی شمار کی جائیں تو یہ بھی غیر مقلدین کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ یہ تین وتر کی بجائے صرف ایک رکعت وتر کی پڑھتے ہیں۔ الغرض دونوں صورتوں میں یہ روایت غیر مقلدین کے مدعی کے مخالف ہے۔

﴿۱۰﴾ احتیاط بھی بیس رکعات والی روایات پر عمل کرنے میں ہیں کیونکہ بیس رکعات ادا کرنے سے آٹھ رکعات پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے کہ آٹھ بھی بیس میں داخل اور شامل ہیں لیکن اس کے برخلاف آٹھ تراویح کے پڑھنے سے بیس رکعات والی روایات پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے

کہ آٹھ رکعات کی بجائے بیس رکعات تراویح ادا کی جائیں۔ تلتک عشرۃ کاملۃ  
غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۵:-

حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے زمانہ  
میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، سنن سعید بن منصور

الجواب۔ اس روایت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر ہے،  
اس میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح ہے اور نہ ان کا اپنا عمل مذکور ہے اور جب تک روایت میں خلیفہ  
راشد کا حکم یا ان کا عمل ذکر نہ ہو اس وقت تک غیر مقلدین اس روایت کو حجت ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔  
پنانچہ حافظ عبد اللہ صاحب غار پوری حضرت یزید بن رومان کی روایت (جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے  
زمانہ میں بیس رکعات پڑھے جانے کا ذکر ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس میں اس امر کی  
تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔ ۱۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن ابی ذہب رضی اللہ عنہ کی روایت تو فاروقی حکم سے یکسر خالی  
ہے۔ لہذا موضوع سے خارج ہے۔ ۲۔

مولانا عبد المنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: جس قدر آثار ذکر کئے گئے ہیں، ان میں صرف  
یہی بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے  
لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا۔ ۳۔  
مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی جن روایتوں کو (کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے) حنفی مذہب کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ: ان میں تو ”علی  
عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ“ اور ”فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ“ سے زیادہ کچھ نہیں ہے نہ  
کسی شہر کا ذکر ہے اور نہ کسی مسجد کا۔ ۴۔

۱۔ رکعات تراویح (ص ۱۹) ۲۔ تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰) ۳۔ تعداد تراویح (ص ۶۲)

۴۔ انوار المصباح (ص ۲۳۱)

ان مذکورہ بالا علمائے غیر مقلدین کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ روایت میں جب تک حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل کا ذکر نہ ہو وہ روایت موضوع سے خارج اور ناقابل حجت ہے اور چونکہ مذکورہ روایت میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم اور ان کے اپنے عمل کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ لہذا غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں یہ روایت بالکل ناقابل احتجاج اور موضوع سے خارج ہے۔

جواب دانی:۔ اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اس روایت کے مرکزی راوی عبدالعزیز بن محمد الدرادردی پر ائمہ حدیث نے ایسی جرحیں کی ہیں جن کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ چنانچہ (۱) امام احمد بن زبیر فرماتے ہیں: لیس بشیء کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ (۲) امام نسائی فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی یہ روایت حدیث میں مضبوط نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث عبید اللہ عمری سے منکر ہیں۔

(۳) امام محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ: یہ ویسے تو ثقہ اور کثیر الحدیث ہے لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔ (۴) امام ابن حبان کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلاتے ہیں۔ (۵) امام ابو حاتم فرماتے ہیں: لایحتج بہ کہ یہ قابل حجت نہیں ہے۔ (۶) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: بہ صدوق ہے لیکن دوسرے محدثین کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں غلطیاں کرتا تھا۔ (۷) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: لیس بشیء یہ روایت حدیث میں کچھ نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جب یہ زبانی روایت بیان کرتا ہے تو وہم کر جاتا ہے اور باطل روایات نقل کرتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں خطا اور وہم کر جاتا ہے۔

(۸) امام سعد بن سعید فرماتے ہیں: فیہ لیس۔ یہ روایت حدیث میں کمزور ہے۔

(۹) امام ساجی فرماتے ہیں کہ: یہ اگرچہ سچے اور امانت دار لوگوں میں سے ہے لیکن کثیر الوہم ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: کثیر الوہم جرح مفسر ہے۔

۱۔ تہذیب الکمال (۱۱/۵۲۷، ۵۲۸)، تہذیب التہذیب (۶/۳۵۲، ۳۵۳) الجرح والتعديل ( )

۲۔ تقریب التہذیب (۱/۲۰۷) ۳۔ میزان الاعتدال (۲/۶۳۳، ۶۳۴)، الاکشف (۲/۱۷۸)، تہذیب (۶/۳۵۳)

۴۔ ایضاً ۵۔ دیکھئے توضیح الکلام (۱/۴۷۹)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص کی روایات میں خطا و اوہام زیادہ ہوں تو اس کی حدیث ترک کر دی جاتی ہے۔ ۱۔ (۱۰) مشہور محدث اور امام الرجال حضرت ابو زرعہ کی تعریف میں مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: وہ ابو زرعہ جن کی خصوصیات اور کمال فن کو حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں تقریباً تین صفحے میں ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلا لفظ یہ ہے ابو زرعہ الرازی احد الائمة الحفاظ۔ الخ ۲۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام ابو زرعہ تو انتہائی معتدل اور عاقل حدیث کے مسلم استاد تسلیم کیے جاتے ہیں ۳۔ یہ ابو زرعہ غیر مقلدین کے انتہائی مدوح امام فرماتے ہیں کہ: عبد العزیز در اوردی سیء الحفظ (برے حافظے والا) راوی ہے اور بسا اوقات اپنے حافظے سے کچھ بیان کرتا ہے تو غلطی کر جاتا ہے ۴۔ مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: کاذب، سسیء الحفظ وغیرہ جرح مفسر ہے ۵۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: نسوء حفظ، الحاق، وضع سب جرح مفسر ہیں ۶۔ مولانا ارشاد الحق اثری اور مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب بھی سینی الحفظ کو جرح مفسر کہتے ہیں ۷۔ اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اگرچہ تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں۔ اور چونکہ خود غیر مقلدین کے نزدیک عبد العزیز در اوردی قابل ترک راوی ہے اور اس پر جرح مفسر کی گئی ہے۔ لہذا اس کی مذکورہ بالا حدیث ضعیف ٹھہری اور شیخ عبدالرؤف غیر مقلد کے نزدیک تو در اوردی کی روایت تو معتبر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: اور در اوردی غلطیاں کرتے ہیں جیسا کہ ابن سعد، ابو زرعہ اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ لہذا ان کا اس حدیث کو مرفوع روایت کرنا معتبر نہیں ۸۔ اعتراض: حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: عبد العزیز صحاح ستہ کا راوی ہے اور جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہے۔ اس کی عبید اللہ العمری سے روایت پر جرح ہے اور ہماری پیش کردہ روایت عبید اللہ سے نہیں ۹۔

۱۔ نور العینین (ص ۶۳) ۲۔ انوار المصابیح (ص ۱۳۶) ۳۔ نور العینین (ص ۱۲۸) ۴۔ تہذیب التہذیب (۶/۳۵۳)

۵۔ اصطلاحات الحدیثین (ص ۴۰) ۶۔ تحقیق الراجح (ص ۱۱۳) ۷۔ دیکھئے توضیح الکلام (۲/۶۳۰)، ابکار المن

(ص ۱۶۸، ۱۶۹) ۸۔ القول المقبول (ص ۵۵۸)۔ طبع رابع ۹۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷۰)

جواب:- زبیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تینوں شقیں باطل ہیں ہر شق کا جواب نمبر وار ملاحظہ کریں۔  
 (۱) عبدالعزیز در اوردی صحاح ستہ کا راوی نہیں کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کو مقرون بالغیر یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن محمد الدر اوردی قد اخرج له مسلم في صحيحه واحتج به  
 واخرج له البخاري مقرونا بعبد العزيز بن ابي حازم۔

امام مسلم نے تو اس کی حدیث سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کی روایت کو ابن ابی حازم کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا۔ گویا صرف در اوردی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا۔ اور مولانا نذیر رحمانی صاحب نے تصریح کی ہے کہ ایسے راوی کو بخاری کا راوی نہیں کہتے ۲۔  
 مولانا مبارک پوری صاحب نے بھی در اوردیؒ کو بخاری کا راوی شمار نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: قد احتج به مسلم واصحاب السنن ۳۔ کہ امام مسلم اور اصحاب سنن نے اس سے احتجاج کیا ہے (نہ کہ بخاری نے)

اگرچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی روایت سے احتجاج کیا ہے لیکن خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک کسی راوی کی روایت سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ جو بھی روایت کی ہو وہ بھی صحیح ہو۔ چنانچہ عظیم غیر مقلد عالم قاضی شوکانی ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وفيه عبدالله بن عمر العمري فيه مقال وقد اخرج له مسلم ۴۔

اس روایت میں عبداللہ بن عمر العمري راوی ہے جس میں کلام ہے اگرچہ امام مسلم نے اس سے (اپنی صحیح میں) تخریج کی ہے۔ معلوم ہوا غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح مسلم کا راوی ہونے سے

۱. التعلیق لغنی (۱/۳۳۵) ۲. دیکھئے انوار المصابیح (ص ۲۲۰) ۳. ابتکار السنن (ص ۲۲۹)

۴. نیل الاوطار (۳/۳۳۰)



اس کی ہر حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

(۲) عبدالعزیز در اوردی کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اس کے بالقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔ اور اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ اس کی توثیق کرنے والوں کی تعداد اس کے جارحین سے زیادہ ہے لیکن یہ بات تو بہر حال غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ اس پر جرح مفسر کی گئی ہے اور یسلیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں خود علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر کو توثیق پر ترجیح ہوتی ہے اگرچہ توثیق کرنے والے زیادہ ہوں۔ لہذا عبدالعزیز با اصول غیر مقلدین بھی ضعیف ٹھہرے۔

ثانیاً: غیر مقلدین عبدالعزیز در اوردی جیسے راوی کے بارے میں عموماً یہ فیصلہ کیا کرتے ہیں کہ جن محدثین نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے اعتبار سے ہے اور جنہوں نے اس کی تضعیف کی ہے وہ اس کے برے حافظ اور کثرت اوہام کی وجہ سے کی ہے۔ چنانچہ خود معترض زبیر صاحب ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے لحاظ سے ہے مگر برے حافظے اور کثرت اوہام و خطا کی وجہ سے ضعیف ٹھہرا۔ کیا زبیر صاحب سے ہم یہاں بھی ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید!

ع ننگاہ لطف کے اسید وارہم بھی ہیں

(۳) زبیر صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کی عبداللہ العمری کی روایت پر جرح ہے کیونکہ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ امام نسائی کے علاوہ دیگر محدثین نے اس پر مطلق جرح کی ہے۔ اور امام نسائی سے بھی اس پر دو قسم کی جرح منقول ہے ایک مطلق جرح اور ایک عبید اللہ عمری کی روایت کی وجہ سے۔ اب زبیر صاحب کا ان جارحین کی جرحات کو امام نسائی کی ایک جرح پر محمول کرنا بلا دلیل اور محض ہوائی قلعہ فتح کرنا ہے۔

دلیل نمبر ۶:- یحییٰ بن سعید القطان حضرت سائبؓ بن یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کی امامت پر جمع کیا ہے پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

جواب اول:- یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح تعداد رکعات کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل سے خالی ہے۔ کیونکہ اس روایت میں صرف یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کی اقتداء پر جمع کیا لیکن اس میں یہ تعین نہیں ہے کہ انہوں نے ہی گیارہ رکعات کی تعداد مقرر فرمائی یا حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ خود اپنی مرضی سے گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ جب تک روایت میں حضرت عمرؓ کا حکم یا ان کے حکم کی تصریح نہ ہو تو وہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

جواب ثانی:- اس روایت کے متن میں اضطراب ہے اور اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت سائب بن یزیدؓ سے نقل کرنے والے محمد بن یوسف مدنی ہیں جن سے اس روایت کو ان کے پانچ شاگردوں نے بیان کیا ہے: (۱) امام مالکؒ (۲) عبدالعزیز در اور دمیؒ (۳) یحییٰ بن سعید القطانؒ

۱۔ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔ تعداد تراویح (ص ۱۴۳) لیکن نور پوری صاحب کا یہ جواب محض دفع وقتی اور راہ فرار اختیار کرنے کا ایک بہانہ ہے کیونکہ اگر اس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی نہیں تو میں رکعات والی روایات میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی نہیں ہے۔ پھر غیر مقلدین (بشمول نور پوری صاحب) نے ان روایات پر یہ اعتراض کیوں کیا تھا کہ ان روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ ناقابل حجت ہیں۔ اب غیر مقلدین کے اس دوغلہ پن کو تجاہل عارفانہ کہا جائے یا پھر تعصب مذہبی کا شاخسانہ قرار دیا جائے؟ اس کا فیصلہ کرنا غیر مقلدین کے سر ہے نیز اگر غیر مقلدین کی طرف سے یہ کہا جائے کہ دراددی کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی اگرچہ تصریح نہیں لیکن مؤطا کی روایت میں ان کے حکم کی تصریح موجود ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ جناب! بالکل لیکن یزیدین رومان وغیرہ کی روایات میں بھی اگرچہ حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے لیکن میں والی دیگر روایات میں تو حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ پھر وہ روایات آپ کے نزدیک کیوں ناقابل حجت ہیں؟

ٹھوکریں مت کھائیے چلئے سنبھل کر چال سب چلتے ہیں مگر بندہ پرور دکھیے کر

- (۳) محمد بن اسحاق (۵) داؤد بن قیسؒ اور ان پانچوں کی بیان کردہ روایات یوں ہیں:-
- (۱) محمد بن یوسف سے ان کے پہلے شاگرد امام مالک یوں نقل کرتے ہیں: حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔
- (۲) دوسرے شاگرد عبدالعزیز یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔
- (۳) تیسرے شاگرد یحییٰ بن القطان بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع فرمایا۔ پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھاتے تھے۔
- (۴) چوتھے شاگرد محمد بن اسحاق اپنے استاد کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔
- (۵) پانچویں شاگرد داؤد بن قیس جو امام عبدالرزاق کے استاذ ہیں، یوں بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے رمضان المبارک میں لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔
- اب محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مخالف ہیں۔
- عدد کے اعتبار سے اختلاف یوں ہے کہ پہلے تین شاگرد تو گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں اور چوتھے شاگرد محمد اسحاق (جو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں) تیرہ رکعت نقل کرتے ہیں۔

۱. مؤطا، مالک (ص ۹۸) ۲. سنن - عید بن منصور، بحوالہ الخاوی (۱/۳۴۹) ۳. مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۳) ۴. قیام اللیل، بحوالہ العلیق الحسن (ص ۲۰۳) ۵. مصنف عبدالرزاق (۳/۲۶۰) ۶. بعض غیر مقلدین نے علامہ نیوی کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں لیکن یہ توجیہ باطل اور محض احتمال عقلی پر مبنی ہے اور خود غیر مقلدین حضرات گیارہ اور بیس رکعات والی روایات کے درمیان محدثین کرام (امام بیہقی، علامہ نیوی وغیرہ) کی گئی توجیہ کو احتمالی اور بلا دلیل کہہ کر رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیوی، علامہ حاجی اور دیگر

جبکہ پانچویں شاگرد داؤد بن قیس کی روایت میں اکیس رکعات کا ذکر ہے ۱۔

= مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یادداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ پڑھی ہے اور نہ کسی سے سنی ہے..... نیز لکھتے ہیں: مذکورہ (علماء کی) تطبیق احتمال پر مبنی ہے۔ تعداد تراویح (ص ۱۶۵، ۱۶۶)۔ مولانا عبد اللہ غازی پوری صاحب لکھتے ہیں: اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے اور بیس کا پیچھے۔ رکعات تراویح (ص ۲۲)۔ اب قارئین اندازہ لگائیں کہ ان سب بڑے بڑے محدثین کی بیان کردہ تطبیق اور توجیہ تو غیر مقلدین کی نظروں میں با دلیل اور احتمالی ہونی کی وجہ سے مردود ہے لیکن علامہ نیومی کی گیارہ اور تیرہ رکعات کے درمیان کی گئی توجیہ مقبول ہوگئی حالانکہ علامہ نیومی نے بھی اپنی اس توجیہ پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی آج تک کوئی غیر مقلد اس کی دلیل پیش کر۔ کا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔

ثانیاً:۔ اس روایت کے راوی محمد بن اسحاق نے خود تیرہ رکعتوں کو اختیار کیا ہے اور اسی عدد کو ترجیح دی ہے۔ فتح الباری (۲/۲۰۵) بحوالہ انوار المصابیح (ص ۲۵۲)، عمدۃ القاری (۵/۳۵۶) بحوالہ تعداد تراویح (ص ۱۲۸)۔ اب خود اس روایت کا راوی ان تمام تیرہ رکعتوں کو تراویح کی رکعات سمجھ رہا ہے اور اس نے ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو سنتوں کو شمار نہیں کیا۔ اور مولانا مبارک پوری صاحب نے لکھا ہے کہ: راوی اپنی مروی روایت کا مطلب دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ تحفۃ الاحوذی (۱/۲۵۷)۔ لہذا یہ تاویل کرنا خود بخود باطل ہو گیا کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں۔  
۱۔ غیر مقلدین نے اس روایت سے جان چھڑانے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس روایت کو ہی ضعیف قرار دے دیا۔

ع نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: یہ روایت متعدد وجوہ سے مردود ہے: نمبر ۱۔ یہ ثقات کے خلاف ہے لہذا اٹھا ہے۔ نمبر ۲۔ مصنف کے اصل نسخہ میں اختلاف ہے: امام سیوطی نے مصنف عبدالرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ نمبر ۳۔ اس روایت پر حنفیہ و دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے۔ نمبر ۴۔ مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے، تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۶۸)۔ لیکن زبیر صاحب کی یہ سب تحریر محض رام کہانی ہے۔ ان کی ہر ہر شق کا جواب ملاحظہ ہوں:  
نمبر ۱۔ داؤد بن قیس کی روایت شاذ نہیں ہے کیونکہ شاذ روایت (بقول مولانا گوندلوی) وہ ہوتی ہے جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے۔ التحقیق الراخ (ص ۱۰) اور داؤد بن قیس کی روایت دیگر چار راویوں (امام مالک وغیرہ) کی روایتوں کے منافی نہیں بلکہ اس میں زیادتی ہے جو ان کی روایات میں نہیں ہے، یعنی باقی راوی تو گیارہ یا تیرہ رکعتیں نقل کرتے ہیں جب کہ داؤدان سے زیادہ یعنی اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں اور وہ بالاتفاق ثقہ راوی ہے۔ ایسے راوی کی زیادتی خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مقبول ہے۔ چنانچہ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: زیادتی ثقہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر کسی محدث نے وہم کا حکم نہ لگایا ہو۔ التحقیق الراخ (ص ۱۱۱) جس روایت پر علامہ ابن عبد البر جیسے مسلمہ محدث نے وہم کا حکم =

= لگایا ہے وہ روایت تو غیر مقلدین نے، یہ شاہانہ نہیں ہیں، ان روایات پر ہندوستان میں انگریزوں نے پہلے پہلے کسی نے بھی توجیہ نہیں کی وہ روایت غیر مقلدین کی نظر میں شاہانہ ہے اور یہ اسلاف ہے۔  
 (۲) مصنف عبدالرزاق نے ان ذمہ کیا وہ عدد ذکر نہیں ہے اور زہیر صاحب نے امام سیوطی کی کتاب ۱۰۸۰ میں نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں کیا وہ عدد نقل آیا ہے۔ زہیر صاحب نے ممدوح مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ایسی بات حوالہ بات قابل التفات ہی نہیں ہے۔ انوار المصاحح (ص ۲۱۲)۔

ثانیاً: اور اگر مان ہی لیا جائے کہ امام سیوطی نے مصنف عبدالرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے تو کیا زہیر صاحب اور ان کی تمام پارٹی مصنف کے کسی اصل نسخہ سے یہ روایت گیارہ کے عدد کے ساتھ نکال کر دکھا سکتے ہیں اور اگر نہ دکھا سکیں تو پھر (زہیر صاحب کی اپنی زبان سے) ہم پر امام سیوطی کے نام کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ دیکھئے زہیر صاحب کی تعداد قیام رمضان۔ (ص ۷۰، ۷۳)۔

### ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی نے

مثلاً: بالفرض اگر سیوطی نے مصنف کے حوالہ سے گیارہ کا عدد ذکر کیا ہے تو انہوں نے مؤطا کے حوالہ سے حضرت صاحب بن یزید رضی اللہ عنہ کی میں رکعات والی روایت بھی نقل کی ہے۔ دیکھئے الحاوی للفتاویٰ (۱/۳۳۶) مطبوعہ دارالعلمیۃ بیروت۔ اب غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ مؤطا میں عشرون والا نسخہ بھی تسلیم کر لیں ورنہ وہ مصنف عبدالرزاق کے گیارہ رکعات والے نسخہ سے بھی دستبردار ہو جائیں۔ دیدہ باید!

(۳) زہیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تیسری شق کہ ”اس روایت پر حنفیہ دیوبند یہ کاعمل نہیں ہے“ نہایت عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ کیونکہ احناف کے پاس تو الحمد للہ اپنے موقف کے اثبات میں روایات کثیرہ صحیحہ موجود ہیں۔ پھر احناف کو اس مضطرب روایت سے استدلال کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ البتہ غیر مقلدین کے مذہب کا سارا مدار ایسی مضطرب اور ضعیف روایتوں پر ہے۔ اس لیے ان کو احناف کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے۔

(۴) زہیر صاحب کے اعتراض کی چوتھی شق بھی باطل ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق کتب حدیث میں سے ایک معتبر اور مستند کتاب ہے اور خود علمائے غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ زہیر صاحب کے نہایت ممدوح مولانا محمد گوندلوی صاحب نے مصنف عبدالرزاق کو کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تحقیق الراجح (ص ۱۸)۔ اور گوندلوی صاحب طبقہ ثالثہ کی احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ لوگ جو ان کی جانچ پڑتال اچھی طرح کر سکیں، ان پر عمل کر سکتے ہیں، ایضاً (ص ۲۰)۔ شروع سے لیکر آج تک علمائے امت مصنف عبدالرزاق کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کبھی کسی نے اس کو غیر معتبر نہیں ٹھہرایا بلکہ غیر مقلدین بھی اس کی احادیث کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں اور ان کو درست =

= مانتے ہیں۔ صرف چند ایسی مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

نمبر ۱: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مصنف عبدالرزاق (۱۳۹/۲) سے حضرت عمرؓ کے اثر کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اثر سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ توضیح الکلام (۵۲۶/۱)۔ مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سفیان ثوری سے حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف روایت کیا ہے اور ترجیح بھی اسی موقوف کو ہوگی کیونکہ عبدالرزاق ثقہ اور حافظ ہیں۔ القول المقبول (ص ۴۷۳) خود معترض زبیر علی زئی نے بھی مصنف عبدالرزاق کی کئی احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان کو صحیح قرار دیا۔ مثلاً مصنف (۶۹/۲) کی ایک روایت (طاؤس) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و اسناد صحیح۔ نور العینین (ص ۱۲۳)۔ اور (۴۶۷/۳) سے حضرت نافع کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و اسناد صحیح۔ ایضاً (ص ۸۱)۔ اسی طرح (۶۹/۲) سے حضرت وہب بن منہب کے اثر کو استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ و اسناد صحیح داؤد ثقہ۔ ایضاً (ص ۱۳۸)۔

اب ہم زبیر صاحب کو انصاف و دیانت (بشرطیکہ ایسی کوئی شے ان میں موجود ہو) کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر مصنف عبدالرزاق کا بنیادی راوی ہی ضعیف و مصحف ہے تو پھر وہ روایات جن سے آپ نے یا آپ کے بڑوں نے استدلال کیا ہے اور صراحتاً ان کو صحیح کہا ہے وہ کس کھاتے میں جائیں گی!

## ع بریں عقل و دانش ببايد گريست

دوسرا اعتراض:- اس روایت پر مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے یہ کہا ہے کہ اکیس رکعات کی روایت غیر محفوظ ہے کیونکہ ان الفاظ (اکیس رکعات) کو روایت کرنے میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں اور وہ اگر چہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے تو ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا..... الخ۔ تحفۃ الاحوذی (۷۴/۲) لیکن مبارکپوری صاحب کا یہ زاویہ ہم ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب نابینا ہونے سے پہلے لکھی ہے اور ان کی کتاب کی روایات خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی درست ہیں۔ لہذا اگر کتاب لکھنے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا تو اس سے ان کی کتاب والی روایات پر کیا فرق پڑتا ہے؟ البتہ انہوں نے نابینا ہونے کے بعد جو روایات زبانی بیان کی ہیں ان میں کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن مذکورہ روایت تو ان کی کتاب والی روایات میں سے ہے۔ اس لئے غیر مقلدین کا اس روایت پر اعتراض کرنا چہ معنی دارد؟ اس کی مزید تفصیل حصہ اول میں گزر چکی ہے۔ الغرض غیر مقلدین کے اس روایت پر جتنے اعتراضات ہیں وہ سب باطل ہیں اور یہ روایت محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کی روایات سے صحت میں کم نہیں۔

یہ اختلاف تو ان پانچوں کی روایتوں میں عدد کے اعتبار سے تھا۔ اب اس میں کیفیت کے لحاظ سے جو اختلاف ہے وہ ملاحظہ کریں: امام مالکؒ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت ابیؓ اور حضرت حمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا تھا لیکن عمل کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اور علامہ امیر یمنی صاحب غیر مقلد کا بیان پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے کئی مسائل میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ گیارہ سے زائد رکعات پڑھتے ہوں جیسا کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے..... بلکہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا وہ جو بی نہیں تھا اور اختلاف کی گنجائش خود خلیفہ ہی کی طرف سے موجود تھی۔ اس لئے (جو لوگ ہیں وغیرہ رکعات پڑھتے تھے) ان کے حکم کی خلاف ورزی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بنا بریں اس روایت میں صرف حضرت عمرؓ کا حکم مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اس حکم پر عمل بھی ہوا ہے تاکہ گیارہ رکعات کو حضرت عمرؓ کی سنت قرار دیا جائے۔

دوسرے راوی حضرت یحییٰ قطانؒ کی روایت امام مالک کی روایت سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ امام مالک کی روایت میں تو حضرت عمرؓ کا ابیؓ بن کعب اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم مذکور ہے جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت حمیمؓ کا اپنا عمل مذکور ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین ان دونوں باتوں میں فرق کرتے ہیں کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح ہو اس کو حجت مانتے ہیں اور جس روایت میں ان کا حکم مذکور نہ ہو اس کو حجت نہیں مانتے۔ اب امام مالکؒ اور حضرت یحییٰؒ دونوں ایک ہی استاد سے روایت بیان کر رہے ہیں لیکن دونوں کے بیان کی تعبیر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو ان دونوں کی روایتوں کا آپس میں اختلاف تھا جب کہ ان کے تیسرے ساتھی عبدالعزیز و رادویؒ کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے کیونکہ اس کی روایت میں نہ تو حضرت عمرؓ کے

حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابی ﷺ اور حضرت تمیم ﷺ کی امامت کا کوئی تذکرہ ہے بلکہ اس میں حضرت سائب ﷺ کا اپنا بیان مذکور ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اب اندازہ لگائیں کہ محمد بن یوسف کے یہ تینوں شاگرد گیارہ کے عدد پر متفق ہونے کے باوجود اپنے بیانات کی تعبیر میں باہم کتنے مختلف ہیں جبکہ ان کے چوتھے اور پانچویں ساتھی محمد بن اسحاق اور داؤد بن قیس کی روایتیں تو ان تینوں کی روایتوں سے عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے مختلف ہیں۔ محمد اسحاق کی روایت میں ہے کہ ہم تیرہ رکعات پڑھتے تھے جبکہ داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو حضرت ابی ﷺ اور تمیم ﷺ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ روایت میں ایسے ہی اختلاف کو اضطراب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب حافظ ابن الصلاح کے حوالہ سے لکھتے ہیں: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک طرح سے روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ سے جو پہلے کے مخالف ہو۔ اور مضطرب روایت قابل احتجاج نہیں ہے ۲۔ اب محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں اس قدر اختلافات کے باوجود اگر محمد بن یوسف کی روایت کو مضطرب نہ قرار دیا جائے جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کی رائے ہے تو پھر اس روایت پر عمل کرنے کیلئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو ان پانچوں طرق میں سے کسی ایک طریق کو ترجیح دی جائے یا پھر ان سب میں تطبیق کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ دونوں صورتیں غیر مقلدین کے مدعی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ ابن عبدالبر مالکی نے یہ دونوں صورتیں اختیار کی ہیں۔ انھوں نے گیارہ، تیرہ اور اکیس والی روایات میں اکیس کے عدد کو ترجیح دی ہے اور گیارہ رکعت والی روایت کو وہم قرار دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی تطبیق بتلائی ہے کہ ممکن ہے حضرت عمر ﷺ نے پہلے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور پھر گیارہ کی بجائے اکیس رکعات کر دی گئی ہوں ۳۔

علامہ زرقانی نے بھی اس تطبیق کو پسند کیا ہے ۴۔ ان ائمہ حدیث اور ماہرین فن کی تطبیق کے مقابلہ میں بعض غیر مقلدین (مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا عبداللہ غاری پوری، حافظ عبدالمنان وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ پہلے اکیس پر عمل ہوتا رہا اور پھر آخر میں گیارہ

۱۔ تعداد تراویح (ص ۱۳۹)، بحوالہ علوم الحدیث (۸۴) ۲۔ تحقیق الکلام (۷/۲) ۳۔ زرقانی شرح مؤطا (۱/۲۳۹)



رکعتیں کر دی گئیں ۱۔ لیکن محدثین کرام اور ماہرین فن کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان بوندوں کی حیثیت محدثین کے مقابلہ میں محض اناڑی کی ہے اور اناڑی کے مقابلہ میں ماہرین کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ماہرین کی بات مانی جائے اناڑی کی کون سنتا ہے ۲۔ لہذا محدثین کرام کی تطبیق یا ترجیح کے مقابلے میں غیر مقلدین کی بات کو کچھ بھی وقعت نہیں دی جاسکتی۔ الحاصل محمد بن یوسف کی روایت کے پانچوں طرق کو مضطرب قرار دیا جائے یا ان میں تطبیق یا ترجیح دی جائے، جو بھی طریقہ محدثین کرام کے اصولوں کی روشنی میں اختیار کیا جائے، اس سے غیر مقلدین اپنا (گیارہ رکعات کی مسنونیت کا) دعویٰ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ روایت غیر مقلدین کیلئے حجت نہیں ہے۔

یہ ساری تفصیل تو محمد بن یوسف عن السائبؓ بن یزیدؓ کی روایت کے پانچوں طرق کے متعلق تھی لیکن اگر اس کے ساتھ یزید بن نھیفہ جو حضرت سائبؓ کے دوسرے شاگرد اور محمد بن یوسف کے ہم استاد ساتھی ہیں، کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو پھر لامحالہ محمد بن یوسف کی روایت کے مقابلہ میں یزید بن نھیفہ کی روایت کو ترجیح ہوگی کیونکہ محمد بن یوسف کی روایت میں ان کے پانچوں شاگردوں کے بیانات میں شدید اختلافات ہیں جس کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جبکہ یزید بن نھیفہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت یزید بن نھیفہ سے ان کے تینوں شاگرد (ابن ابی ذہب، محمد بن جعفر اور امام مالک) متفق اللفظ ہو کر نقل کرتے ہیں کہ: صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت سائبؓ بن یزیدؓ کے تیسرے شاگرد اور محمد بن یوسف اور یزید بن نھیفہ کے ساتھی حارث بن عبد الرحمن بن ابی ذبابؓ کی روایت بھی یزید بن نھیفہ کی روایت کے مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کے پڑھے جانے کا ذکر ہے ۳۔ لہذا غیر مقلدین کا یزید بن نھیفہ اور حارث بن عبد الرحمن کی بے بنیاد اور غیر مضطرب روایات

۱۔ دیکھئے تہذیب الاحادی (۲/۶۸)، رکعات تراویح (ص ۲۳)، تہذیب تراویح (ص ۱۶۸)، ۲۔ انوار المسابیح (ص ۱۳۶)

۳۔ اشکال: بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اگر محمد بن یوسف کی روایت ان کے شاگردوں سے مختلف بیانات ہونے کی بنا پر مضطرب ہے تو پھر یزید بن نھیفہ کی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ ان کے شاگردوں نے بیانات میں بھی

= اختلاف ہے چنانچہ یزید کے پہلے شاگرد ابن ابی ذئب کا بیان ہے کہ: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں ہے کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اب پہلی کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنے عمل کی بجائے دوسرے لوگوں کا عمل نقل کر رہے ہیں جبکہ یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنا عمل ذکر کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن ابی ذئب کی روایت وتر کے ذکر سے ساکت ہے جبکہ محمد بن جعفر کی روایت میں وتر کا بھی ذکر ہے (اسی طرح یزید بن خصیفہ کے ساتھی حارث بن عبد الرحمن کی روایت میں بھی تین رکعت وتر کا ذکر ہے)۔ نیز ابن ابی ذئب کی روایت میں ایک زائد جملہ ہے کہ: لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے لائٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے، لیکن یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر اور یزید کے ہم استاد حارث بن عبد الرحمن کی روایتوں میں نہ تو عہد عثمان کا ذکر ہے اور نہ ہی کیفیت ادا کا۔ لہذا بیس رکعت والی روایت بھی مضطرب ٹھہری۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۲۳۵، ۲۳۶)، تعداد تراویح (ص ۱۵۲)۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال بالکل بے اصل ہے اور محض گیارہ رکعات والی مضطرب روایت کو بچانے کیلئے ایک غیر مقلد انہ جیلہ ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت میں جو اختلاف ہے اور یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت میں جو اختلاف ہے، ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اس لیے کہ محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں جو اختلاف ہے وہ اختلاف معارضہ اور منافات کے قبیل سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے بالکل مختلف اور دوسرے کے بیان کے منافی ہے حتیٰ کہ پانچوں شاگرد رکعات تراویح کے عدد پر بھی باہم متفق نہیں ہیں، کوئی ان میں سے گیارہ رکعات نقل کرتا ہے، کوئی تیرہ رکعات اور کوئی اکیس رکعات نقل کر رہا ہے۔ اسی طرح ان میں کوئی تو حضرت عمرؓ کا حکم نقل کر رہا ہے کوئی حضرت عمرؓ کے حکم کی بجائے حضرت ابیؓ اور حضرت تیمؓ کی امامت کا تذکرہ کر رہا ہے، اور کوئی حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر کر رہا ہے روایات میں ایسے ہی اختلاف کو اصول حدیث کی رو سے اضطراب کہا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایات میں اختلاف کی یہ نوعیت نہیں بلکہ ان کے سب شاگرد بیس رکعات کے عدد پر باہم متفق ہیں۔ باقی ان کے بیانات کی تعبیر میں جو معمولی سا اختلاف ہے تو وہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہے جس کو اضطراب نہیں کہا جاتا۔ مثلاً یزید کے شاگرد ابن ابی ذئب کی روایت کے الفاظ ہیں: کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطابؓ فی شہر رمضان بعشرین رکعة الخ۔ اور محمد بن جعفر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: کانوا یقومون فی زمان عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعة الخ۔ اب دونوں کی روایتوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ کانوا یقومون کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین ہیں اور کانوا یقومون کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ =

کے مقابلے میں محمد بن یوسف کی مضطرب روایت کو ترجیح دینا صریح زیادتی اور انصاف و دیانت سے بھی کوسوں دور ہے بالخصوص جب کہ یزید بن حصیفہ اور حارث کی روایات کی تائید حضرت عمرؓ کے عہد سے

= اور کبار تابعین ہیں۔ اب ان دونوں کے بیانوں میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟

اگر محمد بن یوسف نے بیان میں وتر کا ذکر ذائد ہے جس سے ابن ابی ذئب کی روایت ساکت ہے۔ اسی طرح ابن ابی ذئب کی روایت میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں تراویح پڑھے جانے کی کیفیت مذکور ہے جس کا محمد بن جعفر کی روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے تو یہ ان دونوں کی روایتیں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات کی طرح باہم ایک دوسرے سے معارض اور منافی نہیں کہ ان کو مضطرب قرار دیا جائے بلکہ ان دونوں میں جو معمولی فرق ہے وہ صرف ”بیان اور سکوت“ کا فرق ہے کہ ایک کی روایت میں ایک چیز کا ذکر ہے جس سے دوسرے کی روایت میں سکوت ہے۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: سکوت اور بیان میں کوئی منافات اور معارضہ نہیں ہے۔ انوار المصاحح (ص ۲۳۷)۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث اعظم حافظ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: ایسا ہو ہی جاتا ہے کہ ایک چیز کا بعض طرق میں ذکر ہوتا ہے اور بعض میں نہیں تو ایسے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں روایت کا ضعف لازم نہیں آتا۔ تحقیق الراوی (ص ۸۲)۔

نیز لکھتے ہیں: محمد ثین کے ہاں مسلمہ ہے کہ ایک روایت میں ایک چیز کا عدم ذکر اس سے دوسرے طریق میں آجائے تو معمولی ہوگی۔ الضأ (ص ۸۳)۔ لہذا غیر مقلدین کا یزید بن حصیفہ کے شاگردوں کے بیانات میں اپنی طرف سے فرضی اختلافات بنا کر اس کو مضطرب کہنا باطل ہے اور ان کا محمد بن یوسف کی مضطرب روایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ تفصیل تو یزید بن حصیفہ کے شاگردوں کی روایت کے متعلق تھی۔ اس کے ساتھ یزید بن حصیفہ کے ہم استاذ حارث بن عبد الرحمن کی روایت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ حارث اپنے استاد حضرت سائب کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ کے دور میں قیام تیس رکعات کا تھا۔ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ان تیس رکعات میں تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں۔ عمدۃ القاری (۸/۲۳۶)۔ اب حارث کی روایت بالکل یزید بن حصیفہ کے شاگردوں کی روایات کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں صرف وتر کا ذکر تھا اور یہاں حارث کی روایت میں وضاحت سے تین رکعات وتر کا ذکر ہے۔ اور مولانا ارشاد اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: الحدیث یفسر بعضہ بعضاً۔ کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔ توضیح الکلام (۱/۵۳۳، ۵۳۹)۔ الغرض حضرت سائبؓ سے ان کے دونوں شاگرد یزید بن حصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن اور پھر ان کے سب شاگرد متفق ہو کر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کرام میں تیس رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیانات میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت سائبؓ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات میں شدید اختلافات ہونے کی وجہ سے وہ روایت مضطرب ہے۔

متعلق دیگر آثار سے بھی ہوتی ہے جبکہ محمد بن یوسف کی روایات کی تائید میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ان کی روایات کی تقویت کا سبب بن سکے۔

## غیر مقلدین کے چند شبہات

قارئین کرام:

غیر مقلدین کی طرف سے آٹھ تراویح کے اثبات میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ تو آپ نے بخوبی لے لیا کہ غیر مقلدین کے پاس ایک بھی ایسی ٹھوس دلیل نہیں کہ جس سے صرف آٹھ رکعات کا رسول اللہ ﷺ یا حضرت عمرؓ کی سنت ہونا ثابت ہو سکے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اختتام کتاب سے قبل ان کے عوام میں پھیلانے گئے چند اہم شبہات کی بھی وضاحت کرتے جائیں تاکہ سطحی الذہن عوام ان کے مکر و فریب میں نہ آسکیں۔  
وما توفیقی الا باللہ۔

شبہہ اولیٰ: علامہ ابن الہمام جو فقہ حنفی کے مشہور محقق اور مجتہد ہیں، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات ہی سنت ہیں باقی بارہ رکعات مستحب ہیں۔ ۱۔

اسی طرح علام ابن نجیم نے البحر الرائق میں اور علامہ طحاوی نے شرح در مختار میں شیخ ابن الہمام کی بات کو بلا انکار نقل کیا ہے ۲۔

جواب: علامہ ابن الہمام بیس رکعات تراویح کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ وہ ان بیس میں سے صرف آٹھ رکعات کو سنت اور باقی بارہ رکعات کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کا یہ قول ان کے تفردات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور علامہ عبدالحی لکھنوی وغیرہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کا تفرد ہے اور ان کے علاوہ امت مسلمہ میں کوئی بھی جلیل القدر ہستی اس قول کی قائل نہیں ہے ۳۔  
اس مسئلہ کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں انہوں نے تفرد اختیار کیا ہے اور ان کے ایسے تفردات غیر معتبر اور

۱۔ صلوة الرسول (ص ۴۱۵)، انوار المصاحح (ص ۳۱) ودیگر کتب غیر مقلدین بحوالہ فتح القدر (۱/۳۳۴) لابن الہمام

۲۔ انوار المصاحح (ص ۳۲) ۳۔ دیکھئے العرف العذی (ص ۳۰۹)، حاشیہ ہدایہ (۱/۱۵۱) وغیرہ

نا قابل عمل سمجھے جاتے ہیں خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔

علامہ ابن الہمام نے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: علامہ ابن الہمام کو فقہ  
نفسی میں اجتہادی مقام حاصل تھا۔ انھوں نے کئی مسائل میں اپنے ہم فکر علماء سے اختلاف کیا ہے لیکن ان  
کے اختلاف کو خود علمائے احناف نے بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ چنانچہ انہی کے شاگرد علامہ قاسم  
قطو بجا اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: شیخ ابن ہمام کے وہ مباحث جو مذہب کے مخالف ہیں، ان پر عمل نہ  
کیا جائے۔ علامہ قاسم کا یہ قول علامہ کشمیری نے العرف الہدیٰ (ص ۵۰) میں بھی نقل کیا ہے۔ لہذا  
حنفی مذہب کے خلاف ان کا جو بھی قول ہوگا وہ مقبول نہیں ہوگا چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب باور کر لیا جائے۔  
مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: علامہ ابن الہمام حنفی  
باوجود فقیہ ہونے کے اس سواد اعظم سے شذوذ فرماتے ہیں ۳۔

اب غیر مقلدین خود ہی بتلائیں کہ اس سے زیادہ ہم ان کی کیا تسلی کرا سکتے ہیں۔

کیا ہی خوب ہو کہ غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے  
باقی رہا مولانا نذیر رحمانی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ ابن نجیم اور علامہ طحاوی نے بھی شیخ ابن  
الہمام کے اس قول کو بلا انکار نقل کیا ہے۔ لہذا ان کا بھی یہی نظریہ ہے تو رحمانی صاحب کی یہ غلط فہمی ہے  
کیونکہ یہ دونوں بزرگ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔  
چنانچہ علامہ ابن نجیم رکعات تراویح کے متعلق اپنا نظریہ یوں بیان فرماتے ہیں: وسن رمضان  
عشرون رکعة وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً ۴۔

رمضان المبارک میں مسنون بیس رکعات ہیں اور اس پر تمام مشرق و مغرب کے لوگوں کا عمل ہے۔

اسی طرح علامہ طحاوی بھی بیس رکعات کو سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وہی عشرون رکعة۔

الحكمة في تقديرها بهذا العدد مساوات المحكم وهي السنن للمكمل وهي

۱۔ البحر الرائق (۱۲۵/۵) ۲۔ توضیح الکلام (۵۳۵/۲) ۳۔ تحقیق الراجح (ص ۲۲) ۴۔ البحر الرائق (۷۲/۲)

الفرائض الاعتقادية والعلمية ۱۔ اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور تراویح کی بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مکمل جو (بیس رکعات) سنن ہیں وہ مکمل جو فرائض علمیہ و اعتقادیہ ہیں، کے برابر ہو جائے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان دونوں حضرات کا نظریہ بھی علامہ ابن الہمام کی طرح ہے۔ انہوں نے علامہ ابن الہمام کا قول نقل کیا ہے تو وہ محض ان کا تفرہ بتلانے کیلئے ہے، یہ نہیں کہ یہ دونوں بھی علامہ ابن الہمام کی طرح آٹھ رکعات کے سنت اور بارہ رکعات کے مستحب ہونے کے قائل ہیں بلکہ انہوں نے تو بیس رکعات کو سنت کہہ کر شیخ ابن الہمام کے قول کی تردید کر دی ہے۔

شعبہ ثانیہ: مولانا ندیر احمد رحمانی لکھتے ہیں کہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب ما ثبت بالنسبہ میں لکھا ہے کہ: بعض سلف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز کے عہد میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے تاکہ ان کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق اور مشابہ ہو۔ یصلون جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا کرنے والے متعدد حضرات تھے۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عمل کا داعی اور محرک کوئی اجتہادی عمل نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کا جذبہ ہی اس کا محرک اور داعی تھا ۲۔

الجواب: اس اثر سے استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً: شیخ عبدالحق نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد ایک اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن قدامہ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ لہذا بلا سند کوئی بات مقبول نہیں: ۳۔

اب امام ابن قدامہ جیسے محدث کی بات غیر مقلدین کے نزدیک مقبول نہیں تو پھر شیخ عبدالحق جن کا درجہ یقیناً ابن قدامہ سے کم ہے، ان کی بات بلا سند کیسے مقبول ہوگی! فی اللعجب۔ بلکہ خود شیخ عبدالحق نے اپنے اس قول کو رومی صیغہ ترمیض سے ذکر کر کے اس قول کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ثانیاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز کے عہد سے متعلق اس اثر کی کوئی سند موجود نہیں۔ اس کے بالمقابل صحیح السنن اثر سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز کے دور میں لوگ چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے ۴۔

حاشیہ الطحاوی علی مراتب الفلاح (ص ۲۲۵) ۲ انوار المعاصح (ص ۲۸۰) ۳ توضیح الکلام (۱/۱۱۷)

مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵)، قیام اللیل (ص ۹۱)

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے قاریوں کو پچھتیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ بلکہ خود غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ زوہریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں چھتیس رکعات پڑھی جاتی تھیں ۲۔

اب ان صحیح السنہ آثار کو چھوڑ کر شیخ عبدالحق دہلوی کے ذکر کردہ بلا سند قول کو گلے گا لیتا یہ غیر مقلدین کا محض تجاہل عارفانہ ہے۔

مثلاً: اس میں بعض سلف کا ذکر ہے اور بعض سلف نامعلوم ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: نامعلوم لوگوں کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں ۳۔

رابعاً: اس اثر سے تو یہ بھی ظاہر نہیں کہ وہ بعض نامعلوم لوگ گیارہ رکعات تراویح کی پڑھتے تھے یا تہجد کی پڑھتے تھے؟ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

شبه ثالثہ: مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: نبی ﷺ سے تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں صحیح طور پر ثابت ہیں۔ بیس رکعات والی روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے ۴۔  
جواب: علامہ کشمیریؒ کی تحقیق فی رکعات التراویح۔

علامہ کشمیریؒ موجودہ غیر مقلدین کی طرح صرف آٹھ رکعات کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس رکعات کو مسنون سمجھتے ہیں انہوں نے اگرچہ بیس رکعات والی مرفوع حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو باعتبار عمل کے صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول: ما کان عمرؓ مسبتدعاً“ کی شرح میں فرماتے ہیں: لا بد من ان یکون لها اصل نبی ﷺ وان لم یبلغنا بالاسناد القوی: ۵ ضروری ہے کہ ان بیس رکعات کیلئے کوئی اصل نبی ﷺ سے ہو اگرچہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات:

۱۔ قیام الیل (ص ۹۲) ۲۔ الہدیت کے امتیازی مسائل (ص ۱۰۱) ۳۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۳۰)

۴۔ انوار المصابیح (ص ۱۷۲)، تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۲۳) بحوالہ العرف العذی (۱/۱۱۶) ۵۔ العرف

تراویح پر تمام امت کا اجماع ہے اور میں سے کم رکعات کا کوئی بھی قائل نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لم یقل احد من الائمة باقل من عشرين ركعة في التراويح واليه ذهب جمهور الصحابة رضی اللہ عنہم۔ ائمہ میں سے کوئی بھی امام بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں اور بیس تراویح ہی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

علامہ ابن الہمام کے قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال ابن الهمام ان ثمانية ركعات سنة مؤكدة وثنتي عشرة ركعة مستحبة وما زال لهذا الحد ٢۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور بارہ رکعات مستحب ہیں لیکن اس طرح کی بات (ان کے علاوہ) کسی نے بھی نہیں کہی۔

نیز شاہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعات مقرر فرمانے کے بارے میں فرماتے ہیں: فند تلقاه الامم بالقبول ٣۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ بیس رکعات کو ہی سنت کہتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہونے کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت کے عمل سے مؤید ہے اور حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے وہ روایت قابل عمل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وذہب بعضهم الى ان الحديث اذا تأيدها بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول۔ قلت وهو الاوجه عندی ٤۔

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث جب امت کے عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعیف کی حالت سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے۔

بنا بریں غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ وہ صرف آٹھ رکعات کو سنت اور بیس رکعات کو ضعیف کہتے ہیں، یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ

١۔ ایضاً ٢ ایضاً (ص ٣٠٩) ٢۔ ایضاً ٣ فیض الباری (٣/٣٠٩) ٤۔ فیض الباری (٣/١٨١)



ہرگز صرف آٹھ رکعات کے سنت کے قائل ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ تو ان لوگوں کے بارے میں جو صرف آٹھ رکعات کے قائل ہیں، یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

واما من اکتفى بالرکعات الثمانية وشذعن السواد الاعظم وجعل یرمیهم بالبدعة فلیر عاقبته ۴۔

جو شخص صرف آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور وہ سواد اعظم پر بدعت کا الزام لگاتا ہے تو وہ اپنا انجام سوچ لے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق و صداقت پر قائم و دائم رکھے اور ہمیشہ سواد اعظم کی معیت و اتباع نصیب فرمائے اور اہل حق کے ساتھ تعصب و عناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ اہل اسلام کا مامون و محفوظ رکھے۔  
 امین بجاہ النبی الکریم و سید الانبیاء والمرسلین و سلمی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وصحبہ و علی من اتبعہم باحسان الی یوم الدین۔

احقر العباد

**ظہور احمد الحسینی غفرلہ**

شوال المکرم ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۴ جنوری ۲۰۰۱ء

شب الجمعہ المبارک